شمارہ: 7 2019
جولائی، اگست، ستمبر

مدیر: اے آر خان



سہ ماہی قندیل حق لندن

QINDEEL-E-HAQ
LONDON

alibhatti602@gmail.com (M) 0022792195433
A.R. KHAN
Ph: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com

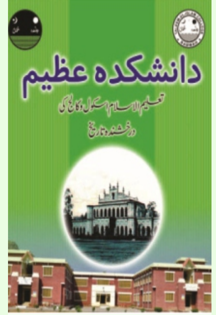
احمدیہ مسجد ''سلام'' تنزانیہ

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے زیر اہتمام



تقریب رُونمائی و پزیرائی کتاب دانشکدہ عظیم
ومشاعرہ فرینکفرٹ





محترم رانا عبدالرزاق خان، مصنف، کالم نگار، شاعر و ادیب، ایڈیٹر قندیل ادب انٹرنیشنل کی مشہور کتاب جو تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ پر مشتمل ہے۔



صدارت
مکرم زرتشت منیر احمد صاحب آف ناروے

اس کتاب "دانشکدہ عظیم" کی رُونمائی
مورخہ 13 جولائی بروز ہفتہ بوقت 6 بجے شام
بمقام بیت السبوح سے ملحقہ کمیونٹی ہال
میں منعقد ہو رہی ہے



تبصرہ و مقالہ نگار:







پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب۔مکرم کولمبس خان صاحب۔چوہدری محمد انیس دیال گڑھی صاحب۔عرفان خان صاحب۔بشارت احمد بشارت

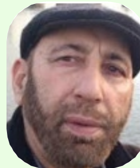
اس کتاب پر مشہور ادیب تبصرہ بھی کریں گے۔کئی مشہور شخصیات کی شمولیت کا امکان ہے۔اس ادبی نشست کے بعد محفل شاعرہ بھی ہوگی۔جس میں بیرون ممالک سے جرمنی جلسہ سالانہ پر تشریف لانے والے مشہور شعراء اپنا کلام پیش کریں گے۔






وسیم احمد طاہر۔مسعود چودھری۔طاہر عدیم۔طاہر مجید



بشارت احمد بشارت۔راجہ محمد یوسف۔اسحق عاجز۔اسحق اطہر






منیر باجوہ۔شریف خالد۔مدبر آسان۔شائق نصیر پوری

شائقین احباب اور خواتین سے شرکت کی درخواست ہے۔

متمنی شرکت:






عرفان خان، نائب صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی
01711974701

شیخ منصور احمد جنرل سیکرٹری 017622837517

حمید اللہ ظفر سیکرٹری مال 01774043822

عبدالغفور ڈوگر سیکرٹری اشاعت 01785613592

فہرست





اداریہ

ہمارے مقاصد



رانا عبدالرزاق خان۔لندن

قندیل حق میگزین کا یہ ساتواں شمارہ ہے۔ یہ اس لئے شروع کیا گیا تھا کہ بہت سے تشنگانِ حق اور اور فدایانِ مسیح موعود، عاشقانِ خلافت نے ایسے میگزین کو شروع کرنے کی تجویز دی تھی۔اور بھرپور تعاون کا یقین دلا کر اس وعدے کو اب تک مسلسل نبھا رہے ہیں۔سلطان القلم کے مریدوں کی ایک علم سے سیراب نسل اس رسالہ کی آبپاشی میں مصروف ہے۔اس میں منکرین امام مہدی، نار بولہبی کی حماقتوں کا جواب قرآن وحدیث کے اُن علوم کی روشنی میں دیئے جاتے ہیں۔جو امام وقت اور اُن کے خلفاء کی ہدایت سے منور ہوتے ہیں۔تاریخ اور فقہ کے وہ حقائق اور رموز حق کے طالبوں کو مہیا کئے جاتے ہیں۔وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے۔وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اور خلفائے وقت کی ہدایات، اور فرمودات کی روشنی میں عوام الناس کو سمجھائے جانے کی حتی المقدور کوشش کی جاتی ہے۔منفی روّیوں کا قلع قمع کیا جاتا ہے۔حق اور سچ کی اشاعت کی جاتی ہے۔مثبت نقطہ نظر کی حوصلہ افزائی اور منفی روّیوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔زمانے اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی اور قران کی تفسیر سمجھائے جانے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہ سورج، چاند، ستاروں سے روشنی لے کر قندیل کے ذریعے تاریک اذہان کو روشن کرنے کی جدوجہد ہے۔اطاعت امام کے تناظر میں، علم وعمل کی ترویج، اور اُمت مسلمہ کو اتحاد واتفاق کا درس دیا جاتا ہے۔زمانے میں جو جہالتیں رواج پا چکی ہیں، بدعات نے بڑے بڑے جبہ پوش، علمائے سُو کو ابوجہل بنا دیا ہے۔اس سے بھی عامۃ الناس کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ہمارے قابل قدر علما اور مربیان اپنی اپنی استعداد کے مطابق اپنا حق ادا کرتے ہوئے تربیتی اور علمی مضامین لکھتے اور ارسال کرتے ہیں۔کم علمی اور خود فریبی نے جو زنگ آلود تفرقے ڈال رکھے ہیں۔کم فہمی اور کج فہمی کی وجہ سے جو لوگ تاریک اور تنگ نظری کا شکار ہو گئے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کی رستگاری چاہتے ہیں۔لہذا اس قلمی جہاد کے ذریعے ان قوموں کو اس روشن پسند اسلام میں لانا جماعت احمدیہ کا مقصد ہے۔آؤ ہمارے ساتھ خلافت کے قافلہ میں شامل ہو کر مسیح محمدی کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں پر سوار کر لو۔اور خدا کی رضا کو پانے والے بنو کہ یہی عین اسلام ہے۔اسلام کے مقصد کو پہچانو۔انسانیت کے مقصد کو سمجھو۔بھائی بھائی بن جاؤ۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حکم کو قرآن کے مطابق اپنی زندگیوں پر وارد کرو۔تفرقہ اور تفریق سے بچو۔رنگ ونسل، مذہب وعقیدہ کے تعصب کو اُتار پھینکو۔عبداللہ بننے کی کوشش کرو۔تاکہ تمہارا خدا تم سے خوش ہو جائے۔غیر قوموں کی رفتار دیکھو۔دجال اور یاجوج ماجوج کی عیاریوں اور مکاریوں سے عبرت پکڑو۔اب دنیا میں کوئی راہنما ایسا نہیں جو امام وقت جیسا ہو اور اس کا مقابلہ کر سکے۔آنکھیں کھولو اور خدا سے مدد مانگ کر اس قافلہ مہدی کے ہم رکاب بنو۔کیونکہ اب نجات اسی میں ہے۔مسیح محمدی ہی انشاء اللہ غالب آنے کو ہے۔اپنی آخرت سنوارنے کی فکر کرو۔قلمی، مالی وجانی قربانی میں آگے بڑھو۔اور خدا تعالیٰ سے لو لگاؤ۔اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً وہ رب العٰلمین تمہارا ہو جائے گا۔اور تمہاری سکینت کا موجب ہوگا۔اے اللہ تو ایسا ہی کر۔آمین۔اپنے مضامین اور مراسلے کھلے دل سے ارسال کریں، ای میل کریں، تاکہ ہم اطاعت اور اشاعت سے خلافت اسلام واحمدیت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔اے اللہ تو ایسا ہی کر۔آمین۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر



اسلام آباد
۱۶/۵/۱۹

مکرم رانا عبدالرزاق خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ اللہ آپ کی تمام نیک خواہشات پوری فرمائے۔ دین و دنیا کی بہترین نعماء عطا فرمائے۔ مخلوق کو جذب کرنے والا بنائے۔ نیکی اور تقویٰ کے اعلیٰ معیار عطاء فرمائے اور ہمیشہ راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں اس کی برکات سمیٹنے اور مقبول عبادات کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ آپکی طرف سے قندیل حق کا شمارہ ۳ بھی موصول ہو گیا ہے۔

والسلام
خاکسار
مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

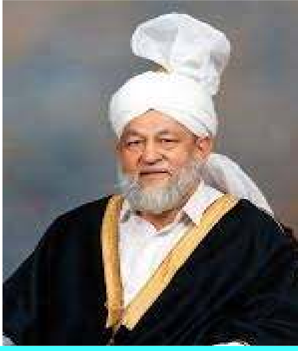
لندن



مجلسِ عرفان (منعقدہ 27 اپریل 1986 بمقام لندن)

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ

مرتب کنندہ: منیر احمد شاہین مربی سلسلہ



سوال:۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں آپ کی تنظیم اور آپ کے بزرگان کا کیا کردار تھا؟

حضورؒ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''۔۔۔۔ جنگ آزادی کی تحریک 1857ء کی ہے اور جماعت کا آغاز 1889ء میں ہوا ہے۔۔۔۔ پہلے کی بات کے متعلق بعد میں آنے والوں کا کردار کیسے ہوسکتا ہے؟ بیٹے کا ماں کی پیدائش میں کیا کردار ہوسکتا ہے؟''

جنگِ آزادی یا غدر:

حضورؒ نے فرمایا:۔''۔۔۔۔دیکھیں! آپ کو جنگ آزادی کے کوائف کا علم نہیں ہے۔ آپ اس کو خواہ مخواہ مذہب کے ساتھ confuse کر رہے ہیں۔ جنگ آزادی جس کو نام دیا جاتا ہے، غدر وہ اصل (میں) ہندوؤں کی تحریک تھی اور ہندوستان کے بہت سارے ایسے عناصر جو مسلمانوں کے خلاف بھی صف آراء تھے اُنہوں نے وہ movement چلائی تھی۔ اس لئے اُس وقت کے چوٹی کے مسلمان علماء نے اس کے متعلق فتویٰ دینے سے انکار کر دیا (1)۔ اور اُن لوگوں کا گھیراؤ کیا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تحریک جو تھی سارے ہندوستان کے لئے بھی مُضر ثابت ہوئی اور مسلمانوں کی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا۔ اس نتیجہ کے لئے وہ تحریک تھی؟ بہادر شاہ ظفرؔ کی حکومت تھی۔ اسی تحریک نے اسے تباہ کیا ہے۔ اگر وہ تحریک نہ چلتی تو ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، تاریخ ہی اور ہونی تھی۔ ایسی تحریک کے متعلق آپ جماعت احمدیہ سے فتویٰ لینا چاہتے ہیں جس نے مسلمانوں کی آخری حکومت کا تختہ اُلٹوا دیا۔

Mughal empire came to an end because of that.

اور اس کا آپ کو علم نہیں ہے اور آپ جذباتی باتوں میں کھیل کر ان باتوں کو مذہب کے ساتھ confuse کرنا چاہتے ہیں؟ 1889ء میں جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی جارہی ہے اور 1857ء کی آپ ہم سے حساب فہمی کر رہے ہیں۔ آپ کو بات سمجھ نہیں آرہی؟''

سائل:۔ آپ نے اس (جنگ) کو غدر کہا ہے، 1857ء کی جنگ آزادی کو، کوئی مسلمان ایسے نہیں کہتا۔ ہندو یا سکھ اُسے عام طور پہ غدر کہتے ہیں۔ مگر مَیں نے آج تک کسی مسلمان کے مُنہ سے ایسا نہیں سُنا۔

اسلامی جہاد میں مؤمن و مکفّر کا اشتراک ممکن نہیں۔

حضورؒ نے فرمایا:'' کبھی کسی مسلمان کے مُنہ سے آپ نے کوئی ایسا جہاد سُنا ہے جس میں مسلمان اور مشرک مل کے جہاد کر رہے ہوں؟''

سائل:۔ آزادی کے لئے تو کر سکتے ہیں۔

حضورؒ نے فرمایا:''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن''(البقرۃ:157)

سائل:۔ آنحضورﷺ نے مدینہ کے یہودیوں سے مل کر پھر مکّہ والوں کے خلاف جہاد نہیں کیا؟

حضورؒ نے فرمایا:۔''اِنَّا لِلّٰہِ خدا کا خوف کریں۔ آپ کیوں تاریخ اسلام کا حُلیہ بگاڑ رہے ہیں؟ آنحضرتﷺ نے جنگ بدر کے موقعہ پر جبکہ آپ کو مددگاروں کی شدید ضرورت تھی۔ ایک مشرک کی مدد لینے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ جہاد میں کوئی مشرک شریک نہیں ہوگا اور وہ اپنے زمانہ کا چوٹی کا لڑنے والا پہلوان تھا۔ وہ مسلمان جو پیغام دینے والے تھے بڑے خوش ہوئے کہ ایک مددگار مل گیا ہے۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ خدا کے دین کو کسی مشرک کی ضرورت نہیں ہے۔ مَیں اس کی مدد کو ردّ کرتا ہوں۔(2)۔۔۔۔کوئی ایک جہاد آپ بتائیں کہ جس میں کوئی یہودی آنحضرتﷺ کے ساتھ شامل ہوا ہو؟''

سائل:۔ یہودی، اُن سے معاہدہ تو ہوا تھا؟

حضورؒ نے فرمایا:'' دیکھیں! یہودی رسول اللہ ﷺ کے خلاف نہیں لڑیں گے۔ یہ معاہدہ ہے(3)۔ یہودی ساتھ لڑیں گے کوئی بھی معاہدہ نہیں ہے۔ دکھایئے کہیں؟ کوئی ایک بتائیں۔ جنگ احزاب میں یہودی ساتھ لڑے تھے؟ کون سی جنگ ہے؟ بدر میں ساتھ لڑے تھے؟ اُحد میں ساتھ لڑے تھے؟ تو آپ احمدیت پر حملہ کرنے کی خاطر کیوں اسلام پر حملہ کرنے سے نہیں چُوک رہے؟ اَمرِ واقعہ یہی ہے۔۔۔۔۔ معاہدہ کے خلاف تو مَیں کچھ نہیں کہہ رہا۔ مَیں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اس شوق میں کہ احمدیت کے خلاف ضرور کچھ کہا جائے۔ اسلام کے خلاف کیوں کہنے لگ گئے ہیں؟ آنحضرتﷺ کو قرآن کریم کی روشنی میں جو واضح اُصول دیئے گئے

ہیں، وہ سورج، چاند کی طرح روشن ہیں۔ان کو مدِ نظر رکھ کر بات کریں۔ مَیں مذہبی رہنما ہوں مَیں کوئی سیاسی رہنما نہیں ہوں۔ مجھ سے مذہب کے متعلق بات کریں اور مَیں آپ کو قطعاً یقین دلاتا ہوں کہ آپ جس کو جہاد کہہ رہے ہیں اس میں غیر مسلم کی شمولیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔اس لئے اُس کو جہاد کہا ہی نہیں جا سکتا اس movement کو جس کے سربراہ ہندو تھے اور اُس تحریک نے مسلمان حکومت کا تختہ اُلٹا ہے، آپ دیکھیں سرسید کی کتاب پڑھیں اُس سے آپ کو بہت کچھ علم ہوجائے گا۔ یہ تاریخی واقعات ہیں ان کو distorch کر کے آپ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ جو تاریخی حقائق ہوتے ہیں اُن کو تاریخ کی روشنی میں پڑھنا چاہیئے۔ یہ تو نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد کچھ عرصہ تاریخ اور طرح لکھی جائے اور رجیم آ جائیں تو تاریخ اور طرح لکھی جائے۔ یہ تو ایسی بات ہے جیسے کیمونسٹ مما لک میں ایک دَور میں Stalon اور طرح کا آدمی ہوجائے اور دوسرے دَور میں اور طرح کا بن جائے۔انسان کو باشعور طریق پر تاریخی حقائق کو دیکھنا چاہیئے۔نتیجہ میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن حقائق میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔اس لئے آپ جس کو جنگ آزادی کہہ رہے ہیں۔اس کے پہلے facts کو درست کریں اصل واقعات کو دیکھیں۔پھر اپنے دل سے آپ فیصلہ لیں کہ اس کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی شکل کیا ہے؟اس نے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا یا نقصان پہنچایا؟''

جہاد اور قتال میں فرق:

سوال: کیا مرزا صاحب نے جہاد اور قتال سے منع فرمایا؟

حضورؒ نے فرمایا: ''منع جہاد سے، ہرگز جہاد سے منع نہیں فرمایا آپ نے جہاد کے نام پر قتال سے منع فرمایا ہے۔یہ دو چیزیں بالکل مختلف ہیں۔''

سائل: ۔جہاد میں تو قتال ہوتا ہی ہے؟

حضورؒ نے فرمایا: ''نہیں بالکل نہیں۔ جہاد میں قتال بھی ہوتا ہے یہ دُرست ہے۔ہوسکتا ہے لیکن ہر قتال کا نام جہاد نہیں ہے۔''

سائل: ۔اگر مسلمان اپنی آزادی کے لئے جنگ کرے؟

جہاد کی حقیقی تعریف:

حضورؒ نے فرمایا: ''اُس کا نام جہاد نہیں ہے۔آزادی کے لئے جنگ کرے اُس کا نام جہاد نہیں ہے۔قرآن کریم نے جو جہاد کی تعریف کی ہے اس کو بھلا کر آپ جو چاہے تعریف کرلیں۔وہ اسلامی تعریف نہیں بن سکتی۔ جہاد کی تعریف کے لئے سند کیا ہے؟ مجھے یہ بتایئے۔قرآنِ کریم اور حدیث ہے یا کوئی اور چیز ہے؟ ۔۔۔بس ! قرآنِ کریم سے وہ آیتِ جہاد نکال لیں۔ جہاں پہلی دفعہ اجازت ملی ہے اور اس سے معاملہ بالکل کھل جائے گا۔اس کو بھلا کر آپ کس طرح جہاد کی بات کر سکتے ہیں؟ سورۃ حج میں پہلی مرتبہ وہ آیت نازل ہوئی۔جس میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ۔جہاد کی اجازت پہلے بھی تھی لیکن جہاد بالقرآن کی تھی۔ جہاد بالسّیف کی نہیں تھی۔پہلی مرتبہ جہاد بالسّیف کی اجازت سورۂ حج میں ملی ہے اور وہ آیت یہ ہے۔

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۔ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۔(الحج:40,41)

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جن پر پہلے ہی تلوار کے ساتھ حملہ کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی لڑائی کریں۔ یہ جو آیت کا ترجمہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں،شیعہ،سُنّی کسی فرقے کا اتنا کھلا ترجمہ ہے کہ آپ کوئی قرآن اُٹھا کے دیکھ لیں وہاں ترجمہ یہی ہے۔اَلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ کا مطلب ہے،اُن کو اجازت دی جاتی ہے جن سے پہلے ہی لڑائی کی جارہی ہے۔یعنی دُشمن نے اُن سے لڑائی شروع کررکھی ہے اور ہم نے پہلے اُن کو اجازت نہیں دی تھی۔یعنی دُشمن کا پہل کرنا جہاد کی اجازت کے لئے ضروری ہے۔پہلی شرط یہ لکھی ہے۔بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اور لڑائی اُن سے جو کرنے والے ہیں اُن کے پاس کوئی جائز وجہ نہیں ہے کہ وہ ان کے خلاف تلوار اُٹھائیں۔ اَز راہِ ظلم وہ لڑائی کر رہے ہیں ۔دوسری شرط ہوئی کہ مظلوم ہوں وہ لوگ جن کے خلاف تلوار اُٹھائی ہوئی ہے۔تیسری بات،آگے بات چلانے سے پہلے خدا نے یہ بیان فرما دی وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ۔اللہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ ان مظلوموں کی مدد پر،نصرت پر پوری قدرت رکھتا ہے۔جن کو اجازت دیتا ہے اُن کو پھر جِتا کے بھی دکھا سکتا ہے۔آگے بڑھنے سے پہلے اس آیت کا کچھ حصہ باقی ہے۔اس پر آپ غور کرلیں کہ جہاد کی کیا باتیں سامنے آئیں؟

جہاد کی شرائط:

اوّل یہ کہ مسلمانوں کو اسلام کے یا مذہب کے نام پر تلوار اُٹھانے کی کہیں اجازت نہیں ہے۔اختلافِ مذہب کے نتیجہ میں مسلمان تلوار نکال لیں کہ اب مَیں تمہیں ٹھیک کرتا ہوں ورنہ تم مسلمان ہوجاؤ اس کی سارے قرآن میں کہیں اجازت نہیں ہے۔اجازت اُن لوگوں کو ہے جن کے خلاف پہلے دُشمن نے تلوار اُٹھائی۔

نمبر 2:۔وہ مظلوم ہیں اُنہوں نے کوئی قصور نہیں کیا اب یہ بتایئے کہ جو شخص جو قوم مظلوم ہوتی کہ بڑی دلیری سے اُس پر حملہ کرنے والے بغیر قصور کے حملہ کر دیتے ہیں۔ وہ کمزور بھی ہوگی۔ ظاہر بات ہے کہ نہیں ؟ تو کمزور قوم کو اجازت دے دینا لڑنے کی۔ یہ کون سی حکمت کی بات ہے؟ جب تک اُس کی فتح کی ضمانت نہ دی جائے۔اس لئے قرآنِ کریم کے حکیمانہ کلام کا حُسن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ

خیال جو دل میں پیدا ہوتا ہی ہے کہ اتنی مظلوم قوم ہے جو چاہے اس کو رگیدتا پھرتا ہے جو چاہے اُس پر تلوار اٹھاتا ہے۔ اُس کو اجازت دے دی ہے کہ لڑو جیسے موٹے آدمی کو کوئی آدمی کہہ دے کہ شہباز سے بے شک لڑو ہماری طرف سے اجازت ہے لیکن خالی اجازت نہیں ہے۔ یہ وعدہ ہے ساتھ کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۔ خدا سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ جب خدا اجازت دیتا ہے تو پھر اس بات کی ضمانت بھی دیتا ہے کہ جن کو اجازت ہے اُن کو فتح مند کر کے دکھائے گا۔ یہ تیسری شرط ہوگئی جہاد کی کہ جو جہاد فی سبیل اللہ لڑا جاتا ہے اُس میں لازماً اللہ تعالیٰ فتح عطا فرماتا ہے۔ ایک بھی جہاد حضرتِ اَقدس محمد مصطفی ﷺ کی زندگی میں آپ کو دکھائی نہیں دے گا جس میں خدا کا یہ وعدہ پورا نہ ہوا ہو۔ کوئی ہے جس میں آپؐ نے شکست کھائی ہو؟

اس کے بعد خدا فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ یہ وہی لوگ ہیں جو اتنے کمزور تھے کہ ان کو گھروں سے نکال دیا گیا اور نکالنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ تلواریں لے کر پیچھے پیچھے وہاں پہنچے جہاں نکال کے ان کو پھینکا تھا اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ کوئی حق نہیں، کوئی وجہ نہیں کہ کسی کو اختلافِ مذہب کی بناء پر اُس کے گھر سے نکالو اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ صرف ایک قصور ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا ربّ ہے۔ یہ مضمون ختم کر کے اب خدا اسی آیت میں ایک اور مضمون بیان فرماتا ہے، ابھی آیت چل رہی ہے۔ فرماتا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اگر خدا بعض لوگوں کو بعض کے خلاف اپنے دِفاع کی اجازت نہ دے۔ یعنی یہاں دِفاع کی اجازت ہے دفع کا مطلب دِفاع ہے نہ کہ حملہ کرنا۔ اِسلام میں جہاد کا یہ تصوّر کے تلوار اُٹھاؤ اور دشمن کو قتل کرتے پھرو اس کا تو اس آیت نے قلع قمع کر دیا ہے۔ فرماتا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ کہ اگر خدا اپنے دفاع کی اجازت نہ دے تو کیا ہو؟ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَّبِيَعٌ، صَوَامِعُ کہتے ہیں گرجا نہیں بلکہ جہاں خدا کی راہ میں عبادت کرنے والے الگ ہو کر، دُنیا سے الگ کٹ کے ایک کٹیا بنا لیتے ہیں یا غار میں چلے جاتے ہیں فرمایا صَوَامِعُ بھی تباہ ہوجائیں ۔ وَ بِيَعٌ اور گرجے بھی تباہ ہوجائیں وَصَلَوٰتٌ اور یہودیوں کے معبد بھی تباہ ہو جائیں۔ وَمَسٰجِدُ اور مسجدیں بھی ویران کر دی جائیں جن میں خدا کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔ اب ذرا غور کریں کہ اسلامی جہاد کی بات ہو رہی ہے اس میں گرجوں اور صوامع اور یہودیوں کے معبدوں کا کیا ذکر؟ اس دفاع میں اُن کی حفاظت کا بھی اعلان ہے۔ یہ ہے اسلام!

قرآنِ کریم جہاں دفاع کی اجازت دیتا ہے۔ جہاں جہاد کی اجازت دیتا ہے وہاں یہ بھی اعلان کر رہا ہے کہ خدا کے نام پر جتنے بھی گھر بنائے جاتے ہیں خواہ وہ مسلمانوں کے ہوں یا غیر مسلموں کے ہوں، ہم ہر ایک کے دفاع کی اجازت دے رہے ہیں اور اگر یہ اجازت نہ دیتے تو صرف مسجدیں ہی ویران نہ ہوتیں بلکہ یہ سارے عبادت خانے، جن میں عیسائی عبادت کرتے ہیں۔ راہب عبادت کرتے ہیں، یہودی عبادت کرتے ہیں سب تباہ کر دیئے جاتے۔ یہ اسلامی جہاد کی تعلیم ہے۔ اس تعلیم کی رُو سے اگر کسی گرجہ پر حملہ ہو رہا ہو اور مسلمان دفاع کرتا ہوا مارا جائے تو یہ بھی جہاد ہے۔ اس کو کہتے ہیں عالمی تعلیم، اس کو کہتے ہیں ایسا حُسن جو جادو کی طرح سر چڑھ کے بولتا ہے۔ اس تعلیم کو آپ دُنیا میں پیش کریں پھر دیکھیں کہ دشمنِ اسلام کے پاس کیا باقی رہ جاتا ہے؟ اس تعلیم کو چھوڑ کر یہ تعلیم دینا کہ کسی سے اختلافِ مذہب ہے اُس کے گھر لوٹ لو، اُس کو گھروں سے نکال دو، بے وطن کر دو، مار دو، تباہ کر دو۔ وہ ہوتا کون ہے اسلام سے اختلاف کرنے والا؟ یہ جہاد ہے!''

سیاسی لڑائیوں کو جہاد قرار دینا درست نہیں

''حضرت مسیحِ موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس جہاد کے خلاف جس کا بگڑا ہوا تصوّر آج کے علماء پیش کر رہے ہیں، پہلے بھی کر رہے تھے اس کے خلاف آپ نے اعلان کیا اور وضاحت کی کہ قرآنِ کریم نے جو جہاد کی شرائط پیش کی ہیں کوئی دُنیا میں اُن کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ جب بھی وہ لاگو ہوں گی دفاع کی اجازت ہوگی۔ لیکن ان حالات میں جبکہ دشمن مذہبی اختلاف کی بناء پر تم پہ حملے نہیں کرتا۔ تمہارے مذہب میں دخل اندازی نہیں کرتا۔ تمہیں گھروں سے نہیں نکالتا۔ خدا کے نام پر تمہیں الگ کرنے کے لئے زبردستی نہیں کرتا۔ تم جو لڑائی کرو اُس کا نام مذہبی جہاد نہیں رکھ سکتے۔ سیاسی لڑائیاں سو قسم کی ہوتی ہیں۔ اب آپ دیکھیں عراق، ایران کے خلاف لڑ رہا ہے کہ نہیں؟ دونوں کی سیاسی لڑائیاں ہیں۔ اگر ایران کہے یہ ہمارا جہاد ہے اور عراق کہے کہ ہمارا جہاد ہے۔ تو کس کے مَرنے والے جنّت میں جائیں گے اور کس کے مَرنے والے دوزخ میں جائیں گے؟ کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ دفاع کرنے والا جہاد کر رہا ہو۔ دفاع میں مَرنے والا بھی جنّت میں جا رہا ہو اور اُس کو مارنے والا بھی جنّت میں جا رہا ہو؟

اس لئے با شعور انسان کی طرح پہلے تعلیم کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قرآنِ کریم کی بُنیادی تعلیم کو سمجھنا چاہیئے۔ پھر فرق کریں مذہبی اور سیاسی جنگوں میں، اگر آپ یہ فرق نہیں کریں گے تو آپ اسلام کا دفاع کر ہی نہیں سکتے۔ دیکھیں! اسلام کی ابتداء مذہبی جنگوں سے ہوئی ہے جن میں سو فیصدی مذہبی اُصولوں کی اطاعت کی گئی اور حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں جس پر دشمن اُنگلی رکھ سکے اور ہم اُس کا دفاع نہ کر سکیں۔ بعد میں جب سیاسی حکومتیں قائم ہوگئیں تو ان میں کئی ایسی جنگیں تھیں جو مسلمانوں کی طرف سے ہوئیں لیکن اُن میں کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ جب اس پر دشمن حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے یہ تمہارا جہاد ہے تو کس طرح آپ دفاع کریں گے؟ یہی اُصول ہے اُن کو کہو کہ قرآنِ کریم مذہبی جنگوں کی اجازت مذہبی شرائط کے ساتھ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی جنگیں بھی دُنیا میں ہوتی ہیں۔ اُن میں تاریخ دان کا کام ہے فیصلہ کرے مذہب کا قصور نہیں ہے۔ (کیا) عیسائی قوموں نے

سیاسی جنگیں نہیں کیں؟ ابھی بھی کر رہی ہیں۔ کیا اس کے نتیجہ میں آپ عیسائیت کو رگیدیں گے۔ یہ جماعت احمدیہ کا مؤقف ہے کہ اسلامی جہاد زندہ و تابندہ ہے لیکن اُن شرطوں کے ساتھ جو اسلامی جہاد کی شرطیں ہیں۔''

جنگِ فلسطین کی حقیقت:

''فلسطین سے ایک دوست میرے پاس تشریف لائے کہ بتاؤ یہ جنگ کیا ہے؟ یہ جہاد ہے کہ نہیں ہے؟ مَیں نے کہا دیکھیں! آپ مجھ سے جواب ایسا لینا چاہتے ہیں کہ جس کے نتیجہ میں آپ اشتعال پیدا کریں گے۔ مَیں یہ بتاتا ہوں کہ یہودیوں کا وہاں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ عالمِ اسلام کے خلاف ایک سیاسی سازش ہے۔ یہ میرا فتویٰ ہے! اور جماعت احمدیہ ہمیشہ دلائل میں یہود کے خلاف، اُن کو ناکام بنانے میں صفِ اوّل میں رہی ہے۔ United Nations میں بھی، جو دفاع چوہدری ظفر اللہ خان نے کیا ویسا دفاع آج تک کبھی کوئی نہیں کر سکا۔ تمام مسلمان ممالک جانتے ہیں اور ممنونِ احسان تھے (4)۔ لیکن آپ اگر اس کو مذہبی جہاد اُن معنوں میں کہتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ بے وفا ہو چکا ہے یا جھوٹ بولنے لگ گیا ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک! اُس نے تو یہ پکّا وعدہ کیا تھا کہ مَیں تمہیں جہاد کی اجازت ہی نہیں دے رہا، مَیں تمہاری فتح پر قادر ہوں اور آپ جو لڑائی کر رہے ہیں اس میں اُس کا وعدہ کہاں گیا؟ کیوں ایک چھوٹی سی اقلیت آپ کو بار بار مارتی ہے؟ ایک بھاری اکثریت کے درمیان اتنا سا ناسور ہے لیکن وہ cancer بن گیا ہے۔ صحت مند جسم جتنا مرضی بڑا ہو cancer چھوٹا بھی ہو تو غالب آ جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا آپ کے اندر صحت مند جسم کی مدافعت نہیں رہی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ نے جو جہاد مقرر کیا ہو اُس کی شرطیں آپ پوری کر رہے ہوں اور اللہ آپ کو چھوڑ جائے۔ ایک طرف ہلا شیری کرے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ خدا قادر ہے نصرت پر اور جب لڑائی ہو تو دشمن کو فتح دے دے اور مسلمان کو چھوڑ دے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے مذہبی نقطہ نگاہ سے ضرور کوئی نقائص موجود ہیں۔ اُن کی آپ اصلاح کریں تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء:106) اسی زمین کے متعلق وعدہ ہے کہ میرے صالح بندے لازماً اس کے وارث بنائے جائیں گے۔ اس لئے آپ اپنے اخلاقی نقائص دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے دین کے نقائص کو دُور کرنے کی کوشش کریں۔ عبدِ صالح بنیں اور پھر خدا کا وعدہ آپ کے حق میں پورا ہوگا۔ تو عقل اور فہم کی بات کی خوامخواہ مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔ دلیل سے بات ہونی چاہیئے۔ قرآن اور سنّت سے بات ہونی چاہیئے۔''

حضورؒ کی خدمت میں تحریراً ایک سوال پیش ہوا اس پر حضورؒ نے فرمایا:

''اصل دیکھیں! آپ کو اکثر علماء بے چاروں نے ایسے سوال احمدیت کے خلاف سکھائے ہیں جو جذباتی نوعیت کے ہیں واقعاتی نہیں ہیں۔ اُس کی وجہ یہ کہ سوائے آپ کو متنفر کیا جائے اور کچھ نہیں ہے۔ مثلاً ایک سوال یہ ہے کہ غیر احمدی لوگوں کے بارہ میں آپ کیا فرمائیں گے کہ کیا وہ احمدیت کے مطابق مسلمان ہیں یا نہیں؟''

جماعت احمدیہ کے خلاف کُفر کا فتویٰ دینے میں پہل علمائے اسلام نے کی

''یہ سوال بھی بالکل اسی نوعیت کا ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیحِ موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خلاف کُفر کا فتویٰ دینے میں مولویوں نے پہل کی ہے۔ سارے ہندوستان کے مسلمان علماء کُفر کا فتویٰ دیتے چلے گئے یہاں تک کہ مکّہ اور مدینہ پہنچے وہاں سے بھی فتوے لے آئے اور بارہ سال تک حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے صبر بھی کیا اور نصیحت بھی کی اور یہ فرمایا کہ حضرتِ اقدس رسولِ اکرم ﷺ کا فتویٰ ہے کہ اگر تم مسلمان کی تکفیر سے باز نہیں آؤ گے تو یہ تکفیر تم پر اُلٹ جائے گی (5)۔ اسی لئے مَیں تمہیں warning دے رہا ہوں اور جب وہ باز نہیں آئے پھر آپ نے اعلان کیا کہ اب مَیں اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص مجھے کافر سمجھتا ہے آنحضرت ﷺ کے فیصلہ کے مطابق اب مَیں مجبور ہوں یہ کہنے پر کہ تمہاری تکفیر تم پر اُلٹ گئی ہے۔ پہلی دفعہ جماعت احمدیہ کی طرف سے تکفیر کا اعلان اُس وقت ہوا ہے اور اس بُنیاد پر ہوا اور اُس کے بعد حضرت مسیحِ موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ جو شخص یہ اعلان کرتا ہے کہ مرزا صاحب، کافر نہیں ہیں، مسلمان ہیں۔ وہ کافر نہیں بنتا۔ آج بھی یہی اعلان ہے۔ اس لئے ایک مؤقف ہمارا اس طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ دوسرا ایک بڑا نمایاں فرق ہے۔ جب آپ ہمیں کافر کہتے ہیں اور سارے مسلمان کافر کہہ رہے ہیں تو آپ ہمیں حضرت محمد مصطفی ﷺ کا کافر کہہ رہے ہیں۔ جو واقعہ کے خلاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ پر دل و جان سے ایمان لاتے ہیں۔ آپؐ کے دین کے عاشق آپؐ کے ادنیٰ غلام، قرآنِ کریم کے تابع، سُنّت کے تابع یہ ہمارا دعویٰ ہے۔ آپ کہتے ہیں نہیں جھوٹ بولتے ہو۔ تم آنحضرت ﷺ کے کافر ہو۔ اس لئے ہمارے دعوے کے خلاف آپ بات کر رہے ہیں۔ یہ اِنصاف نہیں ہے۔ ہم جن معنوں میں آپ کو کافر کہتے ہیں۔ آپ کے دعوے کے مطابق کہتے ہیں۔ اس لئے آپ کو شکوہ کس بات کا ہے؟ ہم کہتے ہیں امام مہدی کے کافر ہیں۔ اب آپ بتائیے کہ ہمارے لئے اور رستہ کون سا ہے باقی؟ جس کو ہم نے امام مہدی مانا یا ہم جھوٹ بول رہے ہیں یا سچ بول رہے ہیں تیسری تو شکل ہی کوئی نہیں۔ ہم نے سچا سمجھ کے مانا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ورنہ اس رستہ پر اتنی مصیبتیں کیوں اُٹھاتے؟ پاکستان میں ہم سے جو ہو رہا ہے۔ وہ کوئی جھوٹی قوم تو برداشت نہیں کر سکتی! ہم نے یقیناً سچّا سمجھ کے مانا ہے۔ تو جو امام مہدی کو سچا سمجھتا ہو کہ اِمام مہدی آ گیا اور سچّا ہے۔ اُس کے منکر کو امام مہدی کا منکر نہ کہے گا تو کیا کہے گا؟ اس کے سوا ہمارے لئے کوئی تیسری صورت ہے؟

ایک دفعہ ہمارے محی الدین صاحب قصوریؔ، مولانا محی الدین فوت ہو چکے ہیں۔اُنہوں نے مجھ سے یہی سوال کیا کہ مرزآ صاحب ! آپ مجھے صاف صاف بتائیں! ویسے بڑے شریف النفس انسان تھے۔محبت اور تعلق بھی رکھتے تھے۔آپ مجھے صاف بتائیں کہ آپ ہمیں کیا سمجھتے ہیں؟ مَیں نے کہا آپ پہلے مجھے ایک بات کا جواب دیں۔مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو صاف صاف بتا دوں گا۔کہتے کیا؟ مَیں نے کہا آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کے نزدیک تو امام مہدی نہیں آیا ناں؟ جب امام مہدی آجائے گا تو جو شخص امام مہدی کو جھوٹا کہے گا آپ اُس کو کیا کہیں گے؟ کہتے مَیں تو کافر کہوں گا۔تو مَیں نے کہا پھر مجھ سے وہ توقع کیوں نہیں رکھتے؟ آپ تو اتنے مَردِ مومن ہیں کہ امام مہدی کے منکر کو کافر کہتے ہیں اور مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ مَیں جس کو امام مہدی سمجھتا ہوں اُس کے کافر کو مومن کہوں؟ یہ کون سا انصاف ہے؟ اس لئے بحث یہ ہے کہ ہم آپ کے دعوے کے خلاف نہیں کہتے۔اگر ہم غلط ہیں تو آپ کو فخر کرنا چاہیئے کہ ہمیں ایک جھوٹے کا کافر کہا گیا ہے۔پھر تو غصّہ کی بات ہی کوئی نہیں۔‘‘

سائل:۔حضرت نبی کریم ﷺ نے کسی کو، اپنے نہ ماننے والے کو یہ بات نہیں کہی۔

حضورؒ نے فرمایا:۔’’۔۔۔۔۔قرآنِ کریم تو بھرا پڑا ہے۔آنحضرت ﷺ کے منکر کو کافر، کافر، کافر اتنا کافر کہا گیا ہے کہ دُنیا کی کسی کتاب میں نہیں کہا گیا۔‘‘

سائل:۔قرآنِ کریم حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان نہیں ہے۔حضرت! یہ اللہ تعالیٰ کی زبان ہے۔نبی کریم ﷺ کی زبان قرآنِ پاک نہیں ہوسکتا۔

اس پر حضورؒ نے فرمایا:۔’’قرآنِ کریم آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (الکافرون: 2) حکم دیتا ہے۔اَے محمد (ﷺ) کہہ! اَے کافرو۔رسول اللہ ﷺ قرآن کی بات مانتے تھے کہ نہیں مانتے تھے؟ پھر کیا کہتے تھے؟ اَے مومنو!‘‘

سائل:۔اُنہوں نے اپنی طرف سے کبھی کسی کو کافر نہیں کہا۔کوئی مثال دیں؟

حضورؒ نے فرمایا:۔’’مَیں مثال دے رہا ہوں۔اس سے بہتر کیا مثال ہوسکتی ہے؟ کہ قرآنِ کریم آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔اَے محمد ﷺ! اعلان کر، ان کو یہ مخاطب کرکے کہ اَے کافرو! اب رسول اللہ ﷺ کافر کہتے تھے کہ نہیں؟ قرآن کا انکار کرتے تھے۔نعوذ باللہ من ذلک۔عجیب بات کرتے ہیں آپ!‘‘

کیا مسلمان ہونے کے لئے صرف کلمہ پڑھنا کافی نہیں

سائل:۔کیا اب مسیحِ موعودؑ کے آنے کے بعد صرف کلمہ طیّبہ کا پڑھنا ناکافی ہو گیا ہے؟ حضورؒ:۔’’نہیں۔‘‘

سائل:۔کیا کسی شخص کو اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ کلمہ طیّبہ کا اقرار کرے؟

اس پر حضورؒ نے فرمایا:۔’’جزاکم اللہ! آپ نے ہمارے دِل کی بات کہہ دی۔‘‘

سائل:۔تو پھر عرض یہ ہے کہ ابھی آپ نے یہ فرمایا کہ جو شخص مسیحِ موعودؑ کا اقرار نہیں کرتا۔اُن کو نہیں مانتا تو ظاہر ہے کہ وہ کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟

حضورؒ نے فرمایا:۔’’نہیں، مَیں نے یہ نہیں کہا۔دیکھیں! آپ میرے مُنہ میں بات نہ ڈالیں۔‘‘

سائل:۔اس کے صاف معانی یہ ہیں کہ اب مسیحِ موعودؑ کے آنے کے بعد سے صرف کلمہ طیّبہ کا پڑھنا کافی نہیں ہے۔بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ مسیحِ موعودؑ کو تسلیم کیا جائے۔اُس پر ایمان لایا جائے۔

حضورؒ نے فرمایا:۔’’مَیں اس کے کئی جواب دے سکتا ہوں۔بڑی واضح بات ہے۔کلمہ طیّبہ پڑھ کے انسان مسلمان ہوجاتا ہے۔آپ کو اور مجھے اتّفاق ہے اس بات پر، لیکن اگر ملائکہ کا انکار کردے تو پھر بھی مسلمان رہے گا؟ اگر ایک نبی کا بھی انکار کردے پھر بھی مسلمان رہے گا؟ بتائیے؟ دیکھیں! sloganism سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔جو دینی معاملات ہیں ان کا فہم سے معاملہ حل کرنا چاہیئے۔غور سے معاملہ حل کرنا چاہیئے۔کلمہ طیّبہ کے بعد انسان مسلمان ہوجاتا ہے۔لیکن ایمان کی جتنی شرائط ہیں اُن کو پورا کرنا ضروری ہے۔کلمہ طیّبہ پڑھنے کے باوجود اگر کوئی شخص اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرْ (6)۔ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کا بھی یا ان کے اجزاء میں سے کسی ایک جزء کا بھی انکار کردے تو سارے مسلمان علماء کا متفقہ عقیدہ ہے۔سُنّت سے یہی چلا آرہا ہے کہ وہ سچا صحیح مسلمان نہیں کہلا سکتا۔اس لئے اِسْلَامٌ دُوْنَ الْاِسْلَامِ کے مسائل شروع سے ہی اُمّت میں چلے آرہے ہیں کُفْرٌ دُوْنَ الْكُفْرِ کے مسائل شروع سے چلے آرہے ہیں۔

جہاں تک جماعت اَحمدیہ کا مؤقف ہے۔وہ بڑا واضح ہے کہ جو شخص کلمہ طیّبہ پڑھتا ہے اُس کو ہم غیر مسلم نہیں کہہ سکتے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔لیکن اگر اُس سے اُتر کر ان چیزوں میں سے کسی کا انکار کرے تو کُفر کی کوئی نہ کوئی چیز اُس میں ثابت ہوجائے گی اس کے باوجود اُسے ہم غیر مسلم نہیں کہیں گے۔جو شخص کلمہ طیّبہ کا اقرار کرلے اور کہے کہ مَیں مسلمان ہوں۔آج تک کبھی کسی اَحمدیؔ نے اُسے غیر مسلم نہیں کہا۔حضرت مسیحِ موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کتابیں اُٹھا کے دیکھ لیں وہاں فرق ہے۔ایک ہے اصطلاح کافر کہنے کی، ایک ہے غیر مسلم، ان دونوں اصطلاحوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔اس لئے اگرچہ مسلمان علماء ایک دوسرے کو سارے کافر کہتے چلے آئے ہیں، آج تک کہتے ہیں۔مگر غیر مسلم نہیں کہتے۔کیا وجہ ہے؟ کیوں نہیں کہتے تھے؟ اس لئے کہ اُن کو علم تھا، جو پہلے علماء گذرے ہیں وہ سطحی علم رکھنے والے لوگ نہیں تھے۔وہ بُزرگ تھے، اولیاء اللہ تھے۔غلطیاں اُن سے ہوئیں لیکن اسلام کی

بُنیادوں کو سمجھتے تھے۔ قرآنِ کریم نے کافر کہنے اور غیر مسلم کہنے میں ایک نُمایاں فرق کیا ہے۔ قرآنِ کریم آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ یہ اعرابی لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا تُو ان سے کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ ایمان لانا تو درکنار لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات:15) اُن کے دلوں میں ایمان نے جھانک کے بھی نہیں دیکھا۔ سرے سے ایمان ہے ہی نہیں، اس کے باوجود تم ان کو کہہ دو کہ تمہیں اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا مَیں حق دیتا ہوں۔ تم کہتے ہو اَسْلَمْنَا ٹھیک ہے بے شک کہتے پھرو۔ پس یہ عظیم الشان ایک مذہب ہے اسلام کا جو ہر ایک پہلو پر حاوی ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ مَیں مسلمان ہوں قرآن اور سُنّت سے ثابت ہے اُس کو غیر مسلم کہنے کا کوئی حق نہیں۔ اسلام میں رہتے ہوئے کُفر کی کوئی بات کہے تو اُس کو دُوْنَ الْإِسْلَامِ کافر کہنے کا حق ہے۔ اس کی سند قرآن سے بھی ملتی ہے اور حدیث سے بھی ملتی ہے۔ مَیں آپ کو وضاحت سے بتاتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان جب چوری کرتا ہے تو کافر ہو جاتا ہے اور اُسے مسلمان بھی کہا، ایک مسلمان جب زنا کرتا ہے تو کافر ہو جاتا ہے(7)۔ اسی اُصول کے پیشِ نظر مسلمان علماء ایک دوسرے کے اُوپر کُفر کے فتوے دیتے رہے مگر غیر مسلم نہیں کہا۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شروع سے اس کی اجازت ہی نہیں دی، قرآن آپؐ پر نازل ہوا تھا نہ کہ کسی ایرے غیرے پر ہوا۔ قرآن کا مفہوم آپ بہتر سمجھتے تھے اس لئے آپ کا یہ کہنا کہ فلاں کافر ہوگیا، فلاں کافر ہوگیا یہ اپنی جگہ لیکن اُس کے باوجود ایک موقعہ پر جبکہ جنگ میں ایک صحابی نے ایک دشمن کو زیر کیا جب وہ اُسے قتل کرنے لگا تو دشمن نے مِنّت کی کہ دیکھو مَیں مسلمان ہوتا ہوں۔ مَیں کلمہ پڑھتا ہوں۔ تم چھوڑ دو مجھے اور اُس نے کلمہ پڑھا، اُس (صحابی) نے اس کے باوجود قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے بڑے فخر سے عرض کیا کہ اس طرح مقابلہ ہوا۔ مَیں نے اُسے زیر کیا اور اُس نے ڈر کے مارے کہہ دیا کہ مَیں کلمہ پڑھتا ہوں۔ مَیں نے کہا اب تو مَیں نہیں چھوڑ سکتا تم ڈر گئے ہو اور قتل کر دیا۔ وہ یہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے اپنی ساری زندگی میں آنحضرت ﷺ کو اتنا ناراض نہیں دیکھا جتنا اُس دن وہ مجھ پر ناراض ہوئے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؐ بار بار یہ کہتے تھے کہ قیامت کے دن جب وہ کلمہ تمہارے خلاف گواہی دے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم نے اُس کا دل پھاڑ کے کیوں نہ دیکھ لیا کہ وہ مُنہ سے کہتا تھا یا دل سے کہتا تھا؟(8)

کلمہ گو کو کافر کہنے کا کسی کو کوئی حق نہیں:

اس لئے جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے یا کلمہ پڑھ لے اُس کو غیر مسلم کہنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔ نہ جماعت اَحمدیہ کو ہے نہ کسی اور جماعت کو ہے۔ اس لئے ہم آپ کے اقرار کے خلاف کبھی کوئی فتویٰ نہ دیتے ہیں نہ آج تک کبھی دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ مسلمان ہیں، لیکن مسلمان رہتے ہوئے امام مہدیؑ کا آپ نے انکار کیا جس کو ہم امام مہدی سمجھتے ہیں۔ اس لئے امام مہدی کے منکر پر وہی فتویٰ ہے جو آپ کے علماء کا فتویٰ ہے۔ متفق علیہ فتویٰ تھا۔

امام مہدی کی ضرورت کیا ہے؟ سوال یہ ہے۔ اگر امام مہدی آئے گا تو آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ آئے گا کس کام کے لئے؟ ایک طرف خدا اُس کو مقرر کرے۔ چودہ سو سال ہو گئے ہیں آپ کے نزدیک ابھی بھی نہیں آیا۔ کل آ جائے فرض کریں تو دوسری طرف انکار کی اجازت دے دے۔ عقل کے خلاف بات ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک عظیم الشان دینی تحریک کی خاطر خدا تعالیٰ کسی کو امام بنائے اور ماننے والوں سے کہہ دے کہ تم اس کا بے شک انکار کرو فرق ہی نہیں پڑتا۔ ہماری position مجبوری کی position ہے۔ یا ہم جھوٹے ہیں کہ ان کو امام مہدی سچا سمجھ رہے ہیں۔ سچا سمجھتے ہیں تو ہمارے پاس چارہ ہی کوئی نہیں۔ جو امام مہدی کا، جس کو ہم امام مہدی کہتے ہیں جو اُس کا منکر ہے۔ ہم اُسے امام مہدی کا کافر کہیں گے لیکن غیر مسلم نہیں کہیں گے۔ آپ ہمیں غیر مسلم کہتے ہیں یہ زیادتی ہے۔ اس کی قرآن کوئی اجازت نہیں دیتا۔''

فاتحہ خوانی اور دیگر بدرسوم:

سوال:۔ احمدی حضرات کسی مسلمان کے ہاں جا کر کسی کی وفات پر فاتحہ خوانی کیوں نہیں کرتے؟

حضورؒ نے فرمایا: ''یہ بالکل غلط بات ہے۔ احمدی مسلمان ہر مسلمان کی وفات پر اظہارِ ہمدردی کرتے ہیں۔ اُن کے گھر جاتے ہیں، اُن کے لئے دُعا کرتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کی جن کی مَیں بات کر رہا ہوں، غیر احمدی مسلمانوں کی، اُن کی قبروں پر دُعا کرتے ہیں اور ایک ادنیٰ سا فتویٰ بھی جماعت احمدیہ کا اس کے خلاف نہیں ہے۔ بالکل جھوٹا الزام ہے۔

فاتحہ خوانی جس کو آپ کہتے ہیں۔ ہمیں اُس فاتحہ خوانی کے لفظ سے صرف اختلاف ہے۔ فاتحہ خوانی کی اصطلاح، آنحضرت ﷺ یا خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں کہیں نہیں ملتی۔ ایک بھی حدیث آپ پیش نہیں کر سکتے یا قرآن کی آیت جس سے یہ ثابت ہو کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمان دوسروں کے گھر جا کر، جس کے ہاں وفات ہوئی ہو وہاں ہاتھ اُٹھا کے فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک حدیث دکھائیے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ آنحضرت ﷺ کے وِصالؐ کے موقعہ پر کسی صحابی نے فاتحہ خوانی کی ہو؟ ہم آپ کو صرف یہ سمجھاتے ہیں کہ اسلام میں نئی رسمیں نہ چلائیں۔ ہمیں حضورِ اکرم ﷺ کا دین کافی ہے۔ اسلام وہی حسین اسلام ہے جو سُنّت سے ثابت ہو۔ اُس سے جب باہر قدم رکھیں گے تو رسم و رواج میں پڑ جائیں گے۔''

سائل:۔ معاف کرنا، ہمارے بزرگوں نے جو ہمیں بتایا ہے ہم وہ

کر رہے ہیں۔ اس میں آیا وہ زیادہ تعلیم یافتہ تھے یا زیادہ دین جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے؟ اُسی پر ہمارا عمل ہے۔ اس میں نقص کیا تھا یا ہے؟ یہ بتائیں۔

حضورؒ نے فرمایا:۔ ''دیکھیں! میری گذارش سُن لیجئے۔ اس کا نقص یہی ہے کہ جو چیز سُنّت سے زائد ہو وہ اِسلام نہیں ہے۔''

سائل:۔ کیا ہمارے بزرگ غلط تھے؟ کیا وہ مسلمان نہیں تھے؟

حضورؒ:۔ ''محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ غلط تھے؟ عجیب بات کرتے ہیں!''

سائل:۔ کیا یہ (فاتحہ خوانی) رسمؔ ہے؟

حضورؒ نے فرمایا:۔ ''ہاں، ہاں! رسم ہے۔ ہر وہ چیز سُنّت نہیں ہے، رسم ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے رسمیں اچھی بھی ہوسکتی ہیں۔ بد بھی ہوسکتی ہیں مگر سُنّت نہیں بن سکتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ہندوستانؔ میں وہ بزرگ تشریف لائے، یہاں بے انتہا جہالت تھی۔ ہندو مذہبؔ کی وجہ سے بدرسوم بے حد جاری تھیں اور زبان کے اختلاف اور دوسرے مسائل کی وجہ سے وہ اُن کو کسی بہانے کم سے کم دینی تعلیم دینا چاہتے تھے۔ اس کی وجہ سے کئی چیزیں نیک نیّتی سے شامل ہوئی ہیں بعد میں رسمیںؔ بن گئیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کو سکھانا اور فاتحہؔ کو بطور دُعا کے پڑھانا! مجھے یقین ہے کہ اس طرح سے اُنہوں نے شروع کیا ہوگا۔ اُنہوں نے کہا ہوگا کہ جب تم کسی بزرگ کے لئے فوت شدہ کے لئے دُعا کرتے ہو تو سورۂ فاتحہ چونکہ کامل دُعا ہے۔ یہ تھوڑی سی دُعا تم سیکھ لو زیادہ تمہیں ابھی نہیں آتیں۔ یہ پڑھ لیا کرو ہر جگہ، نماز میں بھی کام آئے گی، ہر جگہ کام آئے گی۔ چنانچہ کم علمی کی بناء پر شروع میں ہندوؤں کی تعلیم و تربیت کی خاطر ہمارے صوفیاء اور بزرگوں نے یہ طریق اختیار کیا۔ جب اسلامؔ زیادہ پھیل گیا۔ جب اسلامی تعلیم زیادہ عام اور روشن ہوگئی تو ضروری تھا کہ اُن کو سُنّت کی طرف واپس لے جاتے اور یہی کوشش ہم کر رہے ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں کر رہے۔

اب وفات کے بعد چالیسواںؔ ہے، گیارہویںؔ ہے۔ شیرینیاں بانٹنی ہیں، کھیریں تقسیم کرنی ہیں، کھانے دینے ہیں، اتنے جھگڑے ہیں جن کا کوئی وجود قرونِ اُولیٰ کے اسلامؔ میں نہیں ملتا۔ اب یہ تو جذباتی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کو غلط کہتے ہیں۔ یہ ایسی ہی باتیں ہیں جیسے قرآنِ کریم بار بار کہتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے مخالف اُن کو یہ کہا کرتے تھے کہ اچھا پھر ہمارے بزرگ غلط تھے؟ قرآن فرماتا ہے تمہارے بزرگ کیوں غلط نہیں ہوسکتے؟ صرف وہی غلط نہیں ہے جس پر الہامؔ نازل ہوتا ہے۔ صرف وہی درست ہوتا ہے اصل میں جس کو خداؔ روشنی عطا فرماتا ہے۔ تو اس میں اختلاف کی وجہ مجھے سمجھ نہیں آتی۔ مَیں تو آپ کو یہ پیغام دیتا ہوں، جماعت احمدیہؔ یہ پیغام دیتی ہے کہ ہمارے لئے سُنّت کافی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ سُنّت میں مذہب کی تکمیل ہوگئی۔ حُسنِ کامل میں نہ اضافہ ہوسکتا ہے نہ اُس میں کمی ہوسکتی ہے۔ اس لئے بعد کی رسموںؔ نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے۔ اسلام سے رفتہ رفتہ ہم لوگ دُور اس لئے ہٹے ہیں کہ بعد میں جو رسمیں جاری کی گئیں خواہ نیک نیّتی سے بھی تھیں۔ ہم اُن کو خالی برتنوں کی طرح پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اس لئے رسم و رواج سے باہر نکلیں۔ سُنّت کو قائم کریں، قرونِ اُولیٰ کے اسلام کی طرف واپس جائیں۔ بیاہؔ، شادیؔ میں سادگی کریں، موت و تدفین میں سادگی کریں۔ یہ سارے بوجھ آپ کے اُتر جائیں گے جو ہمارے اُوپر بلاوجہ پڑے ہوئے ہیں اور رسولِ کریم ﷺ کی سُنّت یہ تھی کہ نمازِ جنازہؔ پڑھتے تھے اور دُعا کرتے تھے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی کرتے تھے۔ ہم بھی یہی کرتے ہیں اس پہ کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔''

سائل:۔ فاتحہ خوانیؔ تو ہے ہی دُعا۔

حضورؒ نے فرمایا:۔ ''نہیں، دُعا کی خاطر فاتحہ خوانیؔ ہم بھی پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن مَیں صرف رسمؔ کے خلاف ہوں، جب کہیں جاتے ہیں، مَیں کئی دفعہ گیا ہوں۔ ایک آدمیؔ ہاتھ اُٹھاتا ہے سارے یُوں کر کے یُوں کر لیتے ہیں۔ یہ فاتحہ خوانی ہوگئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ (البقرۃ:157) یہ کوئی فاتحہ خوانی ہے؟ فاتحہ کی دُعا معنیٰ خیز چیز ہے۔ دُعا میں دل حرکت کرتا ہے تو قبول ہوتی ہے۔ دُعا کوئی رسم تو نہیں، فاتحہ کا معنیٰ آنا چاہیئے۔ انسان سوچ کر اللہ تعالیٰ کی صفات میں ڈوب کر اُس سے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (الفاتحہ:5) کی دُعا کرے یہ دُعا ہے۔ اس پہلو سے فاتحہ پڑھنا دُعا کے طور پر ہرگز منع نہیں لیکن جو رسمؔ بنی ہوئی ہے کہ ضرور پڑھو اور دیکھا دیکھی پڑھو اور جب کوئی آدمی جائے ایک آدمی ہاتھ اُٹھائے اور اُٹھاتے ساتھ یُوں کردیں۔ (مُراد ہاتھ نیچے گرادیں) یہ بالکل بے بُنیاد بات ہے۔ اسلامؔ میں اس کی کوئی سند نہیں، یہ تو اسلام کے ساتھ (نعوذ باللہ من ذلک) تمسخر ہے۔ اس لئے ہم آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ ہم سے ناراض ہونے کی بجائے آپ اپنی اصلاح کریں۔ اُس دین میں حرج کیا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے عملاً کر کے دکھایا تھا۔ بتایئے؟ وہ ہمارے لئے کیوں کافی نہیں؟ کافی ہونا چاہیئے۔''

تخلیقِ آدم اور ڈارونؔ کا نظریہ:

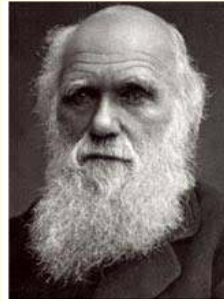
سوال:۔ تخلیق آدمؔ سے متعلق ہم ڈارون کے نظریہ سے واقف نہیں، ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تخلیق آدم سے متعلق اسلامؔ کا نظریہ کیا ہے؟

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً (البقرۃ:31) کا اشارہ کیا تخلیق نسلِ انسانی کے متعلق ہے یا ایک پیغمبر کی بعثت کی بشارت ہے؟

حضورؒ نے فرمایا:۔ ''یہ تو بڑا پیارا اور سلجھا ہوا سوال ہے ماشاء اللہ! خود سوال میں اتنی روشنی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے کو خود جواب کا بھی علم ہے۔ ورنہ یہ اشارے نہ ہوتے، بات یہ ہے کہ تخلیق آدم کا ذکر جو قرآنِ کریم میں ملتا ہے۔ وہ دو طرح سے ملتا ہے۔ ایک ہے انسان کی پیدائش اور ایک ہے خلیفۃؔ اللہ کی تخلیق!

جہاں خلیفۃ اللہ کا ذکر ہے وہاں جماعت احمدیہ کی تعبیر کی رُو سے اوّل مفہوم حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت ہے۔ کیونکہ حقیقی خلیفہ اور کامل خلیفہ دُنیا میں آنحضرت ﷺ تھے۔ باقی سارے انبیاء آپؐ کے ظلّی خلیفہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسرے نمبر پر پہلا آدمؑ جسے خدا نے نبوّت کی خلعت بخشی وہ خلیفہ ہے۔ کیونکہ خلیفہ کہتے ہیں جانشین کو جو حکم سُنے اور حکم کے اُوپر عمل کروائے۔ وہ انسان جو نبوّت کو سمجھنے کا ابھی اہل نہیں تھا۔ وہ جانوروں کی طرح یا نیم وحشیانہ زندگی بسر کررہا تھا۔ اسے خلیفہ کہا ہی نہیں جاسکتا۔ اس لئے اُس کی پیدائش کے وقت خدا تعالیٰ نے خلیفہ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ وہاں انسانی پیدائش کے ذکر کے طور پر مختلف مراحل بیان فرمائے ہیں۔

جہاں تک ڈارون کا تعلق ہے۔ ڈارون اور نظریہ اِرتقاء کو ملا دینے کے نتیجہ میں وہ غلطی کرجاتے ہیں۔ اِرتقاء سے کوئی دُنیا کا باہوش scientist انکار ہی نہیں کرتا لیکن ڈارون سے پوری طرح اِتفاق بھی نہیں کرتا۔ قرآنِ کریم اِرتقاء سے متعلق اتنی تفصیلی تعلیم دیتا ہے کہ انسان حیرت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ چودہ سو سال پہلے ایک کتاب نازل ہورہی ہے جبکہ یہ انسانی حیوانی science جو ہے اس کا اشارہ بھی موجود نہیں تھا اور اس تفصیل سے قرآنِ کریم نے اس



پر روشنی ڈالی ہے کہ آج تک بھی سائنسدان جن باتوں کو نہیں پہنچ سکے۔ وہ ہم بتاتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ یہ ہونا ہے، یہ ہوچکا ہے اور یہ ہوگا۔ اس لئے قرآن اِرتقاء کے خلاف نہیں نہ scientist اِرتقاء کے خلاف ہے۔ Darwinism ایک اِرتقاء سے متعلق نظریہ تھا کہ یُوں ہوا ہوگا۔ وہ غلط ثابت ہوچکا ہے۔ یہ خیال کہ اس طرح پہلے بندر بنا پھر بندر سے انسان بنا۔ مُدت ہوئی اس خیال کو لوگ چھوڑ بیٹھے۔ اِرتقاء کے موجبات جو اُس نے پیش کئے تھے وہ غلط ثابت ہوگئے۔ ڈارون کے کچھ حصّے ابھی تک دُرست ہیں لیکن بہت ساری باتیں جن پر مذہب کو اعتراض تھا اُس کو سائنسدان بھی رَدّ کر بیٹھے ہیں۔ اس کی تفصیل کا اس وقت، وقت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے بڑا عالمانہ سوال کیا ہے۔ اس کے لئے مَیں بعض cassettes میں اپنی مجالس سوال و جواب میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ وہ آپ ہمارے اَحمدی دوست جو آپ کے واقف ہیں آپ کو مہیا کردیں گے۔ اِنشاء اللہ۔ اگر آپ کو دلچسپی ہو تو آپ شوق سے سُن سکتے ہیں۔''

حضرت مرزا صاحب اور دعویٰ نبوّت:

تحریراً ایک سوال حضورؒ کی خدمت میں پیش ہوا اُسے پڑھتے ہوئے حضورؒ نے بیان فرمایا کہ یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ ہندو عورتیں اپنے خاوندوں کی بھلائی اور قرب کے لئے اپنی مانگ میں سیندور بھرا کرتی ہیں۔ سیندور کی factory میں ملازم شخص نے ڈرتے ڈرتے factory کے مالک سے پوچھا کہ مالک! جو کچھ سیندور کی ڈبیا پر لکھا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ مالک نے معاملہ کی نزاکت کو بھانپ لیا اور ہنس کر کہا کہ سیندور کا علم میرے پِتا (باپ) جی کو بھگوانؔ نے سُپنے میں دیا تھا۔ مَیں تو اُنہیں کا شروع کیا ہوا کام چلا رہا ہوں۔ کیا آپ یہ بتانا گوارا کریں گے کہ مرزا صاحب واقعی نبی تھے؟ یا اُن کو بھی نبی ہونے کا سُپنا ہی آیا تھا؟ کیا آپ کا ضمیر اس معاملہ میں مطمئن ہے کہ آپ، جو کام مرزا غلام احمدؑ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) نے شروع کیا تھا وہ کررہے ہیں؟ اعجاز احمد صاحب جنجوعہ''

جواباً حضورؒ نے فرمایا:۔''انہوں نے بڑے لمبے سیندور کے واسطے سے آخر بات کھولی ہے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ (الاحزاب: 71) کہ اَے مومنو! وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات کیا کرو۔ سیدھی بات سے اصلاحِ احوال ہوتی ہے۔ سیدھا سوال یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اگر مَیں نبی سمجھتا ہوں تو واقعی سمجھتا ہوں اور اگر سمجھتا ہوں تو کن معنوں میں سمجھتا ہوں؟ اور کیا جو مَیں کام کررہا ہوں، مجھے ایمان ہے کہ واقعۃً یہ درست ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بالکل اُن معنوں میں نبی سمجھتا ہوں جن معنوں میں آنحضرت ﷺ نے آنے والے مسیح کے لئے لفظ نَبِیُّ اللہ استعمال فرمایا۔ ایک جواب میرا غور سے سُن لیجئے مَیں بعینہٖ اُن معنوں میں نبی سمجھتا ہوں جن معنوں میں حضرت اَقدس محمد مصطفی ﷺ نے جن پر آیتِ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ نازل ہوئی تھی آنے والے مسیح کے متعلق، گذرے ہوئے کے متعلق نہیں، آنے والے مسیح کے متعلق لفظ نَبِیُّ اللہ استعمال فرمایا اور ایک مسلم کی حدیث میں چار مرتبہ یہ لفظ (نَبِیُّ اللہ) آپؐ نے استعمال فرمایا (9)۔

مَیں اُن معنوں میں آپؑ کو نبی سمجھتا ہوں جن معنوں میں امام مہدیؑ کا مفہوم قرآنِ کریم میں ملتا ہے اور جن معنوں میں امام مہدی کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ امام مہدی کا اگر مقام حضورِ اکرم ﷺ کے تابع نبی کا نہیں تھا تو حضرت مرزا صاحب کا بھی ہرگز وہ مقام نہیں ہے۔ لیکن اگر حضرت امام مہدی کا مقام اُمّتی نبی کا مقام ہے اور اگر مسیحِ محمدی کا مقام اُمّتی نبی کا مقام ہے تو حضرت مرزا صاحب کا مقام بھی اُمّتی نبی ہی کا مقام ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص مسیح ہونے کا دعویٰ کرے اور وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو اور کہے کہ مَیں مسیح تو ہوں لیکن نبی نہیں ہوں۔ کیونکہ مسلم کی حدیث اُس پر مخالفانہ گواہی دے گی کہ اَے دعویٰ کرنے والے تُو مسیح کیسے ہوگیا؟ محمد رسول کریم ﷺ جن پر آیتِ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ نازل ہوتی ہے۔ وہ تو مسیح کے سچا ہونے کی یہ علامت بیان فرماتے ہیں کہ وہ نبیُ اللہ ہوگا۔ اگر تُو وہ مسیح ہے جو نَبِیُّ اللہ نہیں، تو جا جھوٹے ہمیں تجھ سے کوئی واسطہ نہیں پھر تو یہ

جواب ہوگا اس کا، اگر کوئی شخص امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرے اور ساتھ یہ دعویٰ بھی کرے کہ مجھے خدا نے بذریعہ وحی امام نہیں بنایا میں خود بن گیا ہوں تو آپ کو اُس کے دعویٰ کی کوڑی کی بھی پرواہ ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اپنے دل میں سوچیں بجائے اس کے کہ دلچسپ بات بنانے کی خاطر احمدیّت پر اعتراض کریں ۔ پہلے اپنے عقیدے کو تو واضح کرلیں۔

لفظ مہدیؔ سے اثباتِ نبوّت:

آپ کے نزدیک امام مہدیؔ کا کیا مقام ہے؟ مَیں جانتا ہوں اور اگر آپ اپنے دلوں کو ٹٹولیں گے، اپنے علماء سے پوچھیں گے تو اس نتیجہ کے سوا آپ نکال ہی نہیں سکتے کہ امام مہدی اُمتی نبی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ اُس میں وہ دو شرطیں پائی جاتی ہیں جو ہر نبی کا لازمہ ہیں۔ جو نبی سے باہر مل ہی نہیں سکتیں اور آپ کا ایمان ہے کہ امام مہدی میں وہ دو شرطیں پائی جاتی ہیں۔ نبی کی کیا شرط ہے؟ اللہ اُس کو کھڑا کرے، اپنی وحی سے اُس کو زمانہ کا امام بنادے، یہ نبوّت کی پہلی شرط ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اُس کے انکار کی اجازت نہیں دیتا خدا تعالیٰ اُس پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے ۔ یہ دو شرطیں نبوّت کے اندر قدرِ مشترک ہیں کہ نہیں؟ یہ بتایئے؟ اگر نہیں بتانا تو اپنے دل میں سوچ لیجئے ،اب بتایئے امام مہدی ان دو شرطوں میں سے کس کے بغیر ہوگا؟ کیا امام مہدی اپنے خیال سے کھڑا ہوجائے گا؟ کیا امام مہدی کا قوم انتخاب کرے گی؟ کیا خداؔ اُس کو مقرر کرے گا کہ نہیں کرے گا؟ اگر اُس پر وحیٔ امامت ہوئی، خدا نے مقرر فرمادیا تو اگلا سوال خود ہی حل ہوجاتا ہے۔ جس کو خدا کھڑے کرے وہ چاہے ادنیٰ ہو، اعلیٰ ہو۔ اُس کے انکار کی کسی بندے کو اجازت ہی نہیں دیتا اور ساری اُمّت کے علماء آج بھی اس بات پر متفق ہیں۔

آپ کسی فرقہ کے عالم سے جاکر پوچھ لیجئے وہ آپ کو بتائے گا کہ امام مہدی میں یہ دو شرطیں لازمی ہیں۔ خدا بنائے گا ورنہ بندے کے بنائے ہوئے امام کے مُنہ پر کوئی تھوکتا بھی نہیں۔ خدا بنائے گا اور اُمّت کے لئے اُس کی بیعت کرنا، اُس کا قبول کرنا ضروری ہوگا ، اگر کوئی عالم یہ نہ مانے تو وہ حدیثؔ اس کو دکھا دیجئے کہ جس میں آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ جب امام مہدی نازل ہو تو برف کے پہاڑوں پر سے بھی گذر کے جانا پڑے، تم اُس تک پہنچو (10) ۔ ایک ارشاد یہ ہے کہ اُس کی بیعت کرو، دوسرا ارشاد یہ ہے کہ اُس کو میرا سلامؔ پہنچاؤ (11)۔ یہ دونوں حدیثیں موجود ہیں ۔ اب آپ بتایئے کہ جس کو محمد رسولِ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب امام مہدی ظاہر ہو تو برف کے تودوں پر سے بھی گھٹنوں کے بل جانا پڑے، تم نے جا کر اُس کی بیعت کرنی ہے۔ کیا اُس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ نہیں؟ اگر ضروری ہے اور آپ سب کا دل گواہی دے رہا ہے کہ ضروری ہے تو بتایئے قرآنِ کریم میں نبیوں کے سوا کسی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے ؟ اللہ ، رسولؐ ، ملائکہ ، کتب، یومِ آخرت اور نبی ، اس کے سوا کسی institution پر ایمان لانا ضروری نہیں قرار دیا۔ اور امام مہدی پر ایمان لانے کی ضرورت پر سارے علماء متفق ہیں ۔ تو کان کو آپ پیچھے سے پکڑ لیں، دائیں طرف سے پکڑ لیں ۔ بات کہنے کی جرأت نہ ہو یہ الگ مسائل ہیں۔ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے عقیدہ کو معلوم کریں کہ امام مہدی کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے؟ عقیدہ کے لحاظ سے آپ اُس میں نبوّت مان رہے ہیں یا نہیں مان رہے؟ شریعت کے لحاظ سے نہیں وہ ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔ سو فیصدی شریعتِ محمد مصطفی ﷺ کا تابع اور غلام، سو فیصدی حضرت محمد رسولِ کریم ﷺ کے فرمان کا تابع اور غلام یہ شرطیں آپ کے عقیدہ میں ہمارے عقیدہ میں مشترک ہیں۔ اس میں اعتراض ہی نہیں ہوسکتا۔ لیکن امام مہدی کے متعلق جو جزء آپ نے قائم کئے ہوئے ہیں وہ اجزائے نبوّت ہیں۔ اس کا مزید ثبوت اگر آپ نے دیکھنا ہو تو قرآنِ کریم میں، مَیں نے عرض کیا تھا کہ قرآنِ کریم میں لفظ امام مہدی موجود ہے اور جو اہلِ قرآن کہتے ہیں کہ یہ اصطلاح بعد کی بنی ہوئی ہے ہم نہیں مانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو۔ اُن کے لئے یہ effective جواب ہے۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے انبیاء کا ذکر کرکے، ایک جگہ نہیں ایک جگہ سے زائد جگہ، قرآنِ کریم فرماتا ہے انبیاء کے نام لے لے کر۔ وَجَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا (الانبیاء:74) یہ وہ سارے لوگ ہیں لوطؑ، نوحؑ، عیسیٰؑ اور موسیٰؑ اور ابراہیمؑ، سب کے نام لے لے کر فرماتا ہے کہ ان کے متعلق دو چیزیں ہم نے کیں۔ نمبر 1 :۔ جَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً۔ اَئِمَّۃً امام کی جمع ہے ۔ امام کی جمع اَئِمَّۃً ہے ۔ جس طرح ائمہ کرام کہتے ہیں، تو خدا نے ایک یہ وضاحت کی کہ نبیوں کو ہم امام بناتے ہیں۔ دوسری وضاحت یہ فرمائی یَہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا۔ وہ اپنی طرف سے ہدایت نہیں دیتے ۔ ہم سے پہلے ہدایت پاتے ہیں اور پھر ہدایت دیتے ہیں۔ جو خود ہدایت دے اُس کو کیا کہتے ہیں؟ ہادیؔ، عربی گرائمر کا لفظ ہے واقف آدمی فوراً سمجھ سکتا ہے ۔ جس طرح قاتلؔ کہتے ہیں۔ یہ اسم فاعل ہے۔ اور جو پہلے کسی سے ہدایت پائے پھر جاری کرے اُس پہ اسم مفعول صادق آتا ہے اور اُس کو مہدیؔ کہتے ہیں۔ تو قرآنِ کریم نے ایک جگہ نبیوں کی تعریف یہ فرمائی کہ جتنے انبیاء تھے اُن میں دو شرطیں پائی جاتی تھیں۔ ایک وہ ایسے امام تھے جنہیں ہم نے بنایا تھا لوگوں نے نہیں چُنا تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ ہادی نہیں تھے مہدی تھے۔ ہم سے ہدایت پاکر پھر لوگوں میں بات کرتے تھے۔ ہماری ہدایت کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ تو یہ قرآنی اصطلاح ہے اور ایک جگہ نہیں تین جگہ قرآنِ کریم میں یہی آیت مختلف مضمونوں میں نازل ہوئی اور ہمیشہ نبیوں کے متعلق آئی۔

پس مسئلہ حل کرنا چاہئے فساد کو بے وجہ لمبا نہیں کرنا چاہئے۔ اس بات پر ہم

خدا تعالیٰ کے ہر مقدّس نام کی قسم کھا کر یہ بیان دینے کے لئے تیار ہیں کہ حضرت امام مہدی کا جو مقام ہے اُس سے ایک سوئی کے برابر بھی ہم مرزا صاحب کا مقام اُونچا نہیں سمجھتے اور ایک سوئی کے برابر بھی نیچا نہیں سمجھتے۔ یہ بحث ہم سے کر لیں کہ امام مہدی کا مقام کیا ہوگا۔ ہمارے امام مہدی کا نہیں، آپ کا امام آنے والا ہوگا اُس کا ہی مقام طے کر لیں۔ اگر آپ تقویٰ سے طے کریں گے تو اس کے سوا نتیجہ نکلتا ہی نہیں کہ اُمّتی نبی ہوگا۔ امام ہوگا خدا بنائے گا دنیا کو اُس کے انکار کی اجازت نہیں ہوگی۔ پس آج نہیں تو کل پھر ایسا امام آنا ہی آنا ہے۔ اس سوال کا آپ کیا جواب دیں گے؟''

سائل:۔ یا حضرت! آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ آج نہیں تو کل دوسرا امام آنے والا ہے؟

حضورؒ نے فرمایا:۔''میرا بھی یہی خیال ہے۔ دیکھیں لطیفہ کی بات نہیں ہے۔ طرزِ کلام ہے اُردو زبان سے واقفیت کے نتیجہ میں، آپ لکھنوی دوست بیٹھے ہیں اُن سے پوچھ لیجئے۔ قابلِ اعتراض بات ہی نہیں بنتی۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نہیں تو کل دوسرا آئے گا۔ یہ ایک طرزِ استدلال ہے۔ یہ طرزِ کلام ہے۔ قرآنِ کریم نے اس طرزِ کلام کو استعمال کیا ہے۔ اس لئے ایسی بات پر مذاق نہیں اُڑانا چاہیئے۔''

سائل:۔ نہیں نہیں یہ مذاق نہیں ہے۔ آپ ایک عالم ہیں اور بزرگ ہیں۔ آپ سے پوچھنا، اس کو clear کرنا میرا فرض تھا۔

حضورؒ نے فرمایا:۔''جزاک اللہ! مَیں معافی چاہتا ہوں مجھے آپ کی طرز سے یہ لگا تھا کہ آپ مذاق کر رہے ہیں۔۔۔ آپ میرے معزز مہمان ہیں۔ اچھا کیا غلط فہمی دور ہوگئی۔ جزاک اللہ! قرآنِ کریم بھی یہ طرز استعمال کرتا ہے کہ اگر یہ نہیں تو پھر یُوں ہوگا۔ تُو ان سے کہہ دے کہ اگر خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین آسمان پھٹ جاتے (الانبیاء:23)۔ یہ قرآنِ کریم میں آیا ہے نا؟ تو کوئی کہے کہ اچھا پھر خدا تعالیٰ اپنے سوا معبودوں کا امکان مانتا ہے؟ ہرگز نہیں! طرزِ استدلال ہے کہ اگر یہ بات نہیں مانتے تو پھر یہ تو ہوگی!''

☆ حوالہ جات کی تفصیل ☆

1:۔ مسلمان علماء کے فتاویٰ جو 1857ء کی جنگ کو غدر سمجھتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں۔

''مفسدہ 1857ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گناہ گار اور باحکم قرآن و حدیث وہ مفسد، باغی، بدکردار تھے۔''

''اس گورنمنٹ سے لڑنا یا ان سے لڑنے والوں کی کسی نوع سے مدد کرنا صریح غدر اور حرام ہے۔''

(اشاعۃ السنۃ النبویہ: جلد 9 نمبر 10: صفحہ 309/49)

''اہلِ اسلام کو ہندوستان کے لئے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت و بغاوت حرام ہے۔''

(اشاعۃ السنۃ: جلد 6: نمبر 10: صفحہ 387)

سر سیّد احمد خان صاحب لکھتے ہیں۔

''البتہ چند بدذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورا کرنے اور جاہلوں کے بہکانے کو اور اپنے ساتھ جمعیت جمع کرنے کو جہاد کا نام لے دیا۔ پھر یہ بات مفسدوں کی حرامزدگیوں میں سے ایک حرامزدگی تھی نہ واقع جہاد۔''

(رسالہ بغاوتِ ہند مؤلفہ سر سید احمد خان صفحہ:104)

اعلیٰ حضرت سید احمد رضا خان بریلوی امام اہلِ سُنّت بریلوی فرقہ لکھتے ہیں۔

''ہندوستان دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا ہرگز صحیح نہیں۔''

(نصرت الابرار: صفحہ 29 مطبوعہ لاہور)

مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں۔

''سوانح احمدی کلاں'' مؤلفہ محمد جعفر تھانیسری: صفحہ 71۔

''مقالاتِ شبلی'' جلد اوّل: صفحہ 171: مطبع معارفِ اعظم گڑھ: 1954ء۔

''رسالہ شیخ سنوسی'' صفحہ 17: مؤلفہ خواجہ حسن نظامی۔

2:۔ صحیح مسلم: کتاب الجہاد والسیر: باب کراھۃ الاستعانۃ فی الغزو بکافرٍ

3:۔ میثاقِ مدینہ کی تفصیلات سے آگاہی کے لئے دیکھیں۔ سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو: جلد اوّل: باب 62: صفحہ 336 تا 339: شائع کردہ اِدارہ اسلامیات لاہور پاکستان: مطبوعہ مئی 1994ء۔

4:۔ سر ظفر اللہ خان صاحب کی بلادِ عربیہ سے متعلقہ خدمات کے بارہ میں جاننے کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ جریدۃ الاخبار القاھریۃ: مؤرخہ 23 جون 1952ء اور رسالہ العربی: شمارہ جون 1983ء

5:۔ صحیح بخاری کتاب الادب: باب من کفّر اخاہ بغیر تأویل فھو کما قال

6:۔ ترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی وصف جبرائیل

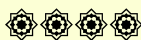
7:۔ صحیح بخاری: کتاب المظالم والغصب: باب النھی بغیر اذن صاحبہ

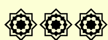
8:۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الّا اللہ

9:۔ صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب ذکر الدّجال وصفتہ ومامعہ

10:۔ مستدرک حاکم: جزو رابع: کتاب الفتن والملاحم: باب خروج المھدی: صفحہ 464

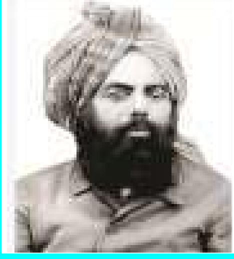
11:۔ مسند احمد بن حنبل: جلد 2: صفحہ 298 نیز الدّر المنثور از امام جلال الدین سیوطی: جلد 2 صفحہ 245







حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت قرآن مجید



رانا عبدالرزاق خان لندن



ابتدائے آفرینش سے سنت اللہ ہے کہ جب بھی اس کے بندے اس سے دور ہو کر ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ تو رب العلمین پھر کوئی انتظام فرماتا ہے کہ بندے اور خدا کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور بھولا بھٹکا ہوا انسان پھر راہ راست پر آ جاتا ہے مدتوں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اور ہزار ہا انبیاء مبعوث ہوئے اور بنی آدم کی اصلاح کرتے رہے۔ مگر انسان اپنی فطرتی کمزوری کے باعث جلد ہی یہ باتیں بھول جاتا رہا۔ اور پھر جلد ہی شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو گیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک دائمی اور عظیم الشان سلسلہ قائم فرمایا۔ جس کی بدولت رہتی دنیا تک بھولے بھٹکے انسان کامیابی اور فلاح کی راہ تلاش کر سکیں۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے ہی خدا تعالیٰ نے فخر موجودات سرور کائنات حضرت محمد عربی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ کو ایک دائمی اور مکمل شریعت دی گئی۔ ایک ایسی کتاب جس کا ایک شوشہ تک منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اور بنی نوع انسان کے لئے ایک دین اور ایک شریعت مقرر فرمائی۔ ان الدین عنداللہ الاسلام کہتے ہوئے دین اسلام کو تمام جہان کا مذہب قرار دیا۔ قرآن مجید کو انسان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمادیا کہ اب تمہاری فلاح کا راز صحیفہ میں مضمر ہے۔ اگر اس پر پوری طرح عمل پیرا ہو گے تو دین و دنیا میں فلاح پاؤ گے۔ اور اگر اسے تم نے نظر انداز کر دیا تو تمہارا حال بھی یہود و نصاریٰ کا سا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جب مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان نہ رہیں گے قرآن مجید اپنی عربی عبارت میں صحیح حالت میں موجود ہو گا۔ مگر اس کے معنی میں اختلاف ہو جائے گا۔ اور مسلمان کہلانے والوں کے ایک کثیر طبقہ کو قرآن حکیم پر ایمان ہی نہ رہے گا۔ رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ان حالات کی خبر پا کر اپنی اُمت کو بھی مطلع فرمادیا کہ میری اُمت پر ایک ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب ایمان ان کے دلوں سے اُٹھ چکا ہو گا۔ مسجدیں ظاہری شکل میں موجود ہونگی۔ مگر حقیقی نمازی نہ رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی فرمادی **لو کان ایمان معلقاً بالثریا لنالہٗ رجلٌ ا من ھاء اولاء** اگر ایمان (بعض احادیث کے مطابق قرآن) زمین سے اُٹھ کر ثریا پر جا پہنچا ہو تو بھی ایک فارسی النسل مردمیدان اسے دوبارہ زمین پر اُتار لائے گا پس پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا آپ نے بھولی بھٹکی انسانیت کو پھر سے یاد دلایا کہ تمہاری نجات کی راہ صرف اور صرف قرآن ہے۔ اگر قرآن مجید کو صحیح معنوں میں اپنا لیا جائے تو ہمارے تمام تنازعات حل ہو جاتے ہیں۔ اور ہمارے رُوح کی تسکین بھی اسی آسمانی کتاب میں ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تمام زندگی خدمت قرآن کے لئے وقف کر دی۔ اور ایک ایسی جماعت قائم کی ہے جو رہتی دنیا تک اس خدمت کو جاری رکھے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت قرآن کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ آپ نے مسلمانوں کو قرآن مجید کی طرف توجہ دلائی۔ ب۔ آپ نے قرآن کریم کے متعلق اپنوں اور غیروں کی غلط فہمیاں دور فرمائیں۔ اور قرآن کریم کے صحیح مقام سے روشناس فرمایا۔ ج۔ عملی طور پر آپ کی خدمت قرآن یعنی اس کا ترجمہ اور تفاسیر کی۔ اور آپ کی تصانیف میں بھی قرآن کریم کی برتری ثابت کی گئی ہے۔ د۔ قرآنی تعلیم کے رواج کے لئے ایک عالمگیر سلسلہ اُخوت قائم کیا اور تمام دنیا کو قرآنی معارف سے روشناس کرایا۔ اب میں آپ کی خدمت قرآن پر تفصیلاً روشنی ڈالوں گا۔ یعنی اول قرآن کریم سے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کا رد اور دوسرے حصہ میں عملی طور پر آپ کی خدمت یعنی اشاعت تعلیمات قرآنیہ۔

نمبر 1۔ آپ نے دنیا کو بتایا کہ قرآن کریم ایک جامع اور مکمل کتاب ہے۔ جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق پوری پوری تعلیم درج ہے۔ گذشتہ انبیاء کی کتب چونکہ مکمل نہیں تھیں اس لئے لوگوں میں قرآن کریم کے متعلق بھی یہ غلط فہمی پائی جاتی تھی کہ شاید یہ کتاب بھی مکمل نہیں ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس غلط عقیدہ کی پُرزور تردید فرمائی۔ اور خود قرآن کریم سے ہی ثابت کر دیا کہ یہ ایک جامع اور کامل کتاب ہے۔ آیت۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** کے مطابق اسلامی شریعت کا مکمل ہونا ثابت ہے۔ قرآن کریم کی صحت کے متعلق بھی اس زمانہ میں خود مسلمانوں میں شبہات پائے جاتے تھے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مختلف کتب شائع کر کے قرآن کریم کی صحت کو تاریخی اعتبار سے ثابت کر دیا اور دُشمنان اسلام کے اس بارے میں قرآن کریم پر اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے۔ اور ان کا منہ بند کر دیا۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک ایسی مدلل اور معقول کتاب ہے کہ اس نے اپنے دعویٰ کے لئے خود عقلی دلیل بیان فرمادی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں؛ ’’قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اس دعویٰ کو

مضبوط اور قوی دلیلوں کے ساتھ ثابت کر دیا ہے'' (نور القرآن حصہ اول ص 4)۔

نمبر 2۔قرآن کریم کے بارہ میں ایک اور بڑی غلط فہمی یہ پائی جاتی تھی کہ اس کی آیات میں تناقص پایا جاتا ہے بعض آیات بعض دوسری آیات کا رڈ کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔علماء نے غلط فہمی کی بناء پر ان آیات کی فہرستیں شائع کیں جو کہ منسوخ ہو چکی تھیں بعض کے خیال میں ان کی تعداد پانچ سو تک تھی۔بعض تین سو بتاتے تھے۔اور بعض کے نزدیک ایسی آیات صرف پانچ تھی۔بہر حال سب کا اجماع تھا کہ کچھ آیات منسوخ ضرور ہیں۔اس کا نتیجہ یہ تھا۔کہ جب بھی لوگوں کو کسی آیت کے معنے سمجھ نہیں آتے تھے۔یا اس پر عمل نہ کرنا چاہتے تھے ۔تو اسے منسوخ قرار دے دیتے۔یہ فتنہ اس قدر زور پکڑ گیا تھا کہ اگر وقت پر اس کا علاج نہ کیا ہوتا تو خطرہ تھا کہ قرآن کریم کی کسی آیت پر بھی ایمان نہ رہے۔اس غلط عقیدہ کی اصلاح بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت شدّ و مدّ کے ساتھ فرمائی۔۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک کی کوئی آیت، اس کا کوئی حکم، اور اس کا کوئی حرف منسوخ نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔''اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام من جانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو'' (ازالہ اوہام ص 60)

نمبر 3۔پھر آپ نے یہ غلط فہمی بھی دُور فرمائی کہ قرآن کریم میں تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے۔تقدیم و تاخیر کا جھگڑا مدتوں سے چل رہا تھا اور اکثر مفسّرین اس کے قائل تھے حالانکہ ان پر قرآن کریم کے پورے معنی اور مطالب ابھی نہیں کھلے تھے یہ عقیدہ بھی نہایت نقصان دہ تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی پُرزور تردید فرمائی اور جو آیات اس ضمن میں مفسرین کی طرف سے پیش کی جاتی تھیں۔ان کی تفسیر خود لوگوں کو سمجھائی۔اور ثابت کیا کہ قرآنی آیات ہر لحاظ سے صحیح اور دُرست ہیں۔کیا بلحاظ گرائمر کے، اور کیا واقعات اور اسلوبِ بیان کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں'' قرآن کریم ظاہری ترتیب کا اشد التزام رکھتا ہے اور ایک بڑا حصہ قرآنی فصاحت کا اسی سے متعلق ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کا ملحوظ رکھنا بھی وجوہ بلاغت میں سے ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت یہی ہے''۔(تریاق القلوب ص 133 حاشیہ)''ہم قرآن کی ترصیع اور ترتیب کو زیروزبر نہیں کر سکتے اور نہ اس میں اپنی طرف سے بعض فقرات ملا سکتے ہیں اگر ایسا کریں تو عنداللہ مجرم اور قابل مواخذہ ہیں''۔(اتمام الحجہ ص 15)

نمبر 4۔علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی ثابت فرمایا کہ قرآن کریم میں بیان کردہ واقعات تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔بہت سے ایسے واقعات قرآن کریم میں موجود تھے۔جن کی تصدیق تاریخی کتب سے نہیں ہوتی تھی۔لیکن بعد ازاں دوبارہ تحقیق کرنے پر قرآنی واقعات ہی درست ثابت ہوئے۔پرانے زمانہ میں واقعات ریکارڈ کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔بہت سے واقعات کا علم قطعاً نہ تھا۔گو بائیبل میں بہت سے واقعات کا ذکر موجود ہے۔مگر ان میں بہت کچھ ردوبدل ہو چکا ہے اور ابھی تک جاری ہے۔لہذا ان کو تو کوئی بھی پورا صحیح نہیں مانتا۔اور نہ ہی عقل ان میں سے بعض کو تسلیم کرتی ہے۔مگر قرآن کریم جو واقعات بیان کرتا ہے وہ بالکل صحیح ہیں۔

جماعت احمدیہ کے نزدیک قصص قرآنی صرف گزشتہ واقعات ہی نہیں بلکہ انہیں پیشگوئیوں کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

نمبر 5۔قرآن پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک ہی قصہ کو بار بار بیان کیا گیا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی قصہ کو بار بار بیان کرنے میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔اور یہ تکرار با معنی ہوتا ہے۔مثلاً پھول ہے۔اس میں آٹھ دس مختلف پتیاں دائرہ میں اپنی اپنی جگہ قائم ہوتی ہیں۔اور سب کی سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔کہ یہ پھول بہت برا ہے۔کیونکہ اس میں تکرار پایا جاتا ہے اور ساری پنکھڑیاں ایک جیسی ہی ہیں۔اسی طرح قرآن کریم میں بعض امور کے تکرار کی مثال بھی اس پھول ہی کی طرح ہے۔جس میں بہت سی ایک جیسی پتیاں پائی جاتی ہوں۔

الغرض آپ نے اس اعتراض کو بھی ردّ کر دیا اور قرآن کریم کی شان کو دوبالا کر دیا۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قصص قرآنی صرف گزشتہ واقعات ہی نہیں بلکہ انہیں پیشگوئیوں کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں؛۔''قرآن شریف میں جس قدر قصے بیان کئے گئے ہیں ان کی تحریر سے صرف یہی غرض نہیں کہ گزشتہ لوگوں کے نیک کام اور بد کام پیش کر کے ان کا انجام سنا دیا جائے۔تا وہ رغبت یا عبرت کا ذریعہ ہوں۔بلکہ یہ بھی غرض ہے کہ ان تمام قصوں کو پیشگوئی کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے'' (چشمہ معرفت ص 148)

نمبر 6۔قرآن کریم کے متعلق ایک قابل اعتراض اور غلط خیال مسلمانوں میں قائم ہو گیا تھا۔کہ وہ حدیث کو قرآن پر مقدم جانتے تھے۔اور حدیث کے فیصلے کو قرآنی فیصلے پر قاضی ٹھہراتے تھے۔مسلمانوں کا ایک بہت بڑا فرقہ جو اہل حدیث کہلاتا ہے۔

حدیث کو قرآن پر ترجیح دیتے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔اور اپنی پوری عمر قرآن کریم کو حدیث پر مقدم کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے۔اور اپنی بہت سی تصانیف میں صرف اسی مسئلہ پر بحث کی ہے۔لوگوں کے ذہنوں میں قرآن کا مقام پیدا کرنا یقیناً آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بارے میں ایک اُصول بھی بیان فرمایا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی حدیث اور کسی قرآنی آیت میں تضاد پایا جاتا ہے۔تو قرآنی آیت کو مشعلِ راہ بناؤ۔اور ایسی حدیث کو چھوڑ دو جو قرآن کریم کے خلاف پڑتی ہے۔کیونکہ قرآن کریم کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے کہ اس کا ایک ایک شوشہ صحیح

ہے۔لیکن احادیث کے متعلق ایسی کوئی ضمانت نہیں۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک حدیثوں پر بھی قاضی ہے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں؛''یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے۔اگر قرآن پر کوئی قاضی ہے تو وہ خود قرآن ہے۔حدیث جو ایک ظنی مرتبہ پر ہے ۔قرآن کی ہرگز قاضی نہیں ہو سکتی''۔(کشتی نوح ص95) ۔

دوم۔اب خاکسار حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی عملی خدمت قرآن کا ذکر کرتا ہے۔آپ نے سب سے بڑی خدمت قرآن یہ کی ہے کہ آپ نے قرآن کریم کے صحیح معانی سے نسل انسانی کو آگاہ فرمایا ہے قرآن کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔آپ کی احادیث قرآن کریم کی تفسیر کا رنگ رکھتی ہیں۔مگر احادیث صحیحہ میں معدودے چند آیات کی تفسیر ہے مسلمان مفسرین نے تفاسیر لکھی ہیں مگر ان کے آپس میں بہت سے اختلافات،نقائص اور کمیاں ہیں جن کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔یہ ضروری تھا کہ بعض صحیح اُصولوں کے مطابق تفسیر لکھی جائے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ ذیل اصول وضع فرمائے ہیں۔

الف۔قرآن کریم کا کوئی لفظ بے فائدہ یا بے معنی نہیں ہے۔زائد لفظ کوئی نہیں،ہر لفظ ایک معنی اور حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ہمارے عقیدہ اور تجربہ کے مطابق قرآن مجید نے انسانوں کی تمام دینی ضرورتوں کے متعلق کامل اور جامع تعلیم دے دی ہے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے؛''تمہاری فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔''(کشتی نوح ص24)

''قرآن شریف کے بعد کسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب کچھ قرآن شریف بیان کر چکا''(چشمہ معرفت ص2۷)

ب۔قرآن کریم میں جو واقعات درج کئے گئے ہیں وہ محض پرانے قصے نہیں ہیں بلکہ آئندہ زمانے کے لئے پیشگوئیاں ہیں نیز ہمارے عبرت حاصل کرنے کے لئے اسباق ہیں ج۔قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی جائے جو دوسری آیات سے موید ہو۔س۔قرآن کریم کے مطالب بیان کرنے کے لئے آپ نے ایک بڑا گُر یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق پیدا کرو اور اُسی سے دُعا کرو۔کہ وہ خود ہی اپنی کتاب کے مطالب کھول دے۔لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْن۔آپ نے اپنے متعلق فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مجھ پر قرآن کریم کے مطالب کھولے ہیں۔اور تمام دنیا کو جو آپؑ نے تفسیر نویسی کے مقابلہ کے چیلنج دیئے ہیں۔وہ اس دعویٰ کا بیّن ثبوت ہیں۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے ہر رنگ میں قرآن کریم کی عظیم الشان خدمت کی ہے۔آپ نے قرآن مجید کے معانی بیان کرنے اور ان کے اصولوں کے بیان کرنے کے علاوہ اور بھی ہر ممکن ذریعہ سے قرآن کی خدمت کی ہے مثلاً آپ نے عربی زبان کو ترقی دینے کے لئے ہر ممکن کوشش فرمائی ہے عربی زبان کو اُمّ الالسنہ ہونا

ثابت فرمایا۔اپنی جماعت کو عربی پڑھنے کی تلقین عمر بھر کرتے رہے۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک کی زبان یعنی عربی زبان کامل زبان ہے۔بلکہ اُم الالسنہ ہے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام تحریر فرماتے ہیں؛''کامل کتاب کے لئے کامل بولی میں اُترنا ضروری تھا۔کیونکہ کامل اور ناقص کا پیوند درست بیٹھ نہیں سکتا۔لہذا قرآن شریف عربی زبان میں اُترا۔جو اپنے ہر ایک پہلو کے رُو سے کامل ہے''(آریہ دھرم ص8 حاشیہ)''سبحان الّذی جعل العربیة اُمّ الالسنة کما جعل مکّة اُمّ القریٰ و جعل رسولنا خاتم النبین''(انجام آتھم ص258)چنانچہ عربی دان پیدا کرنے کے لئے آپ نے قادیان میں مدرسہ احمدیہ قائم کیا۔اسی طرح آپ نے قرآن کریم کی خدمت اس رنگ میں بھی کی ہے کہ ایک ایسی جماعت قائم فرمائی ہے جس کا کام ہی یہ ہے کہ اوّل وہ خود قرآن کے مطالب

سمجھیں۔دوم۔ان پر عمل کریں۔سوم۔دوسروں کو اس کے مطالب سمجھائیں۔چہارم۔دوسروں سے بھی قرآنی احکام پر عمل کروائیں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے قرآن کریم کے متعلق اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی۔''قرآن مجید کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو

تمہاری اس میں زندگی ہے۔جو لوگ قرآن کو عزت دیں ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا''۔(کشتی نوح)پس جماعت

احمدیہ آج اسلام کی جو خدمت کر رہی ہے۔یہ کام دراصل حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا ہی شروع کیا ہوا ہے۔اور اس پودے کا بیج حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا ہی لگایا ہوا ہے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کو قرآن کریم سے حقیقی عشق تھا۔پس اسی وجہ سے آپ ہر وقت قرآن ہی کا ذکر زبان پر رکھتے تھے۔آپ کی تحریرات اور آپ کی تقاریر اس بات کی شاہد ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے اپنی نظمیں بھی قرآن کریم کی مدح میں لکھی ہیں یہ امر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ مسلمانوں میں ہزارہا شاعر گزرے ہیں لیکن آج تک کسی کو یہ توفیق نہ ملی کہ وہ قرآن کریم کی مدح میں کوئی نظم لکھیں اور بیسیوں اشعار قرآن کریم کی مدح میں لکھے۔جن میں سے مشتے از خردارے ایک شعر پیش کرتا ہوں۔

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

پھر اس مرد حق کی مطیع جماعت کاروان خلافت کے سائے تلے عرصہ ایک صد سال تیس سے قرآن کی خدمت کی جوت دل میں جگائے چہار وانگ عالم میں اپنی بے مائیگی کے باوجود ان اسلامی (نام نہاد ممالک جو تیل جیسی دولت سے مالا مال ہیں)ممالک کے مقابلہ میں شب و روز سرگرم عمل ہے۔دوصد 215 ممالک کی ہزارہا

جماعتوں کی مساجد اور مدرسہ جات میں درس قرآن کریم کو یقینی بنائے ہوئے ہے۔اوراب تک پوری کوشش سے ستر بڑی زبانوں میں قرآن کریم کے مکمل ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے۔اورایک سو(100)سے زیادہ اہم زبانوں میں قرآن کریم کی اہم آیات کا ترجم کررہی ہے۔ان سب مقامی زبانوں میں لفظی ترجمہ کرنے میں پیش پیش ہے۔قرآنی عالم بنانے کے لئے سب برّاعظموں کے سب اہم ممالک میں چودہ جامعات احمدیہ قائم ہوچکی ہیں۔اورسالانہ سینکڑوں علماء قرآن بن رہے ہیں۔اب جدیدوسائل نشرواشاعت سے استفادہ کرتے ہوئے اشاعت قرآن کریم میں ہزارگنا تیزی آچکی۔

سینکڑوں روزنامے،ہفت روزے،سہ ماہی مجلہ جات سب ممالک میں شان قرآن بیان کرنے میں مصروف عمل ہیں ایم ٹی اے انٹرنیشنل ٹی وی کے تینوں چینلز مسلسل انوارخلافت کی روشنی میں شب وروز اشاعت قرآن کے لئے کمر کسے ہوئے ہے۔ان ساری کوششوں کا سہرا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ہی سر ہے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے بعد حضرت خلیفۃالمسیح الاولؓ نے قرآن مجید کے درس وتدریس اور دوستوں کے اندر قرآنی علوم سیکھنے کا شغف پیدا کرنے کا فریضہ احسن رنگ میں سرانجام دیا۔ان کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے اللہ تعالیٰ سے قرآنی علوم سیکھے اور دنیا کو چیلنج پیش کیا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر اور اسکے معارف اور حقائق و لطائف بیان کرنے میں میرا مقابلہ کرلے۔نیز آپ نے معرکۃ الآراتفسیر کبیر پیش کرکے مصلح موعودؓ ہونے کا حق ادا کردیا۔پھران کے بعد حضرت ناصر دینؒ نے تو ساری دنیا کے دورہ جات کرکے قرآن کریم کو دنیا کی مزید بڑی زبانوں میں ترجمہ کرواکر ہر بڑے ہوٹل اور گھر گھر پہنچانے کا پروگرام بنایا۔حضرت خلیفہ رابع ابن مریم نے تو اس عظیم کام کو اوج ثریا تک پہنچادیا۔اب ہمارے پیارے آقا امیرالمومنین حضرت مسرور احمد ایدہ اللہ بنصرالعزیز اس اہم کام کو مزید نئی زبانوں میں اس بابرکت کام کو وسعت دینے میں شب و روز اپنے انصار و خدام کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔الغرض حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے قرآن کریم کی بہت عظیم الشان خدمت کی ہے۔جس کی نظیر چودہ سو برس میں ملنا بہت مشکل ہے۔یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہی تو ہے کہ قرآن جسے لوگ نظرانداز کرچکے تھے اور گویا اس زمین سے اُٹھ گیا ہوا تھا۔وہ پھر اس زمین پر اُتارا گیا ہے اور آقائے دوجہاں کی یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی ہے کہ **لوکان القرآن معلقاً باالثریا لنا له رجالاً منها هولاء۔** واقعی قرآن کرّہ ارض سے اُٹھ چکا تھا۔مگر اس فارسی النسل جوان کی ہمت اور کوششوں کے نتیجہ میں آج دوبارہ دنیا میں رائج ہوگیا ہے۔الحمدللہ علیٰ ذالک۔(ماخوذ)



قندیلِ حق

عبدالاسلام اسلام



پھیلا رہی ہے نورِ حق" قندیلِ حق" ضرور
ہاں اسم با مسمّیٰ ہے تالیف آپ کی!

دیتا پتہ ہے محنت و کاوش کا حرف حرف
جھوٹی نہیں ہوں کر رہا تعریف آپ کی!

تبلیغِ دیں کا جذبہ ہے سینے میں آپ کے
منہ بولتا ثبوت ہے تصنیف آ پ کی!

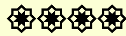
تحریر میں ہے لا جرم معقولیت کا رنگ
مقبولِ خاص و عام ہو تالیف آپ کی!

حق کی عطا ہے قوتِ تخلیق آپ میں
تصنیف کر رہی ہے خود توصیف آپ کی!

قاری کو کیوں نہ دے گی یہ پاکیزگی کا حسن
مہدی کی پیروی میں جب تنظیف آ پ کی!

موجب ہے آپ کیلئے اجرِ عظیم کا
یہ محنت تدوین، یہ تکلیف آ پ کی!

قندیلِ حق کی لو سے ہوں روشن دلوں کے دیپ
تسخیر ہر دل کو کرے تالیف آ پ کی!



شہادت مسجد احمدیہ سیالکوٹ

اے مسجدِ شہید پائندہ رہے گی تو
چمکے گی تا ابد کہ تابندہ رہے گی تو

تجھ کو مٹانے والے مٹ جائیں گے وہ تمام
لیکن بفضلِ ایزدی زندہ رہے گی تو







خلیفہ خدا بناتا ہے
(زیرِ تصنیف کتاب بعنوان 'ختمِ نبوّت' کا باب چہارم)



تحریر جمیل احمد بٹ

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔اس کے اثبات میں چند نظریاتی اور واقعاتی شہادات کا بیان اس مضمون کا موضوع ہے۔

نبی اور خلیفہ:

خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً وہ وجود جو ایک نبی کے بعد اس کے جانشین ہوتے ہیں خلیفہ کہلاتے ہیں۔تاہم قرآنِ کریم میں دو انبیاء حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داوٗد علیہ السلام کو بھی خلیفہ فی الارض کہا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے امت میں آنے والے مہدی کو بھی خلیفۃ اللہ فرمایا ہے۔اس لفظی اشتراک کے باوجود نبی اور خلیفہ کے مقام الگ الگ ہیں۔ان کے باہم تعلق کی بہترین وضاحت حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں یوں ہے کہ نبی 'خدا کی مجسم قدرت' ہوتا ہے جبکہ خلیفہ 'اس کی دوسری قدرت کا مظہر' ۔(الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 306)

ضرورتِ خلافت:

قانونِ قدرت میں نفع بخش اشیاء، وجود اور سلسلے قائم رکھے جاتے ہیں۔نبوت ایک ایسا انعام ہے جو بدرجہ اولیٰ تسلسل چاہتا ہے۔پھر یہ کہ نبی کے ذریعہ مطلوبہ اصلاح اس کی محدود زندگی میں صرف ابتدائی طور پر ہو پاتی ہے اور اس تخم ریزی کی پوری تکمیل ایک لمبا عرصہ چاہتی ہے جو نبی کے جانشین خلفاء کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔اس بارے میں حضرت مسیح موعودؑ کا ارشاد ہے۔

'عندالعقل یہ بات نہ صرف احسن بلکہ واجب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک نبی ۔۔۔یا تو وہ ایک لمبی عمر لے کر آویں ۔۔۔اور اگر ایسا نہیں تو پھر ان کے وارث ۔۔۔ضرور پیدا ہونے چاہئیں'۔

(شہادت القرآن روحانی خزائن جلد 6 صفحہ نمبر 345)

شائد اسی لئے آنحضرت ﷺ نے بطور اصول یہ فرمایا ہے کہ:

'کوئی نبوت ایسی نہیں ہوئی جس کے بعد خلافت قائم نہ ہوئی ہو'۔

(کنز العمال جلد 6 صفحہ نمبر 109)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُن کے کام کی تکمیل کے لئے حضرت یوشع خلیفہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے۔

قرآنی شہادت

کیونکہ خلافت کا نظام سلسلۂ نبوت کا حصہ اور اس کا تتمہ ہے اور اس کی غرض نبی کے کاموں کی تکمیل ہے اس لئے لازم ٹھہرتا ہے کہ یہ جانشین ایسے ہوں جو اس نبی کے کمالات میں سے حصہ رکھتے ہوں۔یہی وہ ضرورت ہے جس کی خاطر خدائے علیم انبیاء کی طرح خلفاء کا انتخاب بھی خود کرتا ہے۔جیسا کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کو مامور کیا تو اللہ نے فرمایا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (صٓ 27:38)

اے داوٗد! یقیناً ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء کا انتخاب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا جیسا کہ فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(نور 56:24)

اس آیت کا ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ نے یوں فرمایا ہے:

'خدا نے تم میں سے بعض نیکوکار ایمانداروں کے لئے یہ وعدہ ٹھہرا رکھا ہے کہ وہ انہیں زمین پر اپنے رسولِ مقبول کے خلیفے کرے گا۔انہیں کی مانند جو پہلے کرتا رہا ہے۔

(براہینِ احمدیہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 235 حاشیہ نمبر 11)

چونکہ یہ وعدہ خدا کی طرف سے ہے اس لئے اس وعدے کے تحت بننے والے تمام خلفاء کو خدا ہی خلیفہ بناتا ہے۔

بار بار دہرائے جانے والی حقیقت:

یہ حقیقت ہر انتخابِ خلافت پر دہرائی جاتی رہی ہے۔

i۔حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے یہ بتا دیا تھا کہ:

'مَیں ابوبکر کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنا چاہتا تھا مگر مَیں نے خیال کیا کہ یہ خدا کا کام ہے اور خدا ابوبکر کے سوا کسی اور شخص کو خلیفہ نہیں بننے دے گا اور نہ ہی خدائی مشیت کے تحت مومنوں کی جماعت اس کے سوا کسی اور کی خلافت پر راضی ہوگی'۔

(بخاری کتاب الاحکام)

اس حدیث کی وضاحت میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

'آنحضرت ﷺ نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرما دے گا کیونکہ یہ خدا کا ہی کام ہے اور خدا کے انتخاب میں نقص نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا'۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ نمبر 524)

ii۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا اظہار یوں فرمایا:

'جس شخص نے مال کے متعلق کوئی بات دریافت کرنی ہو وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنا کر قوم کے مالوں کا امین بنایا ہے'۔

(تاریخ عمر بن خطابؓ از علامہ ابنِ جوزیؒ صفحہ نمبر 87)

iii۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے خود یہ خبر دی اور فرمایا

'خدا تمہیں ایک قمیص پہنائے گا اور لوگ اسے اتارنا چاہیں گے مگر تم اسے نہ اتارنا'۔ (ترمذی)

اس پیشگوئی میں خلیفہ بنایا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب کیا گیا ہے اور اس کی مخالفت کو لوگوں کی طرف۔ وقت آنے پر حضرت عثمانؓ نے یہی الفاظ دہرائے کہ 'مَیں اس رِدائے خلافت کو ہرگز نہ اتاروں گا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے'۔ (طبری جلد 5 صفحہ نمبر 121)

iv۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنے بعد سلسلۂ خلافت کا قیام خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور فرمایا:

'جب مَیں جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا'۔

(الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 305)

اور پھر یوں ہی ظہور میں آیا۔ قدرتِ ثانیہ کے پہلے مظہر حضرت مولانا نور الدینؓ نے بار بار یہ اعلان فرمایا:

'جس طرح ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوئے رضی اللہ عنہما۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے مجھے مرزا صاحب کے بعد خلیفہ کیا'۔ (بدر 11 جولائی 1912ء)

'مَیں جب مروں گا تو پھر وہی کھڑا ہوگا جس کو خدا چاہے گا اور خدا اس کو آپ کھڑا کرے گا'۔ (بدر 11 جولائی 1912ء)

اور یہ کہ 'خلیفے اللہ ہی بناتا ہے میرے بعد بھی اللہ ہی بنائے گا'۔

(پیغامِ صلح 24 فروری 1914ء)

v۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اعلان کیا:

'خدا نے مجھے خلیفہ بنایا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے انتخاب میں غلطی نہیں کرتا'۔

(کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے؟۔ انوار العلوم جلد 2 صفحہ نمبر 18)

'میں تمہیں خدا کی قسم کھا کر جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہتا ہوں کہ میں نے حصول خلافت کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی۔ میرے مولیٰ نے پکڑ کر مجھے خلیفہ بنا دیا ہے'۔

(القول الفصل۔ انوار العلوم جلد 2 صفحہ 330 فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ)

خدا کا انتخاب کیسے؟

خلفاء کا انتخاب بظاہر مومنوں کی رائے سے ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اُسے خدا کا انتخاب قرار دیا جانا اُس مخفی خدائی تقدیر کی وجہ سے ہے جو اوّل خود خلیفہ چنتی ہے اور پھر اس کی مشیت اپنے خاص تصرف سے مومنوں کے دل اس چنندہ وجود کی طرف مائل کر دیتی ہے اور کثرت رائے اس طرف ہو جاتی ہے اس وقت مجلسِ منتخبہ کی حیثیت ایک آلہ کی سی ہو جاتی ہے جسے خدا اپنی تقدیر کو جاری کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے۔

یہ وضاحت پہلے بھی بیان ہوئی ہے جیسا کہ درج ذیل تحریر:

'خدا تعالیٰ ۔۔۔لوگوں کے دلوں میں الہاماً ڈال دیتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو خلیفہ منتخب کرلیں جسے خدا تعالیٰ خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔

(ازالۃ الخلفاء جلد اول از حضرت سید ولی اللہ شاہ صفحہ 19)

واقعاتی شہادتیں:

نظریاتی طور پر اس اثبات کے ساتھ درج ذیل دس واقعاتی شہادتیں اس امر پر مزید ثبوت ہیں کہ خلیفہ کا انتخاب خدائی انتخاب ہوتا ہے۔ اور یہ کہ خلیفہ خدا ہی بناتا ہے۔

1۔ منتخب خلفاء اس منصب کے خواہش مند نہیں ہوتے بلکہ اس ذمہ داری کو بوجھ جانتے ہیں:

دنیوی مناصب کے لوگ خواہشمند ہوتے ہوتے ہیں اور ملنے پر خوش۔ جبکہ خلافت ایک ایسی ذمہ داری ہے کہ کوئی ہوش منداس کی تمنا نہیں کر سکتا اور جن کے سپرد یہ ہوتی ہے وہ اسے بوجھ جانتے ہیں۔ خلفا کے اس مشترک ردعمل کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

i۔حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو فرمایا:
'مَیں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے امارت وخلافت کی کبھی بھی خواہش پیدا نہیں ہوئی اور نہ مَیں نے اس عہدہ کو مخفی یا ظاہرا اللہ تعالیٰ سے طلب کیا ہے'۔
(تاریخ الخلفاء از امام سیوطیؒ صفحہ نمبر 51)

نیز یہ کہ
'میرے سپرد یہ کام کر دیا گیا ہے جبکہ مَیں اسے پسند نہیں کرتا اور میری دلی خواہش تھی کہ کوئی اور شخص اس عہدہ پر فائز کیا جاتا'۔
(تاریخ الخلفاء از امام سیوطیؒ صفحہ نمبر 53)

ii۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے صحابہ کے مشورہ سے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کیا تو انہوں نے فرمایا:
لَا حَاجَةَ لِي فِيهَا (سیرت عمر بن خطاب ؓ صفحہ نمبر 48)
ترجمہ: مجھے اس خلافت کی کوئی ضرورت نہیں۔

iii۔ حضرت مولانا نورالدین نے انتخابِ خلافت کے بعد اپنی پہلی تقریر میں فرمایا:
'میری پچھلی زندگی پر غور کر لو مَیں کبھی امام بننے کا خواہش مند نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم مرحوم امام الصلوٰۃ بنے تو مَیں نے بھاری زمہ داری سے اپنے تئیں سبکدوش خیال کر لیا تھا۔۔مَیں ہرگز ایسی باتوں کا خواہشمند نہیں۔اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے'۔ (بدر 6جون 1908ء)
کچھ عرصہ بعد میں ایک بار پھر فرمایا:
'مَیں اس مسجد میں قرآنِ مجید ہاتھ میں لے کر اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے پیر بننے کی خواہش ہرگز نہیں اور نہ تھی اور قطعاً خواہش نہ تھی'۔
'خدا تعالیٰ کے منشاء کو کون جان سکتا ہے اُس نے جو چاہا کیا'۔
(بدر یکم فروری 1912ء)

iv۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے انتخاب کے چند دنوں بعد فرمایا:
'مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے کبھی انسان سے خلافت کی تمنا نہیں کی اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بھی کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ وہ مجھے خلیفہ بنا دے'۔
(الفضل 25مارچ 1914ء)

v۔پھر ہمارے سامنے کی بات ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات پر لندن روانہ ہوئے تو اُن کاموں کے پروگرام بنا کر گئے تھے جو آپ کا واپس آکر کرنے کا ارادہ تھا۔

2۔منتخب ہونے والا خدائی تقدیر کے تحت ایک نیا وجود بن جاتا ہے:

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:
'یہ قانونِ قدرت ہے کہ جب خدا کے رسول کا کوئی خلیفہ اس کی موت کے بعد مقرر ہوتا ہے تو شجاعت اور ہمت اور استقلال اور فراست اور دِل قوی ہونے کی روح اُس میں پھونکی جاتی ہے جیسا کہ یشوع کی کتاب باب اوّل آیت 6 میں حضرت یشوع کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مضبوط ہو اور دلاوری کر'۔
(تحفۂ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ نمبر 185)

درج ذیل چند واقعات سے خوب ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح خلفاء اس منصب پر مقرر کئے جانے کے بعد الٰہی تدبیر کے تحت ایک نئے وجود بن جاتے ہیں۔

i۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی رقیق القلب تھے۔قرآنِ کریم پڑھتے تو زاروقطار رونے لگتے۔ ہجرت کے وقت جب دشمن غارِ ثور کے منہ تک آ گئے تو آپ آقا سے محبت کے سبب گھبرا گئے اور آں حضور ﷺ نے آپ کو اللہ کی مدد کے حوالے سے تسلی دی۔ یہی حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ ہوئے تو یکدم ایسے باہمت اور قوی ہو گئے کہ صحابہؓ کی اجتماعی رائے کے برخلاف انتہائی مخدوش حالات کے باوجود اس لشکر کو جو آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے قبل تیار کیا تھا یہ کہہ کر روانہ کر دیا:
'اللہ تعالیٰ کی قسم اگر پرندے میرے گوشت کو نوچ نوچ کر کھالیں تو یہ میرے نزدیک اس امر سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ مَیں اپنی خلافت کی ابتداء اس امر کو روکنے سے کروں جس کے کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں دیا'۔
(تاریخ الخلفاء صفحہ نمبر 55)
یہی سختی آپ نے منکرینِ زکوٰۃ اور شورش کرنے والے جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ روا رکھی۔

ii۔ اس کے برعکس حضرت عمر فاروق ؓ مزاج کے بہت سخت تھے۔خلیفہ ہوئے تو دعا کی:
'اے اللہ مَیں ضعیف ہوں مجھے قوت عطا کیجیو۔مَیں سخت ہوں مجھے نرمی عطا فرمانا۔مَیں بخیل ہوں مجھے سخی بنانا'۔
(سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ از مولانا غلام باری سیف صاحب صفحہ نمبر 55)
اور بعد میں یہ حال ہوا کہ جہاں خدا کا حکم سنا۔یا کسی کو تکلیف میں مبتلا دیکھا تو رقت طاری ہو جاتی اور سختی صرف زیادتی کرنے والوں کے لئے رہ گئی۔

iii۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول انتہائی نرم مزاج ہوتے تھے لیکن زمانہ خلافت میں جب انکارِ خلافت کے فتنہ نے سر اٹھایا تو آپ نے سختی سے اس کا سر کچلا اور اس کے لیڈروں کو دوبارہ بیعت کا حکم دیا۔ اور ایک بار ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

’اگر تم زیادہ زور دو گے تو یاد رکھو کہ میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے۔ (بدر 11 جولائی 1912ء)

iv۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جب خلیفہ ہوئے تو آپ کی عمر 25 سال تھی اور آپ کو ظاہر بیں طفلِ مکتب کہتے تھے لیکن جب علم و عرفان کے سوتے پھوٹے اور غیر معمولی عظیم انتظامی قابلیتوں کا اظہار ہوا تو خدا کے انتخاب کی حقیقت سب پر ظاہر ہوئی۔

v۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا نیا وجود ظاہر ہوتے ہم سب نے خود دیکھا اور دیکھ رہے ہیں۔

3۔ مومنوں کے خوف کا امن سے بدلنا:

خلیفہ کے خدائی انتخاب ہونے کی کی ایک علامت قرآنِ کریم میں یہ بتائی گئی ہے کہ:

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور 56:24)

ترجمہ: اور ضرور بدل دے گا اُن کے خوف کے بعد انہیں امن سے۔

کسی نبی یا خلیفہ کی وفات کا حادثہ مومنوں کو اَن دیکھے خوفوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس خوف کا سبب وہ محبت ہوتی ہے جو انہیں جانے والے سے اور نظامِ جماعت سے ہوتی ہے اور جس کا بھلا دیکھنا اُن کا مقصودِ حیات ہوتا ہے۔ یہ خوف اُسی وقت امن میں بدلتا ہے جب خدا تعالیٰ کی تقدیر ظاہر ہو جاتی ہے اور خدا کا منتخب کردہ ایک اور وجود سامنے آ جاتا ہے۔

اس کیفیت کو حضرت مسیح موعودؑ نے یوں بیان فرمایا ہے:

’آنحضرت ﷺ کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین مرتد ہو گئے اور صحابہؓ مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوئے تھام لیا۔۔۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا۔۔۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا‘۔

(الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 305)

ان گزشتہ مثالوں کی مانند احمدی بھی ہر انتخابِ خلافت کے وقت پہلے خوف اور پھر امن کی کیفیت سے گزرے ہیں۔

4۔ امام کی ڈھال تلے خدا تعالیٰ جماعتِ مومنین کی حفاظت فرماتا ہے

مومنوں کی جماعتیں خوف کے امن سے بدلنے کا ان مواقع پر بھی مشاہدہ کرتی ہیں جب دشمن ظلم اور فساد کی راہ سے قوم پر خوف کی حالت طاری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان مشکل حالات میں خلفاء اللہ تعالیٰ سے راہنمائی پا کر جماعت کی یوں راہنمائی کرتے ہیں کہ دشمن کے سب منصوبے مکڑی کے جالوں کی طرح بے حقیقت ثابت ہو کر رفت گزشت ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے منتخب کردہ خلیفہ کو مومنوں کے لئے ڈھال بنا دیتا ہے اور اُسے وہ راہیں سجھاتا ہے جو مومنوں کو ان ابتلاؤں اور فتنوں سے بچائے رکھتے ہیں۔

تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت فتنہ ہائے ارتداد، منکرینِ زکوٰۃ، اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی شورش،

حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے وقت فتنۂ انکارِ خلافت،

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وقت اہلِ پیغام کی مخالفت، 1934ء کی احراری شورش، فتنۂ منافقین اور 1953ء کا ہنگامہ،

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے وقت 1974ء کا ابتلاء

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے دور میں 1984ء کا آرڈیننس اور

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کے وقت میں 2010ء کا سانحۂ لاہور۔

یہ ایسے واقعات ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی شدت کے لحاظ سے بہت خطرناک تھا لیکن خدا کے بنائے ہوئے خلفاء کی ڈھال تلے اللہ تعالیٰ نے جماعت کی حفاظت کے خاص سامان فرمائے اور جماعت ان ابتلاؤں سے سرخرو ہو کر گزرتی چلی گئی۔

5۔ خلیفہ کی مخالفت کرنے والے ناکام رہتے ہیں:

خدا کے منتخب کردہ خلیفہ کی مخالفت کی وجوہات قرآنِ کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں بیان فرمائی ہیں۔ جب اُن کے انتخاب کی مخالفت فرشتوں نے اپنی گزشتہ خدمات کے حوالے سے کی کہ:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ 31:2)

ترجمہ: ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں

اور ابلیس نے اپنے آپ کو زیادہ اہل اور بڑا جانا اور انکار کر دیا

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ (بقرہ 35:2)

ترجمہ: اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔

خدا تعالیٰ نے اعلیٰ خدمات اور زیادہ اہلیت کے ان دونوں دعوؤں کو اُس آدم

کے مقابلہ میں رڈ کر دیا جو اپنی کوئی بڑائی اور خدمت پیش نہیں کر سکتا تھا۔

یہی اصول آئندہ خلفاء کے بارے میں ٹھہرایا گیا ہے کہ:

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (نور 56:24)

ترجمہ از حضرت مسیح موعود: 'بعد خلیفوں کے پیدا ہونے کے ۔۔۔ اگر کوئی بغاوت اختیار کرے اور اُن کی اطاعت اور بیعت سے منہ پھیرے تو وہ فاسق ہے'۔

(شہادۃ القرآن روحانی خزائن جلد 6 صفحہ نمبر 334)

تاریخ یہی بتاتی ہے کہ خلافت کے مخالف ہمیشہ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے انتخاب کی مخالفت بڑے منظم طور پر کی گئی اور اس میں اُس وقت کے بہت سے بڑوں نے حصہ لیا لیکن خدائی تقدیر کے مطابق وہ سب چھوٹے کئے گئے اور صرف خود کو ہی نقصان پہنچایا۔ انتخاب خلافت کے اگلے مواقع پر بھی جو آوازیں اٹھیں سب بے نوا رہیں۔

6۔ مخالفین کی جھوٹی خوشیوں کا پامال ہونا

خدائی سلسلوں کے مخالف، نبی اور اُس کے ہر خلیفہ کی وفات پر یہ خیال کر کے خوش ہوتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچ گیا لیکن ان کی یہ خوشی اس وقت پامال ہو جاتی ہے جب خدا تعالیٰ نئی قدرت دکھا کر جماعت کو تھام لیتا ہے۔ کہ

'قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے'

(الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 306)

اب بھی اس کے مطابق ظہور میں آیا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر ایک مخالف نے لکھا:

'مرزا صاحب کی عدم موجودگی کے سبب احمدی جماعت مخالفین کی شورش کو برداشت نہ کر سکے گی اور اس کا شیرازہ بکھر جائے گا'۔

(تحریر خواجہ حسن نظامی پیسہ اخبار لاہور 5 جون 1908ء)

اور پھر خود جماعت کو ترقی کرتے دیکھا۔ خلافت ثانیہ کے موقع پر جن افراد نے خلافت سے علیحدگی اختیار کی گزرتے وقت نے ان کا غلطی پر ہونا ثابت کر دیا ہے۔

اسی طرح بعد کے انتخابات کے موقع پر بعض اخباروں نے جماعت میں اختلاف، پھوٹ اور گروپ بننے کی جھوٹی خبریں اڑائیں۔ یہ تمام مخالفین کی جھوٹی خوشیاں تھیں جو ہمیشہ کی طرح خدا کے بنائے ہوئے نئے خلیفہ کے قائم ہو جانے پر پامال ہوتی رہیں۔

7۔ خلیفہ کا جماعت کا محبوب اور مطاع ہو جانا:

یہ ایک عجیب توارد ہے کہ مسندِ خلافت پر بیٹھنے والا یکدم پوری جماعت کا محبوب ہو جاتا ہے اور سب اُس کے مطیع۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وقت ایسا ہونے کی کیفیت حضرت مسیح موعودؑ نے یوں بیان فرمائی:

'مومن ۔۔۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مبارکباد دیتے اور مرحبا کہتے ہوئے ان سے ملتے تھے۔ آپ کی تعریف کرتے ۔۔۔ اور آپ کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ آپ کی تعظیم اور تکریم کے آداب بجا لانے کے لئے لپکتے تھے۔ اور انہوں نے آپ کی محبت کو اپنے دل کی گہرائی میں داخل کر لیا۔ اور وہ اپنے تمام معاملات میں آپ کی پیروی کرتے تھے۔ اور وہ آپ کے شکر گزار تھے'۔

(سر الخلافہ اردو ترجمہ صفحہ نمبر 51 شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ)

حضرت خلیفہ ثانی کے انتخاب کی کاروائی یوں بیان کی گئی ہے:

'مومنوں کی جماعت نے اس جوش اور ولولہ کے ساتھ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی طرف رُخ کیا کہ اُس کا نظارہ کسی دیکھنے والے کو نہیں بھول سکتا۔ لوگ چاروں طرف سے بیعت کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے اور جوش کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے ۔۔۔ اور چاروں طرف سے یہ آواز اُٹھ رہی تھی کہ ہماری بیعت قبول کریں'۔

(تاریخ احمدیت جلد 3 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 517-518 نیا ایڈیشن)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے محبت ہر احمدی اپنے دل کی گہرائی میں محسوس کرتا ہے اور جو موقع پاتے ہیں آپ کی دید سے سیر نہیں ہوتے

8۔ خدا تعالیٰ اپنے بنائے ہوئے خلیفہ کی دعائیں سنتا ہے:

خلفاء کے ذریعے قبولیتِ دعا کا نشان بار بار ظاہر ہوتا ہے اور یہ ایک جاری شہادت ہے جو خدا سے اُن کے تعلق کو ثابت کرتی ہے۔ مومنوں کا خلیفۂ وقت سے دعاؤں کی درخواست کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اُن دعاؤں کو سننا روزمرہ کی بات ہے۔ اس بارے میں ہر احمدی خود صاحبِ تجربہ ہے اور واقعات کا کوئی شمار نہیں۔ انفرادی معاملات کے علاوہ خلفاء جماعت کے لئے کس طرح دعائیں کرتے ہیں اس کا اندازہ ان کے درج ذیل چند ارشادات سے خوب ہو جاتا ہے۔

i۔ 'مَیں (بوجہ بیماری) سجدہ نہیں کر سکتا پھر بھی سجدہ میں تمہارے لئے دعائیں کرتا ہوں۔ مَیں نے تمہاری بھلائی کے لئے بہت دعائیں کی ہیں'۔

(ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الاول مندرجہ اخبار بدر 26 جنوری 1911ء)

ii۔ 'تم میں اُن میں جنہوں نے خلافت سے روگردانی کی ہے ۔۔۔ ایک

بہت بڑا فرق ۔۔۔ ہے اور وہ یہ کہ تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا ، تمہاری محبت رکھنے والا ، تمہارے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھنے والا ، تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا ، تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے مگران کے لئے نہیں ہے۔ تمہارا اُسے فکر ہے، درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولیٰ کے حضور تڑپتا رہتا ہے'۔

(ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مندرجہ برکاتِ خلافت صفحہ نمبر 5)

iii۔'بعض دفعہ ایسے بھی حالات آتے ہیں کہ خلیفہ ہفتوں ساری ساری رات آپ کے لئے دعائیں کر رہا ہوتا ہے جیسے 1974ء کے حالات میں دعائیں کرنا پڑیں ، میرا خیال ہے کہ دو مہینہ تک مَیں بالکل سو نہیں سکا تھا۔ کئی مہینے دعاؤں میں گزرے تھے'۔

(ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث مندرجہ الفضل 21 مئی 1978ء)

9۔خدا تعالیٰ خلفاء کی تائید ونصرت فرماتا ہے اور کامیابیاں عطا فرماتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا اپنے بنائے ہوئے خلفاء کی مدد کرنا، انہیں کامیاب کرنا اور ان کے ہاتھوں ترقیات ہونا ایک ایسی روشن حقیقت ہے جو سب پر عیاں ہے۔ یہ تاریخ بار بار دہرائی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فتنہ انکارِ زکوٰۃ اور جنگ آزما مدعیانِ نبوت کی شورش کا کامیاب سے استیصال فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اسلام کو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں۔ قیصرو کسریٰ کی فتح کے وہ نظارے جو آنحضرت ﷺ کو غزوۂ خندق کے دوران بے چارگی کے عالم میں دکھائے گئے تھے اس خلافت میں واقعہ بن گئے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بحری بیڑے کے ذریعہ مسلمانوں کی برتری خشکی سے نکل کر سمندر کی وسعتوں میں بھی قائم ہوگئی۔ اس دور میں خلیفہ کی عزل کا فتنہ بھی اٹھا اور ہمیشہ کی موت مرا۔

حضرت علیؓ کی خلافت میں باہم اختلافات نے سر اٹھایا جن سے آپ اللہ کی تائید سے کامیابی سے گزرے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے موجودہ دَور میں بھی ایک مسلسل عمل کے طور پر جماعت کا قدم ہر خلافت کے زمانے میں ہر آن پہلے سے آگے بڑھ رہا ہے۔ دنیا کے دو سو سے زائد ملکوں میں جماعتوں کا قیام ، چوبیس گھنٹہ دعوتِ حق کے لئے سرگرم MTA کے تین چینل ۔ واقفینِ نو کی مسلسل بڑھتی ہوئی تعداد۔ پاکستان سے باہر کئی جامعات کا قیام ۔ خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں کا کھلنا اور حضور کا وہاں پیغامِ حق دینا۔ اور ابھی کل اسلام آباد میں تمام سہولتوں کے ساتھ خلافت احمدیہ کے دفاتر کا قیام ۔ یہ سب تاریخ ساز حقیقتیں ہیں اور خلافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کی حیرت انگیز مثالیں۔

10۔ذاتی مشاہدہ:

تاریخ سے ان نو شہادتوں سے گزرنے کے بعد، دسویں شہادت ہم میں سے بیشتر کی ذاتی گواہی ہے۔ جنہوں نے چند سال قبل 19 سے 22 اپریل 2003ء کے درمیانی تاریخ ساز گھنٹوں میں روشن آنکھوں کے ساتھ، حاضر رہ کر یا MTA پر اس حقیقت کا خود مشاہدہ کیا ہے کہ کس طرح پیارے محبوب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات کے المیہ پر ہم ایک درد اور خوف کی حالت سے گزرے اور پھر ہم نے یکدم اس خوف کو اس اعلان کے ساتھ یکدم دُور ہوتا دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری سن لی اور ہم پر پھر سایہ کا سامان کر دیا۔ اس لمحہ کی سکون کی سانس، خوشی کے آنسو اور اللہ تعالیٰ کے حضور کلمۂ شکر گویا حاصلِ زندگی تھے۔

اس مشاہدے کے بعد کسی مزید دلیل کے بغیر ہم سب حق الیقین کے ساتھ یہ گواہی دے سکتے ہیں کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔

جاری انعام: اللہ تعالیٰ نے ہم پر خلافت کا یہ انعام کیا ہے اور یہ سلسلہ انشاء اللہ یونہی جاری رہے گا۔ ہماری نسلیں اور آگے ان کی نسلیں ہمیشہ اس انعام سے حصہ پائیں گی۔ کیونکہ یہ سلسلۂ خلافت دائمی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے آئندہ آنے والے ادوار کی پیشگوئی فرمائی تو آپ نے دَورِ ثانی کے خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کے بعد کسی اور دَور کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس پیشگوئی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان الفاظ میں دہرایا:

'دوسری قدرت ۔۔۔ کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا ۔۔۔ مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی'۔

(الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 305)

اس کی وضاحت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یوں کی ہے:

'جب تک خدا اس سلسلہ کو ساری دنیا میں پھیلا نہیں دیتا اس وقت تک قدرتِ ثانیہ کے بعد قدرتِ ثالثہ آئے گی اور قدرتِ ثالثہ کے بعد قدرتِ رابعہ آئے گی اور قدرتِ رابعہ کے بعد قدرتِ خامسہ آئے گی اور قدرتِ خامسہ کے بعد قدتِ سادسہ آئے گی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ لوگوں کو معجزہ دکھاتا چلا جائے گا'۔

(الفضل 22 ستمبر 1910ء)

اسی خبر کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے انتخابِ خلافت کے بعد اپنی پہلی تقریر میں یوں بیان فرمایا:

’مَیں آپ کو ایک خوش خبری دیتا ہوں کہ۔۔۔اب انشاء اللہ خلافتِ احمدیہ کو کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔۔۔اور خلافتِ احمدیہ انشاء اللہ اسی شان کے ساتھ نشوونما پاتی رہے گی جس شان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود ؑ سے وعدے فرمائے ہیں۔ کم ازکم ایک ہزار سال تک یہ جماعت زندہ رہے گی‘۔ (الفضل 28جون 6982ء)

انعام پر شکر کے تقاضے: اس جاری انعام پر پر شکر واجب ہے اور اس کے تقاضے ہیں کہ

اوّل ہم مسلسل خلافت کی اہمیت ،عظمت اور اس سے تعلق کا درس دہراتے رہیں تا یہ سبق ہر آنے والی نسل کے لئے ہمیشہ تازہ رہے۔

دوسرے ہم خلیفۂ وقت کی اطاعت اس طرح کریں جو اس کا حق ہے پہلے خلیفہ فی الارض کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسْجُدُوْا کا حکم دیا جو دراصل مکمل اطاعت ہی کا حکم تھا اور یہی حکم ہمیشہ رہے گا۔جس طرح کل خلیفۂ وقت کے ارشاد ’بیٹھ جائیں‘ پر بیت الفضل سے باہر سڑکوں پر موجود سینکڑوں افرادِ جماعت بھی زمین پر یوں بیٹھ گئے گویا وہ اس ارشاد کے منتظر کھڑے تھے۔اس طرح ہم سب آئندہ بھی آپ کے ہر ارشاد کو سنیں اور مانیں اور ہر حکم پر لبیک کہیں۔

تیسرے مامور خلفاء کے بارے میں قرآنِ کریم کے ارشاد لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ (بقرہ 286:2) کے تحت ہم غیر مامور خلفاء میں بھی کوئی تفریق نہ کریں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ وجود ہیں اور گلشن میں کھلے اُن گلہائے رنگا رنگ کی طرح ہیں جو جدا جدا رنگوں اور خوشبوؤں کے ہوتے ہیں لیکن سب پھول ہیں اور سب پیارے۔

چوتھے یہ کہ ہم خلیفۂ وقت سے خوب محبت کریں اسے وہ محبوب جانیں جس کی ہر بات اہم اور ضروری ہوتی ہے اور جس کی ذرا سی ناراضگی بھی بھاری اور ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔خود حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی یہی نصیحت فرمائی ہے کہ:

’اس قدرت کے ساتھ کامل اخلاص اور محبت اور وفا اور عقیدت کا تعلق رکھیں اور اسی کے ساتھ محبت کے جذبہ کو اس قدر بڑھائیں کہ اس محبت کے بالمقابل دوسرے تمام رشتے کمتر نظر آئیں‘۔ (الفضل 30 مئی 2003ء)

اللہ کرے کہ ہم ایسا ہی کریں اور اپنے عمل سے ہر دَم یہ ثابت کرنے والے ہوں کہ ہمارا پیارا امام خدا کا بنایا ہوا خلیفہ ہے۔



اطہر حفیظ فراز



جس گھڑی معبدوں کو سجا کے چلے،
کتنی شدت سے جھونکے ہوا کے چلے

کتنے معصوم خوں میں نہا کے چلے،
جب خدا کے گھروں میں دھماکے چلے

اس طرح قاتلوں نے تھے حملے کئے
جیسے طوفاں قیامت گرا کے چلے

پھر تو ''النور'' سے، پھر تو ''الذکر'' سے،
اپنے پیرو جواں کو اُٹھا کے چلے

اے شہیدوں کی روحو!! مبارک تمہیں،
تم ہو مولا کی جنت کما کے چلے

تم پہ رحمت خدا کی برستی رہے!!
تم حسینی شجاعت دکھا کے چلے

ہاں وہ زندہ دلان تب تھے لاہور کے،
جب وہ مقتل سے نعرے لگا کے چلے

دشمنو!! آ کے دیکھو!! تمہارے لئے،
ہم دعاؤں کے پتھر اُٹھا کے چلے

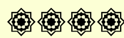
ان کی ڈھارس بندھائی تھی مسرورؔ نے،
جیسے رندوں کو ساقی پلا کے چلے

سب اسی کے تھے بخشے وہی لے گیا،
تذکرے پھر خدا کی رضا کے چلے

ان کے صبرو تحمل کا اعجاز ہے،
کہ عدو بھی سبھی ڈگمگا کے چلے

ان کی میت کو مٹی نے گوہر کیا،
تم نے سمجھا کہ اُنکو رُلا کے چلے

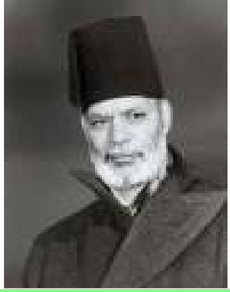
ہم جو آگے بڑھے ہیں تو پیچھے فراز!!
قافلے نور کے جگمگا کے چلے





قصہ نمازِ عصر کے ایک سجدے کا جس نے لیبیا کو تین ٹکڑے ہونے سے بچالیا

تحریر اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ





آج لیبیا کے تین ٹکڑے ہونے جا رہے تھے۔ ہر انسانی کوشش کرنے کے باوجود اس تقسیم کو روکنا ناممکن ہو گیا تھا۔ انہیں لمحوں میں عصر کی نماز کا وقت آن پہنچا اور پھر وہ مرد قلندر وضو کے پانی سے پلکیں بھگو کر اپنے مولا کے حضور سر بسجود ہو گیا۔

1949 میں اقوام متحدہ کا نیویارک میں اجلاس جاری تھا جس میں اطالوی نو آبادیات کا مسئلہ بھی شامل تھا۔ دول متعلقہ میں سے ایک طرف ریاستہائے متحدہ، برطانیہ اور فرانس اور دوسری طرف اٹلی کے درمیان یہ سمجھوتا طے پا چکا تھا کہ اطالوی نوابادیات میں سے لیبیا کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ شرقی حصے CYRENACIA پر برطانیہ کی نگرانی بطور امین TRUSTEE کے ہوگی۔ وسطی اور مرکزی حصے TRIPOLI کی ٹرسٹی شپ اٹلی کے سپرد ہوگی۔ اور مغربی حصے FEZZAN کی ٹرسٹی شپ فرانس کے سپرد۔ اور یہ تینوں طاقتیں دس سال کے عرصے میں ان علاقوں کو ایک متحد آزاد ملک کی حیثیت اختیار کرنے کے لئے تیار کریں گی۔ اس سمجھوتے کو برطانیہ کے وزیر خارجہ ارنسٹ بیون اور اٹلی کے وزیر خارجہ کونٹ سفورزا کے اسمائے گرامی کی نسبت سے بیون سفورزا پیکٹ کا نام دیا گیا تھا۔ جب یہ مسئلہ اسمبلی میں زیر بحث آیا تو اسی سمجھوتے کے مطابق قرارداد اسمبلی میں پیش کی گئی۔ اطالوی معاہدہ امن کی متعلقہ شق میں درج تھا کہ اس مسئلے کے جنرل اسمبلی میں زیر بحث آنے کی صورت میں اسمبلی نوابادیات کی رائے عامہ کو مناسب وزن دے گی۔ لیبیا کا ایک نمائندہ وفد بسر کردگی السید بشیر السوداوی دوران بحث نیو یارک میں موجود تھا۔ یہ وفد اراکین اسمبلی کو لیبیا کی رائے عامہ سے مطلع کرنے کی سرگرم کوشش میں مصروف تھا۔ وفد کا کہنا تھا کہ لیبیا کا ہر طبقہ مجوزہ قرارداد کا سخت مخالف ہے۔ انہیں لیبیا کے حصے بخرے کئے جانے منظور نہیں تھے۔ وہ جلد سے جلد اپنے وطن کی آزادی کے خواہش مند تھے اور کسی صورت اپنے وطن کے معاملات اور مستقبل میں اطالوی مداخلت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ مغربی طاقتیں اپنا اثر و رسوخ قرارداد کی تائید میں صرف کر رہی تھیں۔ لاطینی امریکہ اگرچہ حق خود اختیاری اور رائے عامہ کی تائید پر زور دیتی تھیں لیکن ان کا کہنا تھا کہ اٹلی ان کی تمدنی اور معاشرتی اقدار کا منبع ہے اس لئے ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کو سپرد کئے جانے کی تائید میں ضرور رائے دیں گے۔ اٹلی نے اپنے تیس سالہ اقتدار کے زمانے میں لیبیا کی عرب آبادی کے ساتھ نہائیت ظالمانہ سلوک روا رکھا تھا۔ 1912 کی جنگ میں اٹلی کے لئے ترک افواج کو لیبیا میں پسپا کر دینا تو کچھ دشوار ثابت نہ ہوا لیکن اس کے بعد عرب آبادی کو زیر اقتدار لانے میں اٹلی کو بہت مشکل کا سامنا ہوا۔ اٹلی کی طرف سے اس مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری مارشل بڈوگلیو پر ڈالی گئی جس نے وحشت اور بربریت کی مثالیں قائم کر دیں۔ مثلاً ایسے شیوخ یا قائدین جو کسی قیمت پر اطالوی اقتدار کے سامنے سر خم کرنے پر رضامند نہ ہوتے انہیں جبراً ہوائی جہاز میں کئی ہزار فٹ کی بلندی پر لے جا کر جہاز سے نیچے گرا دیا جاتا۔ یا جو ریگستانی آبادی اطالوی اقتدار کا جوا اپنی گردن پر اٹھانے سے انکار کر دیتی تو مارشل بڈوگلیو کا توپ خانہ آبادی کے گرد گھیرا ڈال دیتا اور آبادی کے پانی کے ذخیروں میں بھاری مقدار میں زہر ڈال دیا جاتا۔ محصور آبادی سے جو باہر نکلنے کی کوشش کرتا وہ اطالوی توپ یا بندوق کا نشانہ بنتے اور جو باہر نکلنے کی کوشش نہ کرتے وہ پیاس یا زہر آلود پانی پینے سے تڑپتے ہوئے جان دے دیتے۔ مارشل بڈوگلیو کے "قیام امن" کے منصوبے کی تفاصیل دوران بحث اسمبلی کے روبرو بیان کی گئیں۔ اٹلی کے حمائتیوں کی طرف سے اس کے جواب میں یہی کہا جاتا رہا کہ یہ سب مسولینی اور اس کے گروہ کی کرتوتیں تھیں۔ اب جبکہ خود اٹلی والوں نے مسولینی اس کی پارٹی اور اس کی پالیسی ختم کر کے ان جرائم سے بیزاری کا ثبوت مہیا کر دیا ہے تو اٹلی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ برطانیہ اور فرانس کے دوش بدوش لیبیا کو آزادی کے لئے تیار کرنے کی سرگرم کوشش کرے گا۔ لیکن ان کا یہ کہنا لیبیا کے وفد کو مطمئن نہ کر سکا۔

اب یہ بات اظہر من الشّمس تھی کہ اگر قرارداد کے مطابق لیبیا کو ایک دفعہ تقسیم کر دیا گیا تو یہ ٹکڑے پھر کبھی اکٹھے نہیں ہو سکیں گے۔ مشرقی حصے کی عملداری انگریزی ہو گی وسطی حصے کی اطالوی اور مغربی حصے کی فرانسیسی۔ یہ اختلاف خود اتحاد اور آزادی کے راستے میں روک اور بہانہ ہو جائے گا۔

دوسری بات جو بہت اہم تھی اگر ایک دفعہ یہ تجویز رد ہو جاتی تو لیبیا کے جلد آزاد ہونے کی صورت پیدا ممکن تھی اور اگر لیبیا آزاد ہو جاتا تو شمال مغربی افریقہ کے تینوں عرب ممالک یعنی تیونس، الجزائر اور مراکش کی آزادی کا رستہ بھی کھل سکتا تھا۔ اس لئے اس تجویز کا رد ہونا بہت ضروری تھا۔ جبکہ دوسری طرف مغربی طاقتوں نے

ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد کرنے کی تجویز سے لاطینی امریکی ریاستوں کی تائید حاصل کر لی تھی۔اس وقت اقوام متحدہ کی رکنیت 60 سے کم تھی۔اقوام متحدہ کے میثاق کی دفعہ 18 کی رو سے قرارداد کی منظوری کے لئے دو تہائی آراء درکار تھیں۔بحث کے دوران یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ 15 اراکین تو یقیناً قرارداد کے خلاف رائے دیں گے لیکن اگر دو چار اراکین رائے دینے سے اجتناب بھی کرتے اور آرا شماری میں 54 اراکین مخالف یا موافق رائے دیتے تو قرارداد کی منظوری کے لئے 36 آراء درکار ہوتیں۔اور نامنظوری کے لئے 19۔ پوری کوشش کے بعد بھی قرارداد کے خلاف صرف 15 آراء ملنے کا یقین تھا۔عرب ریاستیں تو قرارداد کے خلاف تھیں لیکن اس وقت صرف 6 عرب ریاستیں اقوام متحدہ کی رکن تھیں۔

پاکستانی وزیر خارجہ کے ساتھ ساتھ مصر کے وزیر خارجہ خشابا پاشا بھی پوری جدو جہد کر رہے تھے۔بحث کا آخری دن آ پہنچا تھا مگر قرارداد کے خلاف 15 آراء سے زیادہ کا امکان کسی صورت نظر نہیں آ رہا تھا۔قرارداد منظور ہو جانے کی صورت میں آج سے لیبیا کے تین ٹکڑے کر دیئے جانے تھے۔ہر انسانی کوشش کرنے کے باوجود اس تقسیم کو روکنا ناممکن ہو گیا تھا۔انہیں لمحوں میں عصر کی نماز کا وقت آن پہنچا اور پھر وہ امت مسلمہ کے دفاع کے لئے دل میں بے پناہ درد رکھنے والا مرد قلندر اور اسلام کا بطل جلیل حضرت امام مہدی علیہ السلام کا صحابی اور پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان وضو کے پانی سے پلکیں بھگو کر اپنے مولا کے حضور سر بسجود ہو گیا۔

لیبیا کو ٹکڑے ہونے بچانے کے لئے کی جانے والی ایک دردناک دعا

امت مسلمہ پر آئے ہوئے اس کڑے وقت کی کہانی بیان کرتے ہوئے آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ

"میری طبیعت میں سخت اضطراب تھا ایسی اضطراب کی حالت میں میں نے نماز میں نہائیت عجز وانکساری سے رب العالمین کی درگاہ میں زاری کی کہ الہ العالمین ہم گنہ گار،نافرمان پر تقصیر ہیں لیکن آخر تیرے بندے اور تیرے حبیب کے نام لیوا ہیں تو ہم پر رحم کی نظر فرما۔فلسطین کے معاملے میں ہمیں زک ہوئی۔اب لیبیا کا معاملہ فیصلے کو پہنچنے والا ہے۔اس علاقے میں تیرے بے کس بندے بڑے مظالم کا نشانہ بنے رہے ہیں تو اپنے فضل و رحم سے ہمیں وہ رستہ دکھا جس پر چل کر ہم تیرے مظلوم بندوں کی رہائی اور مخلصی کی تدبیر کر سکیں۔تیسری رکعت کے پہلے سجدے میں جاتے ہوئے دفعتہً اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل و رحم سے ایک ترکیب کی تفہیم فرما دی۔ فالحمدللہ علیٰ ذلک

جونہی میں نے نماز ختم کی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف اقوام متحدہ میں مصر کے مستقل نمائندے محمود فوزی صاحب موجود تھے آپ پوچھ رہے تھے کہ میرے



وزیر خارجہ صاحب دریافت کرتے ہیں کہ تم کب تک آنے آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ وہ چاہتے ہیں کہ جلد آ جاؤ تو سہ پہر کا اجلاس شروع ہونے سے پہلے کچھ مزید غور کر لیں۔میں وزیر خارجہ مصر کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔انہوں نے پوچھا کچھ مزید غور کیا ہے اور کوئی تجویز ذہن میں آئی ہے؟ میں نے کہا ہاں آئی ہے یا یوں کہئے ذہن میں ڈالی گئی ہے۔

لیبیا کی تقدیر بدلنے والی تدبیر

حضرت چوہدری صاحب نے مصر کے وزیر خارجہ کے سوال کے جواب میں وہ تجویز ان کے سامنے پیش کی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحب کی اللہ کے حضور گریہ زاری پر ان کے دل میں ڈالی تھی۔آپ اس الہامی تجویز کا مصر کے وزیر خارجہ خشابا پاشا سے ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"اب تک ہم اس کوشش میں رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے پوری قرارداد کے خلاف آراء حاصل کی جائیں۔اس کوشش کے نتیجے میں تو ہمیں صرف 15 مخالف آراء حاصل ہو سکیں جو قرارداد کے رد کرنے کے لئے کافی نہیں۔ہمیں کم سے کم تین چار اور مخالف آراء درکار ہیں اور ان کے حاصل ہونے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ جو ممالک برطانیہ یا فرانس کی خوشنودی کی خاطر برطانیہ کو cyrenaica اور فرانس کو فیضان کی نگرانی سپرد کرنے کے موئید ہیں ان میں سے تین چار کو اس بات پر آمادہ کر لیں کہ وہ اس قرارداد میں برطانوی اور فرانسیسی نگرانی والی شقوں کی تائید میں رائے دینے کے بعد تیسری شق جس میں ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد کرنے کی تجویز ہے کے مخالف رائے دیں۔

خشابا پاشا۔۔ اگر ایسا ہو بھی جائے تو کیا حاصل ہو گا؟

ظفر اللہ خان۔۔حاصل یہ ہو گا کہ تیسری شق قرارداد سے خارج ہو جائے گی۔

خشابا پاشا۔لیکن ملک تو پھر بھی تقسیم ہو جائے گا۔برطانیہ اور فرانس کو مجوزہ علاقوں کی نگرانی سپرد کر دی جائے گی۔تم اب تک مصر رہے ہو کہ لیبیا کی تقسیم نہیں ہونی چاہیئے اب تم نے یکا یک اپنی رائے کیوں بدل لی؟

ظفر اللہ خان۔۔میں نے رائے نہیں بدلی۔میں اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ لیبیا کی تقسیم ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔اگر میری بیان کردہ ترکیب سے تیسری شق قرارداد سے خارج ہو گئی تو کوئی تقسیم نہیں ہو گی۔

خشابا پاشا۔۔وہ کیسے؟

ظفر اللہ خان۔۔اگر ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد نہ ہوئی تو لاطینی امریکن ریاستیں بقیہ قرارداد کو قبول نہیں کریں گی۔اور تینوں شقوں پر رائے شماری کے بعد جب مجموعی طور پر ساری قرارداد پر رائے شماری ہو گی تو لاطینی امریکن ریاستیں اس

کے خلاف رائے دیں گی۔

خشابا پاشا۔۔(خوشی سے اچھل کر) خوب تجویز ہے۔میرے ذہن میں بالکل بھی نہیں آئی۔پھر اب کیسے کیا جائے؟وقت بہت تھوڑا ہے آج شام رائے شماری ہو جائے گی۔

ظفر اللہ خان۔۔لاطینی امریکن ممالک میں HAITI ایک ایسا ملک ہے جس کا اٹلی سے کوئی تعلق نہیں ایک تو ان کے ساتھ کوشش ہونی چاہئے۔ان کی زبان فرانسیسی ہے آپ کے وفد میں سے کوئی صاحب ان کے ساتھ بات چیت کریں۔

سر بی این راؤ ہندوستانی نمائندے کے ساتھ میں بات کرتا ہوں۔مزید غور کے نتیجے میں اگر کسی اور ریاست کے متعلق بھی ایسی توقع ہو سکے تو ان کے ساتھ بھی اس نہج پر بات کی جائے۔"

پاکستانی وزیر خارجہ اور ہندوستانی نمائندے کی گفتگو

حضرت چوہدری صاحب حسب وعدہ مصری وزیر خارجہ کے پاس سے فارغ ہو کر ہندوستانی نمائندے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔آپ تلاش کے بعد ان سے ہونے والی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"میں فوراً سر بی این راؤ کی تلاش میں گیا وہ جلد مل گئے میں نے دریافت کیا آپ کس طرف رائے دیں گے؟

سر بی این راؤ۔۔مجھے حکومت کی طرف سے ہدایت ہے کہ ہم ریزولیشن کی شقوں پر علیحدہ علیحدہ رائے شماری میں حصہ نہ لیں لیکن جب قرارداد پر مجموعی طور پر رائے شماری ہو تو قرارداد کے خلاف رائے دیں۔

ظفر اللہ خان۔آپ کو تو یہاں کی روایات کا خوب تجربہ ہے اگر ریزولیشن کی شقوں پر علیحدہ علیحدہ رائے شماری کے نتیجے میں سب شقیں منظور کر لی گئیں تو پوری قرارداد آسانی سے منظور ہو جائے گی۔اکثر ممالک رائے شماری میں حصہ نہیں لیتے۔لیکن وہ جب دیکھتے ہیں کہ قرارداد کو خاصی تائید حاصل ہے تو وہ مجموعی قرارداد پر رائے شماری میں تائیدی رائے دیتے ہیں۔یہاں بھی یہی صورت ہو گی اگر ساری شقیں منظور ہو گئیں تو پوری قرارداد ضرور منظور ہو جائے گی۔اس مرحلے پر مخالفت بے سود ہو گی۔

سر بی این راؤ۔۔تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟

ظفر اللہ خان۔۔حکومت ہند کے شقوں پر رائے شماری میں حصہ نہ لینے کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ برطانیہ اور فرانس کو ناراض نہیں کرنا چاہتا ورنہ جیسے آپ نے کہا ہے کہ قرارداد کے تو وہ مخالف ہیں۔آپ اگر چاہیں تو پہلی دو شقوں پر رائے شماری میں حصہ نہ لیں بلکہ اگر برطانیہ اور فرانس کی خوشنودی منظور ہو تو بے شک ان دو شقوں کی تائید میں رائے دیں لیکن تیسری شق کے خلاف رائے نہ دینا ظلم ہو گا۔اٹلی کی آپ کو کوئی خوشامد بھی نہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ اگر تیسری شق منظور ہو گئی تو ساری قرارداد منظور ہو جائے گی۔اور آپ کا مقصد فوت ہو جائے گا۔اس لئے میں تو یہ کہتا ہوں پہلی دو شقوں کے متعلق آپ جو چاہیں کریں لیکن تیسری شق کے خلاف ضرور رائے دیں۔

سر بی این راؤ۔۔(کچھ سوچنے کے بعد) اس طریق سے نتیجہ تو میری حکومت کے منشاء کے مطابق ہی ہو گا۔بہت اچھا ہم ایسا ہی کریں گے۔"

ادھر ہائیٹی کے نمائندے نے بھی تیسری شق کے خلاف رائے دینا منظور کر لیا۔اجلاس شروع ہو گیا۔ کوشش اجلاس کے دوران بھی جاری رہی لیکن مزید بار آور نہ ہوئی۔تقریروں کا لمبا سلسلہ چلتا رہا۔سہ پہر کا اجلاس ملتوی ہوا۔شام کے کھانے کے بعد پھر اجلاس شروع ہوا۔آخر گیارہ بجے شب رائے شماری کی نوبت آئی۔مغربی ریاستیں بہت مطمئن نظر آتی تھیں جس سے باسانی اندازہ لگا جاسکتا تھا کہ انہیں قرارداد کے منظور ہونے کا سو فیصد یقین ہے

لیبیا پر تاریخی رائے شماری کے لمحات

رات کے اس پہر جب مغربی طاقتیں لیبیا کے حصے بخرے کرنی والی قرارداد کے پاس ہونے پر بہت مطمئن تھے ۔کچھ دل دعاؤں میں مصروف اپنے مولا کے حضور نظریں گاڑھے ہوئے تھے۔حضرت چوہدری صاحب رات کے اس پہر کی داستان سناتے ہوئے فرماتے ہیں

" ہم جو قرارداد کے مخالف تھے خائف و پریشان تھے میری زیر لب دعائیں جاری تھیں کیونکہ طبیعت میں بہت اضطراب تھا۔رائے شماری شروع ہوئی۔پہلی شق منظور ہو گئی۔دوسری شق منظور ہو گئی۔تیسری شق پر ہم نے نام بنام رائے شماری کا مطالبہ کر دیا۔اب ہر ملک کا نام پکارا جاتا اور اس ملک کا نمائندہ ہاں یا ناں یا رائے زنی سے اجتناب کا اعلان کرتا۔ممالک کے نام پکارے جانے کے سوائے سناٹے کا عالم تھا۔کرنل عبدالرحیم خان جو ان دنوں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے تھے ایک کاغذ پر ہر جواب کو لکھتے جاتے رہے تھے۔جب سب اراکین ممالک کی طرف سے جواب مل چکے تو کرنل صاحب نے جلد جلد اپنے لکھے ہوئے جوابات کو شمار کیا اور میرے کان میں کہا تائیدی آراء 33 مخالف 17 رائے دینے سے اجتناب کرنے والے 8 پہلے تو میری طبیعت افسردہ ہوئی کہ یہ شق بھی منظور ہو گئی کیونکہ ہمارا اندازہ تھا کہ 17 مخالف آراء نامنظوری کے لئے کافی نہیں ہوں گی لیکن جب میں نے 33 اور 17 کا موازنہ کیا تو میری طبیعت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔اب ہم انتظار میں تھے کہ صاحب صدر کی زبانی نتیجے کا اعلان ہو۔آسٹریلیا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر ایوٹ صدر تھے۔اور مسٹر کورے لی سیکرٹری جنرل تھے۔امور متعلقہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل مسٹر اینڈریو کارڈیئر تھے۔مؤخر الذکر دونوں اصحاب صدر صاحب کے دائیں بائیں تشریف فرما تھے۔تینوں سر جوڑے رائے شماری کے پرچے کا غور سے

مطالعہ کر رہے تھے ۔ صاحب صدر خود قرار داد کے زبردست حامی تھے ۔ سیکرٹری جنرل ہمیشہ ہر معاملے میں مغربی ریاستوں کے مؤید ہوا کرتے تھے ۔ اسسٹنٹ سیکرٹری اگرچہ امریکن اور آزاد رائے رکھنے والے تھے لیکن طبعاً اپنے فرائض منصبی کے لحاظ سے صاحب صدر اور سیکرٹری جنرل کے معاون تھے اور رائے شماری کے لئے نام پکارنا اور جواب دہرانا انہی کا کام تھا۔ یہ تینوں اصحاب رائے شماری کے پرچے کا بار بار تجزیہ کر رہے تھے کہ شائد کسی طریق سے کہیں سے ایک تائیدی رائے اور مل جائے اور مشکل حل ہو جائے۔

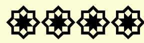
دعاؤں میں اُٹھنے والے ہاتھ جب خوشی سے ڈیسک پیٹنے لگے

اب ووٹنگ کے بعد کی صورحال یہ تھی کہ حاضر اراکین کی تعداد 58 تھی جس میں سے 8 نے رائے دینے سے اجتناب کیا تھا۔ باقی 50 اراکین نے رائے دی۔ جن میں سے 17 مخالف تھے منظوری کے لئے کم از کم 34 آراء کی ضرورت تھی جبکہ موافق صرف 33 تھیں۔ اس ھو کے سناٹے کا حال بتاتے ہوئے حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ

”ناچار صاحب صدر نے نہائیت افسردگی کے لہجے میں نتیجے کا اعلان کیا کہ شق نمبر 3 نامنظور ہوئی اس لئے قرارداد سے خارج کی گئی ہے۔ ہماری طرف سے خوشی کا اظہار تو لازم تھا ہی لیکن معلوم ہوتا ہے میرے اعصاب پر پہلے چند دنوں کی پریشانی اور اضطراب کا بوجھ تھا۔ میری طبیعت قابو میں نہ رہی اور میں جوش میں اپنے سامنے کے ڈیسک کو زور زور سے پیٹنے لگا ۔ کرنل عبد الرحیم نے آہستہ سے مجھے کہا چوہدری صاحب کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا مغربی طاقتوں کی چھاتی پیٹ رہا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے میری طبیعت قابو میں آ گئی اور میں اپنی اس جذباتی حرکت پر منفعل ہوا کیونکہ صاحب صدر میری طرف تیوری چڑھائے دیکھ رہے تھے۔ کئی دن تک میرے دونوں ہاتھ اس ڈیسک کوبی کی وجہ سے متورم رہے۔ قرارداد کی چوتھی شق یہ تھی کہ یہ تینوں ممالک دس سال کے عرصے میں لیبیا کے تقسیم شدہ علاقوں کو ایک آزاد متحد ملک بنانے کی کوشش کریں۔ جب صاحب صدر نے اس شق پر آراء طلبی کی تو میں نے وضاحت چاہی کہ تینوں ملکوں سے کونسے تین ملک مراد ہیں؟ چونکہ قرارداد کی صرف دو شقیں ہی منظور ہوئیں تھیں اور ان میں صرف دو ملک برطانیہ اور فرانس کا ذکر تھا صاحب صدر نے فرمایا کوئی رکن ابھی ترمیم پیش کر دے گا کہ تین کی جگہہ دو کا لفظ رکھ دیا جائے ۔ میں اس پر بھی کچھ بولنے کو تھا کہ ارجنٹائن کے نمائندے ڈاکٹر آرسی نے بولنے کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر کہا کہ قرارداد کی بقیہ شقوں پر رائے شماری کرانا غیر ضروری ہے کیونکہ جب تریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد نہیں کی جا رہی تو لاطینی امریکن ریاستیں باقی سب شقوں کے خلاف رائے دیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا قرارداد کی باقی سب شقیں بھی رد ہوئیں اور جب پہلی دو شقوں پر مجموعی طور پر رائے شماری ہوئی تو وہ بھی رد کر دی گئیں۔ اور اس طرح جہاں تک لیبیا کا تعلق تھا بیون سفورزا پیکٹ کا خاتمہ ہو گیا۔“

اجلاس ختم ہونے پر آپ کراچی تشریف لے آئے جہان چند دن بعد اطالوی سفیر اپنے وزیر خارجہ کا خصوصی پیغام لے کر حضرت چوہدری صاحب سے ملے۔ کونٹ سفورزا نے کہلا بھیجا تھا کہ ہمیں قرارداد کے رد ہونے پر کوئی رنج نہیں ہم عرب ممالک کی دوستی اور خوشنودی کے خواہاں ہیں۔ اور اسمبلی کے آنے والے سالانہ اجلاس میں لیبیا کی فوری آزادی کی تائید کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ 1949 کے سالانہ اجلاس اسمبلی میں یہ قرارداد منظور ہو گئی کہ یکم جنوری 1951 سے لیبیا آزاد ہوگا۔ اس قرارداد کے نفاذ کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے اراکین میں مصر اور پاکستان دونوں شامل تھے چنانچہ قرارداد کے مطابق یکم جنوری 1951 کو لیبیا کی آزاد حکومت قائم ہو گئی۔ فالحمدللہ

(ماخوذ از تحدیث نعمت خود نوشت سوانح عمری حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحب) ز



بچھائیں دل



عامر حسنی ملائیشیا

خلیفہ کی محبت میں بچھائیں دل
نظر ہو پیار کی تو چہرے جائیں کِھل
زباں سے بول دینا اب نہیں کافی
یہ خوبی ہے اگر وعدے نبھائیں دل
خلیفہ وقت غم میں گھلتے ہی جائیں
ہمارے زخم سب، جب تک نہ جائیں سِل
دعا، آہ و بکا میں تو انہیں پائے
ستوں سب عرش کے جب تک نہ جائیں ہِل
سدا ہونٹوں سے موتی جو بکھرتے ہیں
تو پھر مسکان پر کیونکر نہ آئیں دل
خلافت سے ہر اک خوشبو کا رشتہ ہے
اسی بادِ صبا سے پھول جائیں کِھل
خلافت کو عطا ہے جو کشش رب سے
کرے مجبور عامرؔ پھر نہ آئیں مِل؟



مغربی افریقہ کے افق پر دمکتا روشن ستارہ

مکرمہ بشریٰ طیبہ صاحبہ

مکرم شکیل احمد صدیقی صاحب: روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 6؍جولائی 2005ء میں مکرمہ بشریٰ طیبہ صاحبہ اہلیہ مکرم شکیل احمد صدیقی صاحب مرحوم مربی سلسلہ برکینا فاسو مغربی افریقہ کی اپنی شوہر کے متعلق یادوں پر مشتمل ایک انٹرویو شائع ہوا ہے جسے مکرمہ شازیہ انجم صاحبہ نے مرتّب کیا ہے۔

مکرمہ بشریٰ طیبہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ میں ایم اے عربی کے فائنل ایئر میں تھی جب میرا رشتہ طے پا گیا اور یکم نومبر 1998ء کو میں بیاہ کر لاہور چلی گئی۔ مکرم شکیل صاحب میری شادی سے پہلی بنائی ہوئی تصویر سے ہر لحاظ سے بہتر تھے۔ میں نے انہیں اپنی سوچوں سے بڑھ کر اچھا پایا۔ صرف پچیس دن بعد ہم دوالمیال چلے گئے جہاں اُن کی بطور مربی سلسلہ پہلی تقرری ہوئی تھی۔ یہاں ہم تقریباً ڈیڑھ سال رہے۔ اس دوران وہاں کی جماعت پر ایک مشکل وقت بھی آیا جب 4 جولائی 1997ء کو DSP نے احمدیوں کو مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ اس پر صدر جماعت نے فیصلہ کیا کہ نماز جمعہ گلی میں ہی ادا کی جائے گی۔ چنانچہ جولائی کے تپتے سورج کے نیچے مکرم شکیل صاحب نے خطبہ دیا۔

پھر شکیل صاحب فرنچ زبان سیکھنے کے لئے ربوہ آ گئے اور ہم سال بھر والدین کے گھر رہے۔ میری صرف ایک چھوٹی بہن ہے اور بھائی کوئی نہیں۔ شکیل صاحب نے میرے والدین کو بیٹے کا پیار دیا۔ کبھی کسی کا دل نہ دکھاتے تھے، سب کو خوش رکھتے تھے۔

2001ء میں شکیل صاحب افریقہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے جانے کے بعد تیسرے دن ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں بیٹی عطا فرمائی جو واقفہ نو ہے۔ 29 مارچ 2002ء کو میں بھی افریقہ چلی گئی۔ واگا ڈوگو میں دو تین دن گزار کر ہم درگو چلے گئے جہاں ان کی تقرری تھی۔ یہ بہت دشوار گزار راستہ تھا۔ پانچ چھ گھنٹے کا سفر تھا اور سارا راستہ کچا، وہاں سڑکیں نہ تھیں۔ اجنبی لوگ، اجنبی زبان، میں کچھ پریشان سی ہوگئی۔ لیکن شکیل صاحب نے جلد ہی میری پریشانی بھانپ لی اور بولے کہ دیکھو ابھی تو ہم میں ہمت ہے، ہم دین کی خدمت کر سکتے ہیں۔ یہاں رہ سکتے ہیں۔ 40,35 سال کی عمر کے بعد تو شائد ہم میں اتنی ہمت نہ ہو۔ 15 دن بعد ہی ان کی میٹنگ تھی۔ اور ایک ہفتہ بعد واپس آنا تھا۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔ مجھے بالکل اکیلے رہنے کی عادت نہ تھی اور پھر یہاں تو اور بھی مشکل تھا۔ لیکن شکیل صاحب نے کہا کہ میں نے تم کو ایسی عادت نہیں ڈالنی۔ اگر اب میں لے گیا تو تم ہر دفعہ ساتھ جانے کے لئے کہو گی اور یہ خوامخواہ جماعت پر بوجھ ہوگا۔ اس لئے تم ابھی سے اپنے دل کو مضبوط کرو۔ آپ گھر میں ایک افریقی لڑکی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ ہفتہ میں نے بڑی مشکل سے گزارا۔ نہ اس لڑکی کو میری بات کی سمجھ آتی نہ مجھے اس کی۔ پھر میں اکیلے رہنے کی عادی ہوتی چلی گئی۔ اکثر شکیل صاحب ہفتہ بھر کے لئے دورہ پر چلے جاتے اور زیادہ تر موٹر سائیکل پر جاتے کہ جماعت کا زیادہ خرچ نہ ہو۔ کچے راستوں کی وجہ سے جب واپس آتے تو دھول سے مکمل اٹے ہوتے۔ لیکن نہا دھو کر کچھ آرام کرنے کی بجائے فوراً مشن چلے جاتے کہ میں پہلے حساب دے آؤں۔ اگر گاڑی پر ہوتے اور میں احمدی ڈرائیور کو اپنی خوشی سے کچھ پیسے دیدیتی تو اصرار کر کے اسے چندہ دینے کی بھی ترغیب دیتے۔ ڈرائیور اور اپنے ساتھی مربیان کا بہت خیال رکھتے۔

تقریباً سوا دو سال پہلے ان کی ٹرانسفر بوبو جلاسو ہوگئی تھی۔ یہاں بھی ان کے اخلاص کا وہی حال تھا۔ ان کو دین کے مقابل پر دنیا سے کوئی محبت نہ تھی۔ میں حیران ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کیسے ان کے سارے دنیوی کام سنوارتا چلا جاتا تھا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دورہ بوبو جلاسو کی اطلاع ملی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ہر وقت خدمت کے لئے مستعد اور تیار رہتے اور بڑھ چڑھ کر ہر پروگرام میں حصہ لیتے۔ حضور کے دورہ کے دوران مَیں بیمار تھی اور پیدائش کے وقت ہمارا بیٹا فوت ہو گیا تھا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے الیس اللہ کی انگوٹھی اور پرفیوم کا تبرک بھجوایا اور شفایابی کے لئے دعا کی۔

افریقی لوگ بہت غریب تھے۔ ہمارے گھر میں لائٹ تھی۔ روزانہ رات کو مین گیٹ کی لائٹ کے نیچے افریقی غیر احمدی بچوں کو کرسیاں اور بنچ بچھا دیتے کہ یہاں سکول کا کام کر لو۔ خود بھی ساتھ بیٹھ جاتے اور مجھے آواز دیتے کہ فریج میں سے فلاں چیز لے آؤ۔ کبھی کہتے اتنی روٹیاں زائد پکا کر اور پلیٹ میں سالن ڈال کر لے آؤ۔ اور اکثر بیٹی کے ہاتھ سے ان بچوں کو چیز دلاتے کہ اسے بھی دینے کی عادت پڑے۔ ہمیشہ گھر میں کچھ ٹافیاں اور گفٹ وغیرہ رکھتے تھے۔ جو بھی افریقی ملنے آتا اسے ضرور تحفہ دیتے۔ ان کا ایمان تھا کہ تحفہ دینے سے محبت بڑھتی ہے۔ پھر ان کی ایک خاص بات تھی کہ دورہ پر جاتے تو مقامی لوگوں کے ساتھ ہی اُن کے کھانے میں شامل ہو جاتے۔ خواہ کوئی چیز ناپسند بھی ہوتی تو اظہار نہ کرتے بلکہ ان

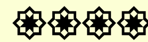
کا دل رکھنے کو رغبت سے کھا لیتے تھے۔ دوروں کے دوران اپنا ذاتی خرچ بھی کر لیتے تھے۔ آپ خوش مزاج اور خوش بیاں تھے۔ حسن بیاں ایسا کہ سننے والا گرویدہ ہو جاتا۔

گزشتہ عید الاضحیٰ کے چوتھے روز ظہر کی نماز پڑھا کر آئے تو تیز بخار ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے گھر آ کر کونین کی ڈرپ لگا دی۔ افریقہ میں چونکہ ملیریا بہت ہوتا ہے اس لئے وہاں کا علاج کونین سے ہی شروع ہوتا ہے۔ لیکن شکیل صاحب کو آرام نہ آیا۔ میں نے کہا کہ ہسپتال چلتے ہیں لیکن نہیں مانے۔ جب ڈاکٹر صاحب نے کچھ ٹیسٹ لئے تو یرقان کا علاج شروع ہوا لیکن کونین کی زیادتی نے اپنا منفی اثر دکھا دیا تھا۔ ایک ہفتہ میں ہی بہت نڈھال ہو گئے تھے۔ امیر صاحب کو فون کیا کہ گاڑی بھیج دیں۔ رات کہنے لگے کہ مجھے کالی گاڑی لینے آئے گی۔ میں نے کہا کہ مشن کی ایسی تو کوئی گاڑی نہیں ہے۔ دوبارہ کہا کہ دیکھنا مجھے کالی گاڑی لینے آئے گی۔ اگلے روز گاڑی آ گئی لیکن انہیں ایمبولینس میں ہسپتال بھیجا گیا۔ یہ پانچ گھنٹے کا سفر انہوں نے بڑی اذیت سے کاٹا۔ راستے میں ڈرپ لیک کر گئی پھر ڈرپ بند کر دی گئی۔ مغرب کے وقت ہم ہسپتال پہنچے۔ میں نے حال پوچھا تو کہا کہ میں ٹھیک ہوں بس مجھے نیند آ رہی ہے۔ پھر مَیں اور بچی مکرم امیر صاحب کے ہاں چلے گئے۔ اگلے دن صبح ساڑھے دس بجے ان کی وفات ہو گئی۔

میری ساس محترمہ فہمیدہ بشیر صاحبہ نے دو سال پہلے ایک خواب دیکھا جو مجھے سنایا تھا کہ تم افریقہ سے واپس آئی ہو، شکیل صاحب ساتھ نہیں، صرف ان کے کپڑے ہیں۔ میں بہت روتی ہوں اور ساتھ یہ شعر پڑھتی ہوں: پھول تم پر فرشتے نچھاور کریں

ہم نے مارچ میں پاکستان آنا تھا لیکن شکیل صاحب کی قسمت میں شہادت کا رتبہ لکھا تھا کہ آنے سے ایک ماہ پہلے ان کی وفات ہو گئی۔ میں نے واپسی کا سفر کیسے کیا یہ بیان کرنا مشکل ہے۔ بس پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ کی تسلی کے الفاظ کہ ’’صبر کرنا ہے‘‘ اور آپ کی دعائیں تھیں کہ میں نے اتنا لمبا سفر اپنے شوہر کی میت کے ساتھ کر لیا۔

جس گاڑی میں جنازہ غانا پہنچا اس کا رنگ سیاہ تھا۔ دس گھنٹے کا مسلسل سفر تھا۔ محترم امیر صاحب اور مربیان کرام بھی ساتھ تھے۔ رات غانا میں ٹھہرے۔ اگلے دن دوبئی کیلئے روانہ ہوئے۔ دوبئی میں بارہ گھنٹے انتظار گاہ میں گزارے۔ پھر دوبئی سے اسلام آباد رات تین بجے پہنچے۔ صبح آٹھ بجے لاہور کی فلائٹ تھی۔ لاہور سے سیدھے دارالضیافت پہنچے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے پیاروں کے قرب میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین





خون میں جو نہا کے آئے ہیں

(28 مئی 2010ء کے شہدائے لاہور کے نام)

(امۃ القدیر)

خون میں جو نہا کے آئے ہیں
کیسا در جہ کما کے آئے ہیں
اہل دنیا کو نور دینے کو
اپنی آنکھیں جلا کے آئے ہیں
جاں گنوا کر بھی کچھ ملال نہیں
فخر سے سر اُٹھا کے آئے ہیں
معتبر ہے ہر ایک زخم کہ یہ
راہِ مولیٰ میں کھا کے آئے ہیں
یہ پرندے خدا کی جنت میں
آشیانہ بنا کے آئے ہیں
خود ملائک ہی ان کی راہوں میں
اپنی پلکیں بچھا کے آئے ہیں
اے فلک دے کوئی بلند مقام
کچھ ستارے وفا کے آئے ہیں
ہم کو بھی دعوت عمل ہے وہ
اپنا وعدہ نبھا کے آئے ہیں
کون سا وصف ہے جو ان میں نہ تھا
ہر بدی کو مٹا کے آئے ہیں
جگمگانے لگے ہیں اَرض و سماء
دیپ ایسے جلا کے آئے ہیں
ہم نے آنکھیں سنبھال لیں لیکن
اشک دل پہ گرا کے آئے ہیں
کون سے ، اشکوں سے اور درودوں سے
ہم عبادت سجا کے آئے ہیں
اب تو مولیٰ کوئی کرو مرہم
درد حد سے بڑھا کے آئے ہیں
میرے جانباز باپ بھائی قدیرؔ
اک زمانہ ہلا کے آئے ہیں



رمضان میں ڈنڈے کی برکات اور مفتی منیب الرحمٰن صاحب سے ایک سوال



تحریر شاہین سانگلوی



خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ جو بات خواب میں دیکھی جائے تعبیر اس کی الٹ ہوتی ہے جیسے کسی کو مرا ہوا دیکھنا اس کی لمبی عمر کی تعبیر ہے۔ کسی کو ہنستے ہوئے یا خوش اور قہقہے لگاتے ہوئے دیکھیں تو تعبیر ہوتی ہے کہ وہ جلد کسی پریشانی سے دوچار ہونے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب ہمارا پیارا وطن بھی چونکہ ہمارے شاعر مشرق کا ایک خواب تھا اس لئے ہم اس کو بھی اسی فارمولے کے مطابق ہی چلا رہے ہیں۔ یعنی ہر کام الٹا کرتے ہیں تاکہ تعبیر سیدھی نکلے۔ دیکھ لیں جیسے کہا گیا صفائی نصف ایمان ہے ہم نے یہ نصف ایمان لینے کے لئے اپنے شہروں کو کچرا کنڈی بنا دیا ہے۔ جو دھوکہ دے گا ملاوٹ کرے گا خیانت کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ہم نے حج کے ویزے تک میں دھوکہ ڈال دیا ہے تاکہ ہم ہاں والی لسٹ میں شامل ہو جائیں۔ کہا گیا کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے لیکن ہم نے بٹن دبا کر جنت میں جانے کی مشینیں بنا کر وطن عزیز کی ہر وادی سوات میں لاشیں ٹانگنے والے چوک بنا دیئے۔ اور ہر وہ کام کیا جس سے اسلام اور انسان دونوں کو اذیت پہنچے۔ ہم نے ڈھول پیٹے کہ ختم نبوت ہو گئی ہے اب کوئی نبی نہیں آ سکتا ہے۔ ہمیں کسی کی ضرورت نہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ ہم نے ہر چوک چوراہے گلی محلے میں نبوت کے دعویدار بٹھا دیئے۔ ہم نے کفر اسلام کے پروانے تو یوں بانٹے ہیں جیسے جنرل ضیاء الحق کے دور میں زکوٰۃ فنڈ بانٹا جاتا تھا۔ اور جنت اور دوزخ کی ٹکٹیں تو اتنی ارزاں کر دی ہیں کہ آپ سینما کے ٹکٹ بیچنے والے سے بھی لے سکتے ہیں۔ بات نبوت تک ہی رہتی تو بھی کچھ تھا ہم تو خدائی کے دعویٰ دار ہیں یعنی حافظ قرآن تک کو گستاخ اسلام قرار دے کر موت کے فرشتے اس کے گھر بھیج دیتے ہیں۔ یہ باغ کیسے ہرا بھرا رہ سکتا ہے جسکی ہر جڑھ میں ہم نے میں کیڑے لگا دیئے ہیں۔ جس کی ہر نہر کا پانی زہریلا کر دیا ہے۔ جس میں طوطے ہے نہ بلبلیں۔ جہاں ہر طرف گدھ، کوے اور چیلیں منڈلا رہے ہیں۔ جس کے سبزے میں سانپ سرسرا رہے ہیں۔ جس کے درختوں پر لکڑہاروں کی یلغار ہے۔ جس کی چار دیواری جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی ہے اور ہر کوئی اندر آ کر چیرہ دستی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ہم جہاں بھی بیٹھے ہیں 'ہماری کارگزاری مجرمانہ ہے۔ غفلت کی دلدل میں ہم سب گلے گلے تک دھنسے ہوئے ہیں۔ ہم اپنے گریبان میں جھانکنے کے لئے تیار نہیں! ہم رات دن حکمرانوں کو کوستے ہیں' سیاست دانوں کی کردار کشی کرتے ہیں۔ بیورو کریسی پر چڑھائی کرتے ہیں۔ جرنیلوں کو الزام دیتے ہیں۔ مگر ہم خود۔ دکاندار ہیں یا استاد 'ٹرانسپورٹر ہیں یا دفتر کے افسر یا بابو' والدین ہیں یا اولاد' پڑوسی ہیں یا محلے دار' آجر ہیں یا مزدور' صنعت کار ہیں یا لیبر' زمیندار ہیں یا کسان' بینکر ہیں یا میونسپل کمیٹی کے عہدیدار' ہم کچھ بھی نہیں کر رہے اور جو کر رہے ہیں وہ الٹا کر رہے ہیں۔ ہم اپنا اپنا فرض نہیں ادا کر رہے! ہم تنخواہیں حرام کر رہے ہیں! ہم معاوضوں کا حق نہیں ادا کر رہے ہیں! ہم منافع کما رہے ہیں۔ مگر گاہک کو دھوکا دے کر! ہم انڈسٹری چلا رہے ہیں مگر معیار سے نیچے گر کر! ہم پڑھاتے ہیں مگر جذبے سے عاری ہو کر! ہم طالب علم ہیں مگر طلب دلوں میں علم کی نہیں' ہر اس شے کی ہے جس کا علم سے دور کا بھی تعلق نہیں! آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے جہاں ہاتھ ڈالیں گے وہیں بچھو کاٹے گا۔ قالین کو جس جگہ سے اٹھائیں گے' نیچے کوڑا کرکٹ ملے گا۔ غرض اس احمقانہ آس پر ہم نے دنیا جہان کا ہر وہ غلیظ کام کیا کہ جب صبح ہو گی اور تعبیر دیکھیں گے تو الٹا سیدھا اور سیدھا الٹا ہو جائے گا۔

رمضان گزرا اب تو عید بھی پڑھ لی مگر احترام رمضان اور ڈنڈے کے حوالے سے بھی ایک پھانس ہے جو چبھے چلی جاتی ہے۔ سڑکوں چوکوں چوراہوں اور موٹر وے تک پر اسلامی احکامات لٹکا دیئے گئے تھے کہ بس بھئی بس۔ صاحب ہم روزے سے ہیں۔ اگر اس دن کے بعد کوئی بھی اور کہیں بھی ہونٹ ہلاتا ہوا یا کچھ چباتا ہوا پایا گیا تو اس کا کفر ہو گا اور ہمارا ڈنڈا ہو گا۔ باقی پھر جو رام بھلی کرے۔

حیران ہوں کہ ہم کس رمضان کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اور یہ کونسے اسلام کا ڈھنکا ہم بجا رہے ہیں؟ کیا احترام رمضان کو بھی ہم نے باقی خوابوں کی طرح اُلٹی تعبیر کی مد میں ڈال کر لیلۃ القدر کو ڈھونڈنا شروع کر دیا ہے؟۔ میں جس ملک میں ہوں یعنی نائیجر۔ مغربی افریقہ کا ایک صحرائی ملک۔ غریب ملک۔ پاکستانی زبان

میں حبشیوں کا ملک۔اجڈوں کا ملک۔گرمی 45 ڈگری کے ارد گرد گھومتی ہے۔ 99 فیصد لوگ مسلمان ہیں۔اس تباہی کی گرمی میں رمضان آیا۔کوئی پولیس،کوئی ڈنڈا برادر،کسی جماعت اسلامی کے اہلکار، بازاروں میں گھومتے پھرتے نظر نہیں آئے۔نہ چاند کا جھگڑا ہوا، نہ احترام روزہ کے آرڈیننس آئے۔ہر شخص روزہ سے ہے۔جگہہ جگہہ نماز سنٹر بنے ہوئے ہیں۔ہر بندہ قریب ترین نماز کی جگہہ کی طرف لپک رہا ہے۔جب دوپہر کی حدت بے حال کر رہی ہے اس وقت تمام مساجد میں درس القرآن ہو رہا ہے۔حتیٰ کہ دوکاندار بھی کہیں نہ کہیں سائے میں اکھٹے ہو کر بیٹھے ہیں۔اگر کوئی درس دینے والا نہیں ہے تو کوئی ناظرہ قرآن ہی اونچی آواز میں پڑھنا شروع کر دیتا ہے اور باقی سارے سن رہے ہیں۔سکولوں میں کالجوں میں بچے بڑے شوق سے روزے رکھ کر پڑھنے آرہے ہیں۔ظہر کا وقت ہوتا ہے سارے بچے اور استاد اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔سوچنے والا منظر ہے۔مسجد کی چھت نہیں ہے نیچے نماز کا نٹ نہیں۔کھلی دھوپ میں گرم ریت پر سجدہ ہو رہا ہے۔رمضان اور رمضان والے کی محبت ریت کی حدت کو سینچ رہی ہے اور محبتوں کا سفر جاری ہے۔اور رمضان ہی نہیں ہر سوموار اور جمعرات کا روزہ بھی بڑے شوق سے رکھا جاتا ہے۔میں نے دفاتر کے مددگار کارکنان سے لے کر وزیروں،مشیروں اور صدر ملک تک کو اپنی محفلوں میں دیکھا ہے۔کچھ کھانا شروع ہو گئے اور کچھ کے ہاتھ رکے ہوئے ہیں کیونکہ ہم روزے سے ہیں لیکن نہ روزہ رکھنے والا رعونت سے نعرے مار رہا ہے اور نہ چھوڑنے والا شرمندگی سے جھوٹی وضاحتیں بیان کر رہا ہے۔

جناب مفتی منیب الرحمٰن صاحب،آپ ہمیں یہ تو بتا رہے ہیں کہ چاند کو دیکھنا،اس کے لئے شرعی شہادتیں اکھٹی کرنا اور نئے اسلامی مہینے کا اعلان کرنا کسی داڑھی منڈے منسٹر اور کمپیوٹرائز کلینڈر کا کام نہیں بلکہ علمائے کرام اور شیخ العظام کا ہے۔لیکن آپ ہمیں یہ بھی بتایئے کہ علمائے کرام کے اس کے علاوہ کیا کیا فرائض ہیں؟جب مسجد و منبر سے لے کر شادی نماز جنازہ عقیقہ تک اور چاند دیکھنے سے لے کر اسلامی نظریاتی کونسل اور مذہبی امور کی منسٹریاں تک آپ کو دے دی گئی ہیں تو پھر اس ملک کو رمضان کے احترام کے لئے ڈنڈے کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ کیوں نائیجر کی طرح 45 ڈگری سے جلی ہوئی ریت پر بھی ظہر کی نماز کے لئے ماتھے شوق سے سربسجود نہیں ہوتے؟جب مولوی حضرات ہر حکومتی ٹیم کا واضح حصہ ہوتے ہیں تو پھر کیوں اخلاقی گراوٹ ہے کہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔بقول اظہار الحق صاحب ہم سے ایئر لائن نہیں چل رہی!ہم سے سٹیل مل نہیں چل رہی!ہم سے تھانے اور کچہریاں نہیں چلتیں!ایف آئی آر بغیر سفارش کے اور انتقال زمین بغیر رشوت کے ناممکن ہے!ہم سے جیل نہیں سنبھالے جاتے۔سابق وزیر اعظم جیل جا کر شکایت کرتا ہے کہ یہ تو انسانوں کے رہنے کے قابل ہی نہیں!ہم سے سرکاری ٹیلی ویژن نہیں چلتا۔اس کا سربراہ اپنے باس،وزیر اطلاعات سے،ایک پیج پر نہیں رہتا۔ہم سے بارڈر نہیں سنبھالا جاتا۔درانداز گھسے چلے آتے ہیں۔ہم سے شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے ادارے نہیں چلتے۔غیر ملکیوں میں یہ دستاویزات ریوڑیوں کی طرح بانٹی جاتی ہیں۔!ہم سے نام نہاد منرل واٹر کی فیکٹریاں نہیں چلتیں۔آئے دن معلوم ہوتا ہے کہ جعلی پانی بوتلوں میں بند کر کے فروخت کیا جاتا ہے۔ہماری حکومتوں کے کنٹرول میں تاجر نہیں آتے۔ٹیکس دیتے ہیں نہ وقت پر کاروبار شروع کرتے ہیں۔ہم دواؤں کی قیمتیں نہیں کنٹرول کر سکتے۔ہم سے عدالتیں نہیں سنبھلتیں۔وکیل ججوں کو تھپڑ مارتے ہیں اور جج بھاگ جاتے ہیں۔مگر بازی بازی باریش بابا ہم بازی!!اب معاملہ تعلیم تک آپہنچا ہے کہ ایبٹ آباد سے لے کر حیدر آباد تک،کوہاٹ سے لے کر میرپور خاص تک اور میڈیکل کے انٹری ٹیسٹ سے لے کر میڈیکل کے اعلیٰ ترین امتحان ایف سی پی ایس تک پرچے آؤٹ ہو رہے ہیں!

تف ہے ہم پر،ہمارے نظامِ تعلیم پر اور ہمارے اداروں کے حسن انتظام پر!جو قوم میٹرک کا امتحان تک نہ لے سکے جہاں پرچے بازار میں امتحان سے پہلے بک رہے ہوں اور وٹس ایپ پر اور موبائل فونوں پر گردش کر رہے ہوں اس ملک کی اقوام عالم میں کیا پوزیشن ہو گی!وہاں تعلیم کا کیا معیار ہو گا؟وہاں مریضوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہو رہا ہو گا؟

مفتی منیب الرحمٰن صاحب آپ نے سائنس کے منسٹر کے خلاف جنگ لڑی اور واضح مارجن سے جیت لی بلکہ اس کی تو بولتی بند کروادی۔حبذا ماشاءاللہ بلے بلے زندہ باد لیکن اب، ہم جاہلوں کو یہ بھی سمجھایئے کہ جتنی حرارت اور جذبے سے اپ نے اپنی کرسی کی جنگ لڑی ہے اور جتنی بے قراری سے آپ چاند دیکھنے اور صرف 40 لاکھ کے ٹی اے ڈے کے پیچھے غصہ میں اور اضطرابی کیفیت میں نظر آئے کیا آپ اتنے ہی دکھ سے اس اجڑتے ہوئے قومی باغ کے بارے میں بھی سوچتے ہیں جو ہر لحہ ببھول کا جنگل بن رہا ہے؟ وہ پاکستان جس میں اپ جیسے ہزاروں مدرسے اور لاکھوں مفتیان کرام اپنی اپنی چیئر مینی بلکہ ملکیت کے دعوے داری کے پھریرے لہراتے پھر رہے ہیں اس بدنصیب وطن کا بدن بھی آپ نے کبھی دیکھا ہے؟اس کی بیماری اور اکھڑتی ہوئی سانسوں کو بھی کبھی سنا ہے؟اور اس دھرتی کے بنجر پن کا بھی ملاحظہ کیا ہے جس میں سے بقول ایک دانا عارف"بنفشہ اور گلاب کے پودے جڑوں سے اکھاڑ دیے گئے ہیں اور دھتورے کے بوٹے لہلہا رہے ہیں۔گلاب اور خوشبو تو عنقا ہو گئے ہیں جبکہ حنظل،نیم اور اندرائن کے پیڑ پردھان قرار پا گئے ہیں۔سوچیئے ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستان کیا ہو گا؟صرف کرسی بچانے کے لئے سائنس کو جوتے کی نوک پر نہ رکھئے بلکہ ایمان بچانے کے لئے شیطان کو بھی جوتے کی نوک پر رکھیئے



جب دین مکمل ہو چکا ہے تو پھر کسی اور نبی کی کیا ضرورت ہے؟؟؟



تحریر۔عبدالخالق مُحسِن فارُوقی صاحب

آپ سبھی نے مُخالفینِ احمدیّت کیطرف سے ایک یہ بات بھی بہت مرتبہ سُنی ہو گی کہ جب دین مکمل ہو چُکا ہے اسکے بعد کسی اور نبی کی ضرورت کیوں ہو؟ یہ سوال اکثر احمدی دوست بھی مجھ سے انباکس میں پوچھتے ہیں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔

سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ اس بات کو سمجھا جائے کہ انبیاء کیوں آتے ہیں؟اگر ضرورتِ انبیاء سمجھ آ جائے گی تو باقی باتیں سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔

انبیاء کیوں آتے ہیں؟

جب بھی زمین پر فسق و فجور بڑھنے لگتا ہے اور لوگوں کی بھاری اکثریت ہر طرح کی معاشرتی بُرائیوں میں ملوث ہو جاتی ہے اور شرک عام ہو جاتا ہے تب خدا تعالیٰ اپنے پیغامبر بھیجتا ہے تا کہ لوگوں کو اُنکی بداعمالیوں سے آگاہ کرے اور اُنہیں ڈرائے اور خدا تعالیٰ کی توحید کو قائم کرے۔جیسے ایک بادشاہ اپنے وزیر کو اُن علاقوں میں بھیجتا ہے جہاں اُسے بغاوت کی بُو آ رہی ہوتا کہ وہاں کے لوگوں کو متنبہ کرے کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔جو باز آ جاتے ہیں اُنہیں امن نصیب ہو جاتا ہے اور جو نہیں آتے اُنہیں سزائیں ملتی ہیں۔یہی حال انبیاء کا ہوتا ہے وہ زمین پر خدا کے وزیر ہوتے ہیں،اُسکے پیامبر ہوتے ہیں وہ لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں کہ تم اپنی ان بداعمالیوں سے باز آ جاؤ۔جو باز آ جاتے ہیں اور اپنی اصلاح کرتے ہیں اُنہیں خدا کے انبیاء بشارتیں دیتے ہیں اور جو باز نہیں آتے بلکہ اُس کے درپئے ہو جاتے ہیں خدا پھر اُنہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ

اللہ ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ خبیث کو طیّب سے نتھار کر الگ کر دے۔اور اللہ کی یہ سنّت نہیں کہ تم (سب) کو غیب پر مطلع کرے۔بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے(آلِ عمران آیت 180)

اس آیت کریمہ میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ!

1)اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو بے سروسامانی کی حالت میں کبھی نہیں چھوڑا کرتا۔

2)وہ اُنہیں میں سے پاک اور پلید کو نتھار کر الگ کر دیتا ہے کس کے ذریعے؟ اپنے پیغمبروں کے ذریعے۔یعنی جو اسکے پیغمبروں پر ایمان لے آتے ہیں وہ پاکوں کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں اور جو انکار کر دیتے ہیں وہ پلیدوں کے گروہ میں جا ملتے ہیں۔

کیا خالی کتاب بنی نوع کو ظلمات سے نُور کی طرف لا سکتی ہے؟

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد کہ خدا تعالیٰ اپنے انبیاء کیوں بھجتا ہے،پھر اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا کتاب نازل فرما دیتا ہے تو بس ایک لائحہ عمل ہمارے پاس آ گیا اسی پر عمل کرتے جاؤ پھر ہمیں کسی اور نبی کی کیا ضرورت ہے؟ سوال معقول ہے اس لئے جواب ضروری ہے۔بات دراصل یہ ہے کہ صرف کتاب کسی کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کیطرف نہیں لا سکتی جب تک اس کتاب کا مُعلّم نہ ہو جسے خدا مُعلم بنا کر بھیجے۔ہمارے سامنے دو بڑے انبیاء کے سلسلے ہیں ایک بنی اسحاق جسے بنی اسرائیل کہتے ہیں جسکے صاحب شریعت نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے دوسرا بنی اسماعیل جس کے صاحبِ شریعت نبی ہمارے آقا و پیشوا حضرت اقدس محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں پے در پے نبی اور رسول بھیجے چنانچہ فرمایا" وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ یعنی اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد بھی مسلسل رسول بھیجتے رہے(البقرۃ آیت 88)۔

اب سوال یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس تورات بطور نُور اور ہدایت کے موجود تھی پھر بھی خدا تعالیٰ نے اُن میں یکے بعد دیگرے رسول بھیجے کیوں؟اسکا جواب یہ ہے کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ شریعت کو ترک کرنا شروع کر دیتے ہیں۔خدا تعالیٰ اپنے انبیاء اس لئے بھجتا ہے تا کہ وہ اسکے اذن سے اس تعلیم کو از سرِ نو زندہ کریں اور اسے نافذ کریں۔ورنہ اگر لوگ خالی کتاب سے راہِ راست پر آنے کی صلاحیت رکھ سکتے ہوتے تو خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں پے در پے رسول نہ بھیجتا۔لہذا خالی کتاب لوگوں کو

اندھیروں سے نکال کر نور کیطرف نہیں کھینچ سکتی جب تک آسمانی مُعلّم یعنی خدا کا رسول خدا کے اِذن سے اس کتاب کی تعلیم نہ دے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے!

" الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِۙ

اَنَا اللّٰہُ اَرٰی: میں اللہ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے تا کہ تُو لوگوں کو ان کے ربّ کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتے ہوئے اس راستہ پر ڈال دے جو کامل غلبہ والے (اور) صاحبِ حمد کا راستہ ہے (سورۃ ابراہیم آیت 2)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ایک کتاب تیری طرف اتاری ہے تا کہ تُو لوگوں کو اُنکے رب کے حکم سے اندھیروں سے نور کیطرف نکالے۔۔۔ یہاں بات واضح ہوگئی کہ صرف اکیلی کتاب لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کیطرف نہیں لاسکتی جب تک خدا کا رسول اس کتاب کی اسی کے اِذن سے تعلیم نہ دے۔۔۔ پھر فرماتا ہے!

" رَّسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ یعنی ایک رسول کے طور پر جو تم پر اللہ کی روشن کر دینے والی آیات تلاوت کرتا ہے تا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے (الطلاق آیت 12)۔۔۔ پھر فرماتا ہے

هُوَ الَّذِىۡ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبۡدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ

وہی ہے جو اپنے بندے پر روشن آیات اُتارتا ہے تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکال لے جائے اور یقیناً اللہ تم پر بہت مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے (الحدید آیت 10)

مندرجہ بالا تینوں آیاتِ کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صرف کتاب بنی نوع کو اندھیروں سے نور کیطرف نہیں نکال سکتی جب تک وہ اپنا ایک آسمانی مُعلّم یعنی رسول نہ بھیجے جو اسکے اِذن سے اس کتاب کی تعلیم کے ذریعے بنی نوع کو ظلمات سے نور کیطرف لائے۔

اس زمانے میں کسی نبی اور رسول کی ضرورت ہے؟

جیسا کہ خاکسار نے ابتداء میں ضرورتِ انبیاء پر مختصراً روشنی ڈالی ہے اگر وہ حالات اس زمانے میں پائے جاتے ہیں تو نبی کی ضرورت ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم ہمیں اسلام کی تنزلی کے بارے میں کچھ بتاتا ہے اگر بتاتا ہے تو پھر نبی کی ضرورت ہے اگر سب اچھا ہے تو پھر ضرورت نہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

" ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ

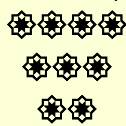
لوگوں نے جو اپنے ہاتھوں بدیاں کمائیں ان کے نتیجہ میں فساد خشکی پر بھی غالب آ گیا اور تری پر بھی تا کہ وہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزا چکھائے تا کہ شاید وہ رجوع کریں (الروم آیت 42)

اس آیت میں خشکی اور تری میں فساد سے مراد یہ ہے کہ عام لوگ بھی بگڑ گئے اور علماء بھی بگڑ گئے۔اور آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت آج کل کے حالات پر سو فیصد فِٹ بیٹھتی ہے۔

پھر قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ " وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ۔۔۔یعنی اور رسول کہے گا اے میرے ربّ! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے (الفرقان آیت 31)۔۔۔اس آیتِ کریمہ نے تو سارا مسئلہ ہی حل کر دیا۔اب وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ جب ہمارے پاس قرآن موجود ہے پھر کسی اور نبی کی کیا ضرورت ہے؟ وہ یہ بتائیں کہ کیا اس دور میں کیا عام لوگ اور کیا علماء دونوں نے قرآن متروک نہیں کر دیا؟ قرآن ترک کرنے کے نتیجے ہی کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں جو حالات ہیں وہ کسی اہلِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔اب بتائیں چودہ سو سال سے آپکے پاس قرآن چلا آرہا ہے اگر آپ میں اتنی صلاحیت ہوتی کہ خود قرآن کے ذریعے اندھیروں سے نور کیطرف نکلتے تو آج مسلمان ساری دنیا پر غالب آچکے ہوتے مگر حال یہ ہے کہ دن بدن تنزلی کیطرف بڑھتے جارہے ہیں۔

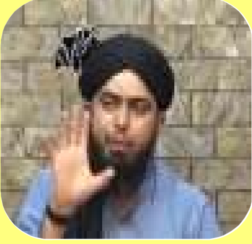
پس زمانے کی ضرورت چیخ چیخ کر پکار رہی ہے کہ ہمیں ایک آسمانی معلم چاہیئے۔ جو ہم پر تلاوتِ آیات کرکے اور اسکی تعلیم اور اسکی حکمت سے ہمیں آگاہ کرے ورنہ ہم تو کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اور یہ گمراہی سے صرف نبی ہی نکالا کرتے ہیں۔ احادیثِ صحیحہ بھی اسلام اور مسلمانوں کی تنزلی کے بارے میں اس تواتر سے پائی جاتی ہیں کہ ان سے مفر ممکن نہیں۔

خدا نے تو اپنی سُنت جو آلِ عمران آیت 180 میں بیان فرمائی اسکے مطابق سیّدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت ﷺ کی کامل غلامی میں اپنا پیغامبر بنا کر بھیج دیا ہے اور آج اُنکے پانچویں جانشین سیّدنا حضرت اقدس مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ساری دُنیا کو اندھیروں سے نور کیطرف بُلا رہے ہیں۔اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ روشنی کیطرف آنا چاہتے ہیں یا اندھیروں میں رہنا چاہتے ہیں !!!



مخالفین احمدیت کے "علمی بیانات"

تحریر۔علی مانسہروی



"علموں بس کریں او یار" حضرت سلطان باہو کے مشہور قول کو میں نے کئی دفعہ پڑھا اور سمجھنے کی کوشش کی مگر میری ناقص عقل میں کوئی تطبیق ممکن نظر نہ آئی۔اتنے بڑے عالم دین خود علم ہی کے خلاف کیسے ارشاد فرما سکتے ہیں؟ دین اسلام میں تو علم کو آخری سانس تک حاصل کرنے کی نصیحت ہے مگر حضرت والا نے یہ کیا ارشاد فرما دیا؟ اسی فکر میں مفتی محمد رفیع عثمانی اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے در دولت پر حاضر ہوا اور آپ کی زیر نگرانی اور ادارت میں شائع ہونے والے جامعہ دارالعلوم کراچی کے ترجمان "البلاغ اپریل 2019 "ص 31 کا مطالعہ کیا مگر مفتی صاحب کے فرمان نے تو میری الجھن کو کم کرنے کی بجائے یہ کہہ کر مزید دو چند کر دیا کہ "علم داخل ہو گیا ہے ابو جہل کے دور میں" یعنی علم اب ابو جاہلوں کے پاس چلا گیا ہے

یہ کیسا علم ہے جو جاہلوں کے پاس ہے اور وہ کیسا علم جس سے حضرت سلطان باہو منع فرما رہے ہیں یہ عقدہ آج حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ جمعہ سے حل ہوا جس میں آپ نے ایک پاکستانی مخالف احمدیت کے علمی بیان کا ذکر فرمایا ۔اسی وجہ میں چند مزید علماء کا تتبع کیا تو میری زبان پر بھی یکا یک جناب مفتی تقی عثمانی صاحب کا ارشاد جاری ہو گیا کہ "علم داخل ہو گیا ہے ابو جہل کے دور میں " آیئے چند ایک سے ملاقات کرتے ہیں

اسلام آباد ٹلفورڈ اور اسلام آباد پاکستان میں آ کر فرق ہی کتنا؟

جعلی میٹرک ڈگری سے شہرت پانے والے پاکستانی سیاستدان جناب جمشید دستی صاحب اپنے ٹوئٹر اکاونٹ پر ارشاد فرما رہے تھے" قادیانیوں سے خفیہ معاہدے کے تحت الیکشن کے دوران طے ہوا تھا کہ تحریک انصاف کی حکومت آنے پر اسلام اباد میں قادیانیوں کا مرکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ وزیر اعظم عمران خان نے قادیانیوں کا مرکز اسلام آباد میں کھلوا دیا ہے جس سے قادیانی خوش دکھائی دیتے ہیں"

اب بات تو سچ ہے کہ آج کل میں مرکز بھی کھلا ہے اور اسلام اباد میں کھلا ہے اور احمدی خوش بھی ہیں لیکن اگر ٹلفورڈ اسلام آباد اور پاکستان اسلام اباد میں چند کلومیٹر کا کچھ فرق ہے تو اتنا بڑا تو علمی بیان دینے والے کو کچھ تو مارجن ملنا چاہئے۔

نبیوں نے آ کر آخر کرنا ہی کیا ہے الٹا تفرقہ ہی ڈلوائیں گے

اب جمشید دستی صاحب کو کون سمجھائے کہ علم پاکستانی سیاستدانوں کی میراث نہیں بلکہ مولوی صاحبان کی میراث ہے اور اپنی میراث کو کون چھوڑ سکتا ہے۔

اب دیکھیں ہمارے مودودی صاحب کو علمی بیانات میں کیا کمال حاصل تھا ۔ایک دن ختم نبوت پر سوچنے بیٹھے تو ارشاد فرمایا دیا کہ ٹھیک ہے، اگر اللہ نے اب کی بار نبی بھیج بھی دیا تو اب ہم تیار نہیں اور نہ ہمیں یہ منظور ہو گا اس لئے ہم اس کا انکار کر دیں گے

"اگر بفرض محال نبوت کا دروزہ واقعی کھلا بھی ہو اور کوئی نبی آ بھی جائے تو بھی ہم بے خوف و خطر اس کا انکار کر دیں گے"۔(ختم نبوت،صفحہ 40 مطبع ڈے ٹائم پرنٹر لاہور ناشر ادارہ ترجمان القرآن غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور) چنانچہ مزید سوچ بچار کے بعد آپ نے ایک مزید علمی بیان دے دیا اور فرمایا کیونکہ کہ "نبوت اب امت کے لیے رحمت نہیں بلکہ لعنت ہے"۔(ختم نبوت،صفحہ 43 طبع ڈے ٹائم پرنٹر لاہور ناشر ادارہ ترجمان القرآن غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور) اور پھر مزید علمی سمندر میں غوطے لگا کر مزید گہرائیاں ماپنے کے بعد ایک اور علمی بیان ہم کم علم لوگوں کو عطا کیا کہ آپ لوگ خود سوچیں نبی نے آ کر اب کرنا کیا ہے ؟ تفرقہ ہی ڈلوائے گا اور کیا کرے گا ؟ چنانچہ آپ کا علمی بیان یوں ہے "یہ وحدت امت کو کبھی نصیب نہ ہو سکتی تھی اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو جاتا کیونکہ ہر نبی کے آنے پر یہ پارہ پارہ ہوتی رہتی"۔(صفحہ 44) پھر مزید علمی بیان دیتے ہوئے فرمایا" آدمی سوچے تو اس کی عقل خود یہ کہہ دے گی نبوت کا دروازہ بند ہو جانا چاہیے تا کہ اس آخری نبی کی پیروی پر جمع ہو کر تمام دنیا میں ہمیشہ کے لیے (تمام فرقوں کے ناقل) اہل ایمان کی ایک ہی امت بن سکے۔اور بلا ضرورت نئے نئے نبیوں کی آمد سے اس امت (بریلوی ،دیوبندی ،اہل حدیث،اہل قرآن،اہل تشیع وغیرہ) میں بار بار تفرقہ برپا نہ ہوتا رہے"۔(ختم نبوت،صفحہ 45 مطبع ڈے ٹائم پرنٹر لاہور ناشر ادارہ ترجمان القرآن غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور) نبوت رحمت نہیں بلکہ لعنت ۔نبی اللہ نے بھیج بھی دیا تو انکار کر دوں گا۔ نبی کے آنے پر امت پارہ پارہ ہو جائے گی۔الحمدللہ اب ہم سب فرقے ایک اچھی بھلی امت بن گئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔اب یہ اتنا بڑا علمی بیان ہے ایک عالم دین جو ابوالاعلیٰ بھی کہلواتا ہو اس کو نبوت کو لعنت کہنے کا اتنا مارجن تو ملنا چاہئے۔

1910 جماعت احمدیہ کی تعریف مگر 1935 میں دعویٰ نبوت پر تکفیر

ضیاءالحق صاحب مردمومن مردحق کے پاکستان میں ڈاکٹر علامہ اقبال کے بارے میں یہ سوچنا یا لکھنا کہ وہ کبھی کبھار حقہ بھی نوش فرماتے تھے۔ یا انگریز کی کوئی تعریف یا خوشامد بھی کر جاتے تھے یا انہوں نے خود کبھی احمدیت قبول کی یا ان کے ماں باپ نے قبول کی یا ان کا بھتیجا احمدی ہوا یا انہوں نے اپنے بیٹے کو قادیان کے سکول میں داخل کروایا۔ یا دوسرے خلیفہ قادیان کے ماتحت کشمیر کمیٹی میں کام کیا۔ یا پہلے خلیفہ حضرت نورالدین سے اپنی بیگم کے لئے فقہی مسئلے پوچھتے رہے وغیرہ وغیرہ کیونکہ ہم تو پاکستان میں ایسے علامہ اقبال کو جانتے ہیں جو مفسر قرآن تھے۔ انگریز کے جانی دشمن، جہاد پر ہمہ وقت کمربستہ، احمدیت کے دشمن تھے وغیرہ وغیرہ۔ اب یہ مسئلہ یہ پیش آیا کہ علامہ اقبال نے جماعت احمدیہ سے وابستگی کے دنوں میں 1910ء میں خطبہ علی گڑھ (اسٹریچی ہال) میں ایک لیکچر میں جماعت احمدیہ کو اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ قرار دیا تھا جو اسی زمانے میں شائع ہو کر شہرت پا گیا تھا اب ڈاکٹر علامہ اقبال کے حواریین نہیں چاہتے کہ ضاءالحق کے پاکستان میں کسی سکول کے بچے کو اس حقیقت کا پتہ چلے۔ سو جب 85ویں برسی کے موقعہ پر ''اقبالیات نمبر'' بڑی دھوم دھام سے شائع کیا گیا اس میں ایک پی۔ایچ۔ڈی ڈاکٹر وحید عشرت صاحب نے اپنا ''علمی بیان'' یوں ارشاد فرمایا

''اقبال نے اس خطبہ (1910ء) میں قادیانیوں کے طرز عمل کی تعریف کی ہے اور بعد میں اس سے برأت کا اظہار فرمایا۔ اس خطبے کے وقت مرزا غلام احمد قادیانی نے قطعی اور حتمی طور پر دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا وہ خود کو مجدد مصلح اور مناظر اسلام کہتے تھے ایسے میں ان کے اور ان کی حمایت کے اسلامی کردار کی اقبال نے تعریف کی مگر جب مرزا صاحب نے پر پرزے نکالے اور نبوت کے دعوے شروع کئے تو اقبال ان اولین لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ان کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ تکفیر کی اور 1935ء میں انتخابات کے وقت انہیں اس لیے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔'' (اقبالیات جلد نمبر 28 جنوری مارچ 1988ء صفحہ 461) یہ بات تو درست ہے کہ حضرت مرزا صاحب 1910 سے بھی دو سال قبل رحلت فرما چکے تھے مگر یہ بات بھی تو درست ہے کہ آخر 1910 اور 1935 میں آخر فرق کتنا ہے صرف چند سال کا۔ تو پھر علمی دنیا میں اتنی کمی بیشی تو چلتی رہتی ہے

عیسائی پادریوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کی دلیل اور آپ ﷺ کا جواب اور پھر ہمارا ''علمی جواب''

علامہ ابی الحسن علی بن احمد الواحدی النیساپوری (468ھ) مشہور مفسر، محقق اسلام کی ''اسباب النزول'' صدیوں سے اسلامی دنیا میں شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ اس کی بیروت کی اشاعت کے ص 68 پر آپ ﷺ اور نجران کے عیسائیوں کے درمیان مناظرے کا حال درج ہے۔

'قالا ان لم یکن عیسیٰ ولد اللہ فمن ابوہ وخاصموہ جمیعاً فی عیسیٰ فقال لھما النبی ﷺ ألستم تعلمون انہ لا یکون ولد الا و یشبہ اباہ قالوا بلیٰ قال ألستم تعلمون۔ إن ربنا حی لا یموت و ان عیسیٰ اتی علیہ الفناء۔ قالوا بلیٰ۔ قال ألستم تعلمون ان ربنا قیم علیٰ کل شیءیحفظہ ویرزقہ''

ترجمہ: اُن دونوں پادریوں نے کہا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا نہیں تو بتاو اس کا باپ کون ہے؟ اور پھر انہوں نے خوب جھگڑا کیا۔ اِس پر آپ ﷺ نے اُن سے کہا کہ تم جانتے ہوناں کہ ہر بچہ اپنے باپ سے مشابہہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارا رب تو حی وقیوم ہے اور عیسیٰؑ تو فوت ہو چکے......یعنی پھر تو وہ اللہ سے مشابہہ نہ ہوے''

بریلویوں کے شیخ الحدیث مولوی عبدالمصطفیٰ اعظمی صاحب نے ''عجائب القرآن مع غرائب القرآن'' کے نام سے قرآنی واقعات کو کتابی شکل میں رقم فرمایا ہے جسے دعوت اسلامی کی مجلس المدینۃ العلمیہ نے کتابی شکل دے کر مکتبہ المدینہ باب المدینۃ کراچی سے شائع فرمایا ہے۔ آپ صفحہ 76 پر ''عیسائیوں کا مباہلہ سے فرار'' کا عنوان لگا کر اسی واقعہ کو یوں بیان فرمادیا ''نجران (یمن) کے نصرانیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا......آپؐ نے نہایت کریمانہ لہجے میں ان سے گفتگو فرمائی اور حسب ذیل مکالمہ ہوا:

ابو حارثہ (عیسائی): آپ لوگ حضرت عیسیٰؑ کو بندہ کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

نبی ﷺ: ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہ کلمۃ اللہ جو کنواری مریم کے شکم سے بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئے

ابو حارثہ (عیسائی): کیا کوئی انسان بغیر باپ کے پیدا ہوسکتا ہے؟ جب آپ لوگ یہ مانتے ہیں کہ کوئی انسان حضرت عیسیٰ کا باپ نہیں تھا تو پھر آپ لوگوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ اُن کا باپ اللہ تعالیٰ ہے۔ نبی ﷺ: اگر کسی کا باپ کوئی انسان نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا باپ خدا ہی ہو۔'' (عجائب القرآن مع غرائب القرآن صفحہ 76-78) چونکہ یہ نبی ﷺ کا فرمان تھا اس لئے اس علمی انجنیئر نگ پر اتنا ہی کہوں گا

رائیگاں رندوں کے اوصاف حمیدہ ہو گئے
بوالہوس ان کی نظر میں برگزیدہ ہو گئے۔

وہائٹ ہاوس لندن کی میٹنگ اور اس کی تفاصیل

علمی بیان نمبر 1 وہائٹ ہاوس لندن اور ظلی نبی (1967)

دیوبندی دنیا کے شیخ الحدیث جناب مولوی خالد محمود صاحب کا جن دنوں ابھی پاسپورٹ نہیں بنا تھا اور مانچسٹر تشریف نہیں لے گئے تھے اُن دنوں آپ منٹگمری میں امامت فرمایا کرتے تھے۔اُن دنوں آپ نے ایک علمی بیان دیتے ہوئے فرمایا ''1869ء میں انگریزوں نے ایک کمیشن لندن سے ہندوستان بھیجا تا کہ وہ انگریز کے متعلق مسلمان کا مزاج معلوم کرے۔اور آئندہ کے لیے مسلمان کو رام کرنے کے لیے تجاویز مرتب کرے۔اس کمیشن نے ایک سال ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں کے حالات معلوم کئے 1870ء میں وائٹ ہاؤس لندن میں کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کمیشن مذکور کے نمائندگان کے علاوہ ہندوستان میں متعین مشن کے پادری بھی دعوت خاص پر شریک ہوئے جس میں دونوں نے علیحدہ علیحدہ رپورٹ پیش کی جو کہ'' دی ارائیول آف برٹش ایمپائران انڈیا'' کے نام سے شائع کی گئی"شرکاء نے بتایا کہ پہلے ہم نے فوجی غدار ڈھونڈے تھے اب ہمیں ایک ایسے غدار کی ضرورت ہے جو ظلی نبی ہونے کا دعوی کرے

(ماہنامہ الرشید دیوبند نمبر ص106و107 فروری مارچ1976)

نوٹ 1967 میں جمیعۃ العلماء سرگودھا نے پہلی دفعہ ایک پمفلٹ کے ذریعہ مندرجہ بالا اعلان فرمایا تھا

علمی بیان نمبر 2 ظلی نبی نہیں، محمد کا حواری نبی کا مشورہ ہوا تھا(1974)

سات سال تک ختم نبوت تنظیم کی طرف سے یہ ڈھنڈورا پیٹا جاتا رہا کہ وائٹ ہاؤس لندن میں ایک ''ظلی نبی'' کھڑا کیا جانے کی تجویز کی گئی تھی مگر اپریل 1974ء جناب مولانا مصباح الدین نے فرمایا کہ ہرگز ظلی نبی کی بات نہیں ہوئی تھی بلکہ ''محمد کا حواری نبی'' ہونے کا دعوی کرایا جائے''۔کا فیصلہ ہوا تھا؛

(خاتم النبیین جلد اوّل صفحہ 48 مولفہ مصباح الدین صاحب ای بلاک نمبر 104 سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی تاریخ تالیف اکتوبر 1973ء نظر ثانی اپریل 1974ء)

علمی بیان نمبر 3 نہ ہی ظلی نبی ، نہ ہی حواری نبی بلکہ مہدی اور مسیح کھڑا کرنے کا فیصلہ ہوا تھا (1979)

جناب مصباح الدین کی''خاتم النبیین'' کے مزید 6 سال بعد یعنی 1979ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان نے اطلاع دی کہ وائٹ ہاؤس لندن کی عظیم کانفرنس میں پادریوں نے نہ ہی''ظلی نبی''اور نہ ہی''محمد کا حواری نبی'' کھڑا کرنے کی تجویز دی تھی بلکہ مہدی اور مسیح کو پیدا کرنے کا منصوبہ پیش کیا تھا''پادریوں نے انگلینڈ جا کر رپورٹ پیش کی مسلمانان عالم کا جذبہ جہاد اور اعلاء کلمۃ الحق کا جوش اس قدر ہے کہ ضروری ہے اسے ختم کرنے کے لیے کسی مہدی اور مسیح کو پیدا کیا جائے۔''(ناشر نشرو اشاعت مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان شہر مطبوعہ روداد 1979ء)

علمی بیان نمبر 4 نبی کی تلاش کا ٹھیکہ مہاراجہ جے سنگھ کو دیا گیا

جناب مصباح الدین صاحب نے مزید"علمی بیان" دیتے ہوئے فرمایا کہ"لدھیانہ میں مہاراجہ پٹیالہ جے سنگھ نے ایک بزرگ خواجہ احمد صاحب کو انگریزوں کی طرف سے پیشکش کی تھی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں ایمان نہیں بیچ سکتا۔اس امر کا تذکرہ مرزا غلام احمد کی موجودگی میں ہوا۔مرزا صاحب نے مہاراجہ سے ملکر ایمان کا سودا کر لیا۔مہاراجہ کا نام جے سنگھ بہادر اور ان کا خطاب جو انگریزوں نے انہیں عطا کیا''امین الملک'' تھا۔''(خاتم النبیین جلد اول صفحہ 48_49)

علمی بیان نمبر 5 نبی کی تلاش کا ٹھیکہ مہاراجہ کو نہیں ڈی ۔سی سیالکوٹ کو دیا گیا

مجاہد ختم نبوت جناب مصباح الدین کی مہاراجہ جے سنگھ کے ہاتھوں سرانجام پانے والی تاریخی ڈیوٹی کو ایک دوسرے مجاہد ختم نبوت جناب مدیر لولاک صاحبزادہ طارق محمود صاحب فراڈ قرار دے رہے ہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ یہ ڈیوٹی پٹیالہ کے راجہ جے سنگھ نے نہیں۔ڈی سی سیالکوٹ نے ادا کی تھی۔آپ کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں۔''پنجاب کے گورنر نے اس کام کی ڈیوٹی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے ذمہ لگائی چنانچہ نبی کی تلاش کا کام شروع ہوا۔ آخر قرعہ فال مرزا غلام احمد قادیانی کے نام نکلا جو ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں معمولی ملازم تھا۔اور آپ نے اس کام کو 1870ء میں ہی سرانجام قرار پانا مانا ہے۔''

علمی بیان نمبر 6 نبی کی تلاش کا ٹھیکہ نہ مہاراجہ، نہ ڈی سی سیالکوٹ بلکہ مولوی قاسم نانوتوی کو دیا گیا

ضروری نہیں کہ علمی بیان دینے والے صرف دیوبندی مسلک میں پیدا ہو سکتے ہیں بریلوی بھائیوں میں بھی ایک سے ایک نابغہ روزگار موجود ہے۔

فیصل آباد کے ممتاز عالم دین صاحبزادہ محمد شوکت علی چشتی نظامی ایم۔اے بانی مرکزی جماعت غریب نواز پاکستان نے 15 نومبر 1985ء کو جامعہ مسجد توکلیہ فیصل آباد میں علمی بیان دیتے ہوئے سارے دھونے دھو دیئے۔کیونکہ آپ غریب نواز جماعت کے بانی ہونے کے ساتھ ساتھ ایم۔اے بھی تو ہیں آپ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ انگریزی نبی یا ایمان فروش نبی کی تلاش کا کام نہ ہی مہاراجہ پٹیالہ جے سنگھ کے سپرد ہوا اور نہ ہی ڈی سی سیالکوٹ کے بلکہ یہ کام انگریزوں نے بانی دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کے سپرد کیا تھا۔

''اس رپورٹ کے مطابق انگریزوں کو یقین ہو گیا کہ جب تک کسی شخص کو نبوت

کے مقام پر فائز نہیں کرادیا جاتا ہم اپنے پروگرام میں کلی طور پر کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔لہٰذا کسی شخص کو نبوت کے مقام پر فائز کرنے سے قبل راستہ ہموار کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس خدمت کو دارالعلوم دیوبند انڈیا کے بانی مولوی محمد قاسم نانوتوی نے جمیع مسلمانوں کے عقائد ونظریات کے خلاف خوب نبھایا اور اپنی تحریر سے نئی نبوت کی داغ بیل یوں ڈال دی۔(مدلل تقریر صفحہ 56۔57 مولفہ الحاج میاں محمد شوکت علی چشتی نظامی ناشر شعبہ نشر واشاعت مرکزی جماعت رضائے غریب نواز فیصل آباد)

علمی بیان نمبر 7 سب جھوٹ۔ نبی کی تلاش کا ٹھیکہ انگریز نے سید احمد شہید بالاکوٹ کو دیا تھا

بریلوی علماء دین کی تحقیق جاری ہے۔ممتاز عالم دین اور مشہور مناظر جناب محمد ضیاء اللہ صاحب قادری مہتمم دارالعلوم قادریہ سیالکوٹ" اپنا علمی بیان" دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مولانا محمد شوکت چشتی صاحب کی تحقیق بھی غلط ہے۔انگریزوں نے تو تلاش نبی کا کام حضرت سید احمد شہید بالاکوٹ اور حضرت اسمٰعیل دہلوی کے سپرد کیا تھا۔آپ کی ''علم سے بھر پور'' تاریخی تحقیق ملاحظہ ہو۔

''سرولیم ہنٹر کی رپورٹ اور تجویز اور پادری صاحبان کی تجویز دونوں کو ذہن نشین رکھ کر اور بعد ازاں سید احمد بریلوی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے نام نہاد جو تحریک چلائی اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انگریزوں نے سب سے پہلے ان دو حضرات کو اپنے مشن میں کامیابی کے لیے چنا۔دہلی کی جامع مسجد میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے والے اسماعیل دہلوی تھے۔پادریوں کی پیری مریدی کے سلسلہ والی تجویز اسی اسماعیل دہلوی نے سرانجام دینے کا بیڑہ اٹھایا کیونکہ اسماعیل دہلوی نے اپنے آپ کو سید احمد کا مرید ظاہر کرنا شروع کر دیا اور پیری کا چکر چلایا۔اس سلسلے میں ایک کتاب صراط مستقیم کے نام سے بھی لکھ دی تا کہ انگریز کو پورا پورا یقین ہو جائے۔''(نجد سے قادیان براستہ دیوبند صفحہ 62 ناشر قادری کتب خانہ سیالکوٹ از ضیاء اللہ قادری)

علمی بیان نمبر 8 سب جھوٹ۔ نبی کی تلاش کا ٹھیکہ برٹش سنٹرل اینٹیلی جنس کو ملا تھا

سیّد محمد سلطان شاہ صاحب جیسا کہنہ مشق محقق سب علماء دین سے ناراض ہے۔آپ کے خیال میں اوپر درج سب علمی بیانات شرمناک فراڈ ہیں۔آپ کی تحقیق کے مطابق وائٹ ہاؤس کانفرنس کے بعد برٹش سنٹرل انٹیلی جنس حرکت میں آگئی اور انہوں نے نبی ڈھونڈنے کا کام ڈی۔سی سیالکوٹ کے ذمہ لگایا۔جس نے باقاعدہ ٹینڈر کیا اور آسامیوں سے انٹرویو لئے جن میں سے مرزا صاحب میرٹ پر سب سے اول نمبر لیکر پاس ہوئے۔

''برطانوی ہند کی سنٹرل اینٹلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لیے طلب کیا ان میں سے مرزا صاحب نبوت کے لیے نامزد ہوئے۔'' (بھٹو اور قادیانی مسئلہ صفحہ 42۔43 اشاعت اول اگست 1993ء ناشر میر شکیل الرحمن جنگ پبلشرز لاہور)

شاہ صاحب کے خیالات پڑھ کر مجھے ایمرسن کا قول ایک دفعہ پھر شدت سے یاد آنے لگ گیا ہے کہ ''عقل کی حد ہو سکتی ہے مگر بے عقلی کی نہیں''

علمی بیان نمبر 9 انگریز نے 1870 میں نہیں 1934 میں مرزا صاحب کو نبی بنایا تو عطاء اللہ شاہ بخاری دفاع میں نکل آئے

۔روزنامہ خبریں بھی اس علم کے جاری چشمہ میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے انگریز اور انگریزی نبی کی تیاری کے متعلق اپنا علمی بیان یوں عطا فرمایا۔مگر اس ریسرچ کی چاشنی سے کما حقہ حظ اٹھانے کے لیے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مرزا صاحب کا انتقال 1934ء سے 26 سال قبل 26 مئی 1908ء کو ہوا۔اب آپ مجاہد ختم نبوت کی تحریر ملاحظہ کریں۔''1934ء میں انگریزوں نے غلام احمد قادیانی کو جب سیالکوٹ کی کچہری سے اٹھا کر جھوٹی نبوت کے منصب پر فائز کر دیا تو امیر شریعت ناموس رسول پر حملہ آور اس نئے فتنے کی سرکوبی کے لیے میدان میں اتر آئے''۔(روزنامہ خبریں اشاعت خاص 27 مئی 1995ء صفحہ 2)

علمی بیان نمبر 10 سب جھوٹ۔مرزا صاحب نے نبوت کا کام ایک شعبدہ باز سے سیکھ کر کیا

مولوی تاج الدین انصاری صدر ختم نبوت مغربی پاکستان صاحب فرماتے ہیں کہ وہائٹ ہاؤس لندن، پادری، انگریز، ڈی سی سیالکوٹ، مہاراجہ جے سنگھ وغیرہ سب غلط ہیں اصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ایک عامل سید جلال شاہ کو دیکھا کہ وہ شعبدہ بازی سے اپنے ہاتھوں پر چادر پھیلاتا اور پھر اسے غائب کر دیتا اور پھر اسے زروجواہر سے بھر دیتا۔اب مرزا صاحب نے اس عامل کو اپنے مریدوں کے ذریعہ پکڑ لیا اور ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا اور اس سے یہ عمل مجبور کر کے سیکھتا رہا اور یوں دعویٰ نبوت کیا۔سنئے فرماتے ہیں" سادھوڑہ کے ایک عامل مسمی سید جلام شاہ کو غلام احمد آنجہانی نے کچھ شعبدہ کرتے ہوئے دیکھا۔وہ بیٹھے بیٹھے اپنے ہاتھوں پر چادر پھیلا کر خالی تھالی کو زروجواہر سے بھر دیتا اور اسی طرح غائب کر دیتا تھا۔غلام ا۔۔۔اس بیچارے عامل کو غلام احمد کے آدمیوں کو پکڑ لیا۔جہاں کہیں بھی جاتے اسے الگ کوٹھڑی میں بند رکھتے اور تقاضا یہ ہوتا کہ غلام احمد کو یہ فن سکھاؤ۔بے چارہ عامل تنگ آچکا تھا۔مولوی ولی محمد صاحب کا بیان ہے کہ جب یہ خبر ان کے حلقہ میں پہنچی تو اس عامل کو اس لالچی کے پنجہ سے چھڑا کر سادھوڑہ کا ٹکٹ لے دیا اور گاڑی میں سوار کرا کے لدھیانہ سے چلتا کر دیا۔"(ماہنامہ صوت الاسلام جلد 1 شمارہ 3 از قلم ماسٹر

تاج الدین انصاری بحوالہ تحفہ قادیانیت جلد ششم ص 179 مصنفہ مولوی یوسف لدھیانوی شائع کردہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

اگر یہ کہا جائے کہ آج کی گلوبل ویلیج دنیا میں وہائٹ ہاؤس لندن میں ہو یا امریکہ میں ۔1869 میں کوئی انگریزی وفد برصغیر میں داخل ہوا ہو یا نہ بھی داخل ہوا ہو۔ اور" دی ارائیول آف برٹش ایمپائر ان انڈیا" نامی کوئی کتاب کبھی نہ بھی شائع ہوئی تو بھی کیا فرق پڑتا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ بقول منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور ''یادگار تاج پوشی'' والے۔گیانی گیان سنگھ " تواریخ خالصہ" والے۔لالہ سوہن لال " عمدۃ التواریخ" والے اور سر لیپل گریفن اور کرنل چارلس فرانس میسی نے The Punjab Chiefs والے جنھوں نے پنجاب کی ساری تاریخ محفوظ کر دی ۔مہاراجہ جے سنگھ نام کے کسی راجے کو نہیں جانتے تو بھی کیا فرق پڑتا ہے

اور اگر یہ کہا جائے ۔بقول ''مدیر لولاک'' جناب صاحبزادہ طارق محمود صاحب 1870ء میں انگریز نے سیالکوٹ سے آپ کو چنا جبکہ آپ تو تین سال قبل اپریل 1867ء میں والدہ صاحبہ کی وفات کے وقت سے سیالکوٹ کو چھوڑ کر قادیان چلے گئے تھے۔ تو بھی کیا فرق پڑتا ہے

اور اگر کہا جائے وہائٹ ہاؤس کانفرنس تو 1870ء میں ہوئی۔جبکہ حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمٰعیل دہلوی تو مئی 1831ء میں ہی فوت ہو گئے تھے یعنی مولانا قاسم نانوتوی کی پیدائش سے بھی 2 سال قبل تو بھی کیا فرق پڑتا ہے

اور اگر کہا جائے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے 1934 میں اور علامہ اقبال نے 1935 میں حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت پر احمدیت پر حملہ کر دیا اور حضرت مرزا صاحب تو 1908 میں رحلت بھی فرما چکے تھے تو بھی کیا فرق پڑتا ہے

مذہب کے نام پر اگر یہ تمام علمی فسانے بیان کر کے کسی کی کردار کشی کرتے ہوئے بھی ماتھے پر کوئی حیاء کی سلوٹ نہیں پڑتی تو پھر مجھے بھی کہنے کی اجازت دیجئے کہ واقعی علم ابوجہل کے دور میں داخل ہو گیا ہے۔اور ایسے ہی علم کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ "علموں بس کریں او یار"برطانیہ کے مشہور مفکر پوپ الیگزینڈر نے ایسے ہی علمی شخصیات کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''ایسے لوگ جو اعلیٰ قابلیت رکھتے ہوئے بد اطوار و پست کردار ہوتے ہیں ان کی مثال ان سڑی گلی ہڈیوں کی سی ہے جو چاند کی روشنی میں چمک دمک کے ساتھ بدبو اور تعفن پھیلاتی ہیں۔'' جناب چوہدری محمد علی صاحب ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے

اندھیرا روشنی سے ڈر رہا ہے مگر سورج کا چرچا کر رہا ہے
مبارک ہو ہمیں الفت کا الزام یہ سہرا بھی ہمارے سر رہا ہے
دل ناداں کو بھی اب قتل کر دو یہی اک شہر میں کافر رہا ہے

کلام

علی راجپوت

جو تم مایوس ہو جاؤ
تو رب سے گفتگو کرنا
وفا کی آرزو کرنا
سفر کی جستجو کرنا . . . .!!
یہ اکثر ہو بھی جاتا ہے
کہ کوئی کھو بھی جاتا ہے
مقدر کو برا جانو گے تو
یہ سو بھی جاتا ہے . . . .!!
اگر تم حوصلہ رکھو
وفا کا سلسلہ رکھو
جسے خالق سمجھتے ہو
تو اس سے رابطہ رکھو
میں یہ دعوے سے کہتا ہوں
کبھی ناکام نہ ہو گے . . . .!!
جو تم مایوس ہو جاؤ،
تو رب سے گفتگو کرنا . . . .!
کبھی مایوس مت ہونا. . . . . .
وہاں انصاف کی چکی. . . . . . .
ذرا دھیرے ہی چلتی ہے. . . . .
مگر چکی کے پاٹوں میں. . . . .
بہت باریک پستا ہے. . . . . .
تمہارے ایک کا بدلہ. . . . . .
وہاں ستر سے زیادہ ہے. . . . .
نیت تلتی ہے پلڑوں میں. . .
عمل ناپے نہیں جاتے. . .
وہاں جو ہاتھ اُٹھتے ہیں
کبھی خالی نہیں جاتے
ذرا سی دیر لگتی ہے
مگر وہ دے کے رہتا ہے
جو تم مایوس ہو جاؤ
تو رب سے گفتگو کرنا

فرض نماز کی ادائیگی کے بعد تسبیحات

تحریر۔رانا غلام مصطفیٰ



ذکرِ خدا پہ زور دے ، ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہرِ شب چراغ بن ، دنیا میں جگمگائے جا

اَلذِّکْرُ بَعْدَ الصَّلاۃِ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری کتاب الاذان میں باب نمبر 155 کا نام اَلذِّکْرُ بَعْدَ الصَّلاۃِ رکھا ہے۔یعنی نماز کے بعد ذکرِ الٰہی۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہماری اجتماعی نماز کے اغراض میں سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ انسان کے اندر ذکرِ الٰہی کی کیفیات دائمی طور پر پیدا ہوں۔چنانچہ نماز فریضہ ختم ہونے کے بعد بھی قرآن مجید نے یہ ذکر جاری رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ : النساء آیت 140)

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے ہونے کی حالت میں بھی اور بیٹھے ہوئے بھی اور اپنے پہلوؤں پر بھی۔

اس حوالہ سے اپنے محبوب آقا مکی و مدنی سیدنا حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کی ادائیگی کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور اپنی انگلیوں پر ذکرِ الٰہی کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا چکتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف منہ کیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب یستقبل الامام الناس اذا سلم)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھا چکتے تو ہماری طرف متوجہ ہوتے۔(صحیح بخاری کتاب الجنائز)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم یہ چاہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی طرف ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف منہ کرتے (یعنی سلام پھیرنے کے بعد اور قبلے کی طرف پیٹھ کرتے)

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامام ینحرف بعد التسلیم)

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فریضہ کی ادائیگی کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔اور ہاتھوں کی انگلیوں پر تسبیحات پڑھا کرتے تھے۔جیسا کہ احادیث مبارکہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی انگلیوں پر تسبیح گنتے ہوئے دیکھا ہے۔

(ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید)(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابو معبد نے انہیں بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ جب لوگ نمازِ فریضہ سے فارغ ہوتے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ذکرِ الٰہی بلند آواز میں کیا جاتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جب میں اس ذکر کو سنتا تو مجھے علم ہو جاتا کہ لوگ اس وقت فارغ ہو گئے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب الذکر بعد الصلاۃ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار کرتے اور کہتے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

یعنی اے اللہ تو سلامتی والا ہے اور سلامتی عطا کرنے والا ہے اور تجھی سے سلامتی عطا ہوتی ہے اور اے بزرگی والے اور عزت والے تو بہت بڑی برکت والا ہے۔

ولید نے کہا کہ میں نے اوزاعی سے پوچھا استغفار کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ۔اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ یعنی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ)(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کے کاتب ورّاد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے مجھ سے ایک خط لکھوایا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز فریضہ کے بعد کہا کرتے تھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا

یَنْفَعُ ذَاالجَدِّ مِنْكَ الجَدّ

(بخاری کتاب الاذان الذکر بعد الصلاۃ)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہت ہے۔ اور اسی کی تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر بات پر بڑا قادر ہے۔

اے اللہ کوئی روکنے والا نہیں جو تو دے اور کوئی دینے والا نہیں جو تو روک دے کسی صاحب حیثیت (مال وحسب ونسب وغیرہ) کو اس کی حیثیت تیرے مقابل پر فائدہ نہیں دے گی۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا معاذ خدا تعالیٰ کی قسم! مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تجھے تاکید کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد یہ دعا چھوٹنے نہ پائے۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار)

اے میرے اللہ! میری مدد فرما کہ تیرا ذکر کروں۔ تیرا شکر ادا کروں اور عمدگی سے تیری عبادت بجالاؤں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تو فرماتے

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ عِلْماً نَافِعاً وَّرِزْقاً طَیِّباً وَعَمَلاً مُتَقَبَّلاً۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب مایقال بعد التسلیم)

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ فائدہ دینے والا علم اور پاک یعنی حلال روزی اور مقبول عمل۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محتاج لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ دولت مند لوگ تو اموال کے ذریعہ بلند درجے اور ہمیشہ کی نعمت لے گئے۔ جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں۔ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں۔ جیسے ہم روزے رکھتے ہیں۔ وہ بھی رکھتے ہیں ان کے پاس مال بھی بڑھ کر ہیں جس کے ذریعہ سے حج کرتے ہیں۔ اور عمرہ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ جس پر تم عمل کرو تو تم ان کو پالو۔ جو تم سے آگے نکل گئے۔ اور پیچھے سے تم کو کوئی بھی نہ مل سکے۔ اور تم ان لوگوں سے اچھے رہو۔ جن کے درمیان تم رہتے ہو۔ پس! ان کے جو اس طرح کریں۔ ہر نماز کے بعد تم تینتیس دفعہ تسبیح وتحمید اور تکبیر سے ذکر الٰہی کیا کرو۔۔۔ تینتیس (33) بار سبحان اللہ کہا کریں۔۔ تینتیس (33) بار الحمد للہ اور چونتیس (34) بار اللہ اکبر۔

(بخاری کتاب الاذان باب الذکر بعد الصلاۃ)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کے بعد کچھ تسبیحات ایسی ہیں کہ ان کا پڑھنے والا یا ان کا بجالانے والا ۔ ہر فرض نماز کے بعد وہ کبھی (ثواب اور بلند درجوں سے) محروم نہیں ہوتا تینتیس (33) بار سبحان اللہ تینتیس (33) بار الحمد للہ۔ چونتیس (34) بار اللہ اکبر کہنا۔

(مسلم کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ)

فرض نماز کے بعد ذکرِ الٰہی کی تاکید کرتے ہوئے سیدنا حضرت حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

نماز کے اختتام پر سلام پھیر کر معاً ہی حکم ہے کہ انسان کم از کم تین بار استغفار پڑھے۔ اور حدیث میں تو یوں بھی آیا ہے کہ نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھے۔ یہ بھی نماز کے بعد کے وظائف میں سے ایک ضروری وظیفہ ہے۔

(خطباتِ نور صفحہ 325)

نماز فریضہ کی ادائیگی کے بعد ذکر الٰہی کی تاکید کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ سبحان اللہ تینتیس دفعہ الحمد للہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ مگر اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ مومن کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ صرف تینتیس 33 یا چونتیس 34 دفعہ تسبیح وتحمید کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ بات بات پر وہ الحمد للہ، سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہتے رہتے ہیں۔ اور درحقیقت اگر غور سے کام لیا جائے تو یہ دونوں باتیں ہی ضروری تھیں۔ کیونکہ عشق میں انسان کی دونوں حالتیں ہوتی ہیں۔ عشق میں ایک حالت تو وہ ہوتی ہے جب انسان اور کاموں سے فارغ ہو کر اپنے محبوب سے باتیں کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور عشق کی دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ خواہ اور کاموں میں مشغول رہے۔ اس کا دل اپنے محبوب کی طرف ہی رہتا ہے۔ پس عشق دونوں باتوں کا تقاضا کرتا ہے۔ عشق یہ بھی چاہتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے لئے اور کاموں سے فارغ ہو جائے۔ اور عشق یہ بھی چاہتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کا ہر وقت ذکر کرتا رہے۔ پس چونکہ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں اس لئے اسلام نے بعض جگہ تسبیح وتحمید کی ایک معین مقدار بھی مقرر کر دی۔ اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ مومن صرف اس تعداد پر انحصار نہیں رکھتے بلکہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ اور ہر وقت ان کی زبانیں ذکرِ الٰہی سے تر رہتی ہیں۔ اسی طرح یہ دونوں چیزیں مل کر ایک مومن کے عشق کو مکمل کرتی ہیں۔ اگر اسے یہی خیال آتا رہے کہ میں فلاں وقت میں ذکر کروں گا۔ آگے پیچھے نہیں کروں گا۔ تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ اپنے اوقات کو کلی طور پر خدا تعالیٰ کی یاد میں صرف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ مقررہ وقت آئے تو وہ ذکر کرے۔ حالانکہ مومن وہی ہے جو ہر حالت میں خدا تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بزرگ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے کہ

''دست درکار و دل بایار'' یعنی انسان کے ہاتھ تو کاموں میں مشغول ہونے چاہئیں لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اسی طرح ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ میں کتنی دفعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کروں تو انہوں نے کہا ''محبوب کا نام لینا اور پھر گن گن کر'' تو اصل ذکر وہی ہے جو اَن گنت ہو۔مگر ایک معین وقت مقرر کرنے میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ انسان اس وقت اپنے محبوب کے لئے اور کاموں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔اور چونکہ یہ دونوں حالتیں ضروری ہیں اس لئے صحیح طریق یہی ہے کہ معین رنگ میں بھی ذکرِ الٰہی کیا جائے۔اور غیر معین طور پر بھی اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے۔اور اس کے فضلوں اور احسانات کا بار بار ذکر کیا جائے۔

(تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 308_309)

سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ بعض صحابہ رضی اللہ عنھم نے بعض نیکیوں کے متعلق دریافت کیا کہ ہم بوجہ غربت کے ان میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔نیکیوں کی کوئی اور راہیں ہمیں دکھائی جائیں تاکہ ہم اپنے بھائیوں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تینتیس،تینتیس بار سبحان اللہ اور الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہا کرو۔تو بڑی نیکیاں تمہاری لکھی جائیں گی۔اور تم بڑا ثواب اپنے رب سے حاصل کرو گے جب امیروں کو پتہ لگا تو اُنہوں نے بھی یہ ورد کرنا شروع کر دیا۔کیونکہ مسابقت کی روح اس خدا کی محبوب جماعت میں پائی جاتی تھی۔۔۔۔۔۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق۔۔۔حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرباء کو ایمان میں آگے بڑھنے اور ثواب زیادہ حاصل کرنے کے لئے ایک نسخہ بتایا تھا۔وہ معین تھا۔پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سنت یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔جو امام بخاری نے اپنی ایک کتاب میں بیان کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انگلیوں پر کلمات پڑھتے دیکھا اور انگلیوں پر گنتی کرتے جاتے تھے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ بعض ذکر ایسے ہیں کہ جن کو گننے میں کوئی برائی نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ ہر انسان کو ذکر کے بعض حصے انگلیوں پر گن لینے چاہئیں۔تاکہ اس طرح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے پیار کا اظہار ہو۔

(خطبات ناصر جلد 2 صفحہ 132_135)

عادتِ ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو عشقِ صنم لب پہ مگر نام نہ ہو

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں سیدنا حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکرِ الٰہی کی اس بابرکت سنت کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

خلافت دائمی ہوگی

ارشاد عرشی ملک

خلافت کی محبت میں دلوں کو یوں فنا رکھنا
کوئی مسلک اگر رکھنا تو تسلیم و رضا رکھنا

سمعنا اور اطعنا میں چھپی رُوحِ خلافت ہے
یہ نقطہ بھول مت جانا اسے دِل میں بسا رکھنا

بہت سے ابتلا آئیں گے ہمت ہار مت دینا
سدا با حوصلہ رہنا سدا خوئے وفا رکھنا

خدا کے فضل و احساں سے بہاریں اَن گنت آئیں
بہاریں اَن گنت آئیں گی دروازہ کھلا رکھنا

مکمل سال سترہ ہو گئے ہیں دورِ خامس کے
یونہی گزریں ہزاروں سال یہ لب پر دُعا رکھنا

یہ لعلِ بے بہا ہے، گوہر نایاب ہے پیارو
خلافت کی حفاظت اپنی جانوں سے سوا رکھنا

اگر منصب خلافت کا کبھی قربانیاں مانگے
تو جان و مال، وقت اولاد، ہر شئے کو فدا رکھنا

راہِ عشق ہے اہل یقیں کی رہگذر ہے یہ
نہ دل میں وسوسہ رکھنا نہ لب پر چوں چراں رکھنا

طبیعت میں تدبر ہو، تحمل، بردباری ہو
تم اپنے نفس کے جوشوں کو غصے کو دبا رکھنا

شہادت دو عمل سے جب بھی اقرارِ وفا باندھو
فقط لفظی شہادت پر نہ ہرگز اِکتفا رکھنا

جو اقرارِ بیعت باندھا ہے یوں اس کو نبھانا ہے
جلا کر کشتیاں ساری خدا کا آسرا رکھنا

خدا کے در پہ رونا، گڑگڑانا عاجزی کرنا
کسی انسان کے آگے نہ دستِ التجا رکھنا

خدا مالک، خدا رازق وہی ہے کارساز اپنا
نہ اس کے ماسوا اپنا کوئی حاجت روا رکھنا

تم اپنی خواہش و مرضی دبالینا، مٹا دینا
رضائے قادرِ مطلق میں ہی اپنی رضا رکھنا

جو مخلوقِ خدا سے معاملہ کرنا پڑے تم کو
بھلا کر اپنے سب سود و زیاں خوفِ خدا رکھنا

تمہاری راہ میں حائل نہ ہوں کمزوریاں اپنی
سو استغفار سے دن رات ہونٹوں کو سجا رکھنا

یہ تیر بے خطا ہے نسخہ اَکسیر ہے پیارو
خدا کے در پہ پھیلائے ہوئے دستِ دعا رکھنا

اگر تقویٰ پہ عرشی مرد و زن قائم رہے دائم
خلافت دائمی ہوگی سو خود کو پارسا رکھنا

گاؤں اُٹھوال، چک بہوڑو، 26 اپریل اور مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب

تحریر ابوارحم چوہدری

یہ آج سے کوئی 80 یا 90 سال پہلے کی بات ہے ۔متحدہ ہندوستان کے پنجاب کے گاؤں اٹھوال میں صبح صادق ہورہی تھی۔ چوک والی بڑی مسجد میں حافظ صاحب نے آذان دینا شروع کی تو خلاف معمول دھڑا دھڑ بند دروازے وا ہونا شروع ہو گئے ہر کوئی آج صبح کی نماز چوک والی مسجد میں ادا کرنے اور اگلی صف میں جگہہ بنانے کی خواہش میں سرگرداں تھا۔خبر گرم تھی کہ آدھی رات کے قریب گاؤں میں وارد ہونے والے امرتسر سے آئے معزز مہمان ہی آج صبح کی نماز پڑھائیں گے اسی وجہ سے مسجد نماز سے قبل ہی نمازیوں سے بھر گئی تھی اور مزید آنے والے لوگ گلی میں صفیں بنانے میں مصروف تھے۔دوسری طرف اسی مسجد کے پہلو میں واقع بڑے بوہڑ کے درخت کے نیچے ایک سادہ سا پنڈال بھی بنایا چکا تھا جس میں آنے والے لمحوں میں ایک مناظرہ متوقع تھا۔

مشرقی پنجاب کا یہ گاؤں اٹھوال برادری کے زمینداروں پر مشتمل تھا تقریباً تمام لوگ ہی آپس میں رشتہ دار تھے مسلکاً ایل حدیث تھے۔گاؤں کے نمبر دار صاحب بہت ہی شریف، تہجد گزار اور نیک انسان تھے سب کے دکھ سکھ میں شامل ہونے کی وجہ سے لوگ انہیں عزت و احترام سے نمبر دار صاحب کی بجائے تایا جان کہہ کر پکارتے تھے۔آپ کی بات کا بہت احترام تھا۔انہیں نمبر دار صاحب کا ایک بھتیجا جو نیکیوں میں ان کے نقش قدم پر تھا کم گو اور سب کے لئے دعائے خیر رکھنے والا۔تہجد گزار اور نفیس طبع روح ۔ پھر قصہ یہ ہوا کہ وہ بھتیجا جان ایک دن قادیان چلا گیا۔ چند دن بعد واپس آیا اور ایک عجیب اعلان کر دیا کہ میں احمدی ہو گیا ہوں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے نبی تھے وہ صرف اسرائیلی قبائل کے لئے آئے تھے اور صرف صاحب انجیل تھے وہ باقی نبیوں کی طرح طبعی موت فوت ہو گئے ہیں اور ان کی قبر کشمیر میں ہے جس موعود نے آنا ہے وہ حضرت عیسیٰ ؑ جیسی خوبیوں والا ہوگا اور امت مسلمہ میں سے ہوگا۔اور میں نے حضرت مرزا صاحب کو وہی موعود مسیح مان کران کی بیعت کر لی ہے۔گاؤں میں اناً فاناً ایک کہرام مچ گیا۔کوئی اس لڑکے کے دماغ کی خرابی بتانے لگ گیا تو کوئی اس کے کفر کی وجہ سے بائیکاٹ کے بارے میں مشورے دینے لگ گیا۔کوئی اسے پکڑ کر جوتے مارنے اور اس کا دماغ ٹھکانے لگانے کی تجویز دینے لگ گیا تو کوئی اسے مسجد سے نکال کر مسجد دھونے کی فکر میں لگ گیا۔غرض ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔اسی دوران مولوی صاحب اور دوسرے سرکردہ افراد سے اس کا بحث مباحثہ بھی ہوا مگر وہ دلائل میں گاؤں والوں پر بھاری پڑنے لگا۔آخر بات اس نتیجہ پر پہنچی کہ ہم امرتسر سے اپنے بڑے مولوی صاحب کو بلاتے ہیں اور یہ قادیان سے اپنے کسی عالم دین کو بلائے تا کہ صحیح اندازہ ہو سکے کہ حق سچ پر کون ہے؟اسی سلسلہ میں گاؤں والوں نے امرتسر سے اپنے اہل حدیث مولوی مکرم ثناء اللہ امرتسری صاحب کو بلوایا تھا جو تقریباً آدھی رات کے قریب پہنچ چکے تھے۔اور آج اپ ہی اس مسجد میں فجر کی نماز پڑھانے والے تھے۔اسی وجہ سے آج مسجد رمضان کے آخری جمعہ کی طرح فل تھی۔

نمبر دار یعنی تایا جان نے مولوی صاحب کو بلوا تو لیا تھا اور مناظرہ کا بندوبست بھی کر لیا تھا مگر اندر سے بڑے پریشان تھے۔ جب اپنے بھتیجے کے نئے عقائد دیکھتے تو وہ کافر لگتا اور جب اس کی ساری عمر کی نیکیاں دیکھتے تو وہ سچا لگتا کہ اس نے کبھی جھوٹا مذاق نہیں کیا پھر وہ ایمان میں جھوٹ پر کمر کیسے کس لے گا؟ بہر حال اسی گومگو میں تایا بھی فجر کی نماز پڑھنے مسجد آ پہنچے۔مکرم مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب نماز پڑھانے کے لئے مصلیٰ پر پہنچ چکے تھے۔ اقامت ہوئی اور نماز شرع ہو گئی۔نماز ختم ہوئی تو تایا جان آگے بڑھے اپنا تعارف کروایا۔استقبالیہ کلمے کہے حال چال پوچھا؟ کوئی راستہ میں تکلیف تو نہیں ہوئی وغیرہ رسمی باتیں کیں اور اس کے بعد محراب میں واقع امام والے دروازے سے مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب کو اپنے ساتھ چمٹائے ہوئے لے کر باہر چلے گئے۔باہر جا کر انہوں بڑے ادب سے مولوی صاحب سے عرض کی کہ انشاء اللہ صبح ہو گی تو مناظرہ ہوگا سنا ہے قادیان سے بھی کوئی مولوی پہنچ گیا ہے مگر اس مناظرہ سے پہلے میں اپنے دل کی تسلی کے لئے آپ سے ایک خدا لگتی بات پوچھنا چاہتا ہوں دیکھو ہم مسجد میں کھڑے ہیں وہ میرا بھتیجا کہتا ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور کسی حدیث میں ان کا زندہ آسمان پر جانے اور زندہ واپس آنے کا ذکر نہیں۔مولوی صاحب آپ مجھے بتائیں کہ کیا واقعی قرآن وحدیث کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں؟ مولوی صاحب نے ہاتھ چھڑایا اور تایا جان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کہ آپ نے مجھے یہاں صرف حضرت عیسیٰ کی وفات وحیات پر بات کرنے کے لئے بلوایا ہے؟ تایا جان نے کہا ہاں صرف حضرت عیسیٰؑ کی وفات وحیات پر۔مولوی ثناء اللہ صاحب نے کہا نمبر دار صاحب اگر مناظرہ صرف وفات وحیات مسیح پر ہے تو آؤ پھر فاتحہ پڑھ لیں۔(پنجاب میں جب لوگ فوتگی پر جاتے ہیں تو فاتحہ پڑھتے ہیں) تایا جان نے کہا بہت اچھا مولوی صاحب آپ کا بہت شکریہ۔یہ آپ کا کرایہ وغیرہ باقی میں سمجھ

مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب اسی وقت وہاں سے واپس چلے گئے اور اسی صبح اٹھوال کے سارے گاؤں نے بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کر لی۔

متحدہ پنجاب میں یہ واحد گاؤں ہے جس نے سارے کے سارے گاؤں نے ایک دن، ایک وقت بیعت کی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد یہ لوگ اکھٹے شاہکوٹ کے پاس بہوڑو گاؤں میں آ کر آباد ہو گئے۔ اب اس گاؤں کے بچے جرمنی، فرانس، سویڈن، بیلجئم، امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ میں نے اٹھوال انڈیا میں ان کو نہیں دیکھا لیکن بہوڑو چک میں دیکھا عجیب دیوانوں کی بستی ہے۔ اتحاد، بڑوں کی عزت، جماعت کے لئے فدا، مالی جانی قربانی میں ایک سے بڑھ کر ایک شہزادہ روح۔ میں نے زندگی کی پچاس بہاریں دیکھی ہیں۔ پاکستان۔ یورپ اور افریقہ میں بہت سے جوشیلے اور فدائی احمدیوں سے ملا ہوں لیکن اس طرح سے پورے ٹبروں کے ٹبر ---۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان اور اخلاص کو مزید بڑھائے اور آسمان احمدیت کے روشن ستارے بنائے اور ان کی اولادوں کو بھی وہی قرون اولیٰ والی اطاعت کی روح عطا فرمائے (آمین)

ابھی چند دن پہلے 26 اپریل گزری ہے اس وجہ سے مجھے مولوی ثناءاللہ امرتسری صاحب یاد آ گئے۔ میں پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ان پر اٹھوال جانے سے پہلے بھی جماعت کی سچائی پوری طرح واضح تھی بلکہ ہر لحہ واضح تھی لیکن چونکہ آپ مولویت کے ساتھ ساتھ برصغیر کی سیاست میں بھی کافی مشہور تھے۔ دیوبندیوں کے جلسے میں بھی جا پہنچتے تھے اور وہابیوں کے بھی۔ انجمن حمائیت اسلام کے جلسوں کے بھی روح رواں ہوتے تھے تو کانگریس سے بھی گاڑھی چھنتی تھی۔ علم کافی تھا۔ مناظرہ چاہے ہندووں سے کروا لو چاہے شیعوں کے خلاف۔ تو آپ کی اس ہردلعزیزی نے اٹھوال گاؤں کے تجربے کے بعد سدا آپ کو اپنے دل کی بات سننے اور کہنے سے روکے رکھا۔

مولوی ثناءاللہ امرتسری صاحب کا کوئی بھی فین یہ پوچھ سکتا ہے کہ آپ کا اتنا بڑا دعویٰ کیسے؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ میں آج کی تاریخ میں مولوی ثناءاللہ امرتسری صاحب کے بارے میں ثابت کر دوں گا کہ وہ پوری طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر ایمان رکھتے تھے لیکن زبان کی کمائی اور مولویت کی ڈھٹائی نے ان کو روکے رکھا۔

باقی ساری تفصیل کو چھوڑتا ہوں کہ انہوں نے کتنی دفعہ مباہلہ کے لئے ہاں کی اور کتنی دفعہ ناں کی۔ آخری موقعہ کی طرف آتے ہیں ۔آخری دفعہ جب مولوی صاحب مباہلہ کے لئے تیار ہو گئے تو وہ آخری دعائے مباہلہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق شائع کر دی اور اسے کہا کہ لو میں نے دعا لکھ دی ہے آپ اس کے نیچے دستخط کر دو کہ یہ آپ کو قبول ہے اور کسی ایک جگہہ جمع ہونے کا بھی مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ بس اس دعا کے نیچے دستخط کر دو تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے مباہلہ قبول کر لیا ہے۔ اب حضرت مسیح موعود کی یہ دعا اکثر مولوی صاحبان شائع کرتے ہیں اور دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو مرزا صاحب اس دعا کے مطابق پہلے فوت ہو گئے۔ لیکن ہوا کیا؟

26 اپریل 1907 کو مولوی ثناءاللہ امرتسری صاحب نے حضرت مسیح موعود کی یہ دعا مباہلہ اپنی اخبار میں من وعن شائع کر دی بغیر کوئی لفظ کاٹے اور اسکے بعد پورے صفحے کا نوٹ لکھا کہ میں اسے کیسے قبول کر سکتا ہوں؟۔ اس کی تو مجھ سے منظوری نہیں لی گی۔ پھر یہ لکھا کہ" خدا کے رسول چونکہ رحیم و کریم ہوتے ہیں اور ان کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت اور مصیبت میں نہ پڑے مگر آپ میری کیوں میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں"؟۔ پھر لکھا کہ" میرا مقابلہ تو اپ سے ہے اگر میں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے؟ میرے مرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔؟ پھر اسی صفحہ پر آپ کے نائب ایڈیٹر نے نوٹ لکھا جس کو اگلی اخبار میں آپ نے کہا کہ میرا بھی یہ عندیہ ہے اور وہ یہ تھا کہ شریعت کے مطابق تو جھوٹے دغا باز مفسد وغیرہ لمبی عمریں جیتے ہیں یہ آپ نے کہاں سے نکال لیا کہ جھوٹا جلد مر جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ اور اس ایک صفحہ کے جہازی نوٹ کے آخر پر لکھا کہ" اور یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے"

میں نے اس ساری کہانی کو آسان بنانے کے لئے تحقیق کی اور وہ 26 اپریل 1907 والا اہل حدیث اخبار نکال لیا ہے۔ اس میں آپ حضرت مسیح موعود کی دعا بھی دیکھ سکتے ہیں اور مولوی صاحب کا جواب بھی کہ آپ میری موت کے پیچھے کیوں پڑھ گئے ہیں ۔

اگر کسی کی آنکھ میں تعصب نہ ہو تو وہ بڑی آسانی سے مولوی صاحب کی منمناہٹ دیکھ سکتا ہے۔ فرار دیکھ سکتا ہے۔ انکار دیکھ سکتا ہے اور ان کا خود مانگ لینا اور قبول کر لینا کہ جھوٹا ہی لمبی عمر پاتا ہے وہ بھی ان کو عطا کر دی گئی۔ مگر لمبی عمر تو ملی مگر اتنی درد ناک۔ اللہ تعالی کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ ان کی اپنی آنکھوں کے سامنے سکھوں نے ان کی لائبریری کو آگ لگا دی۔ ان کی تمام عمر کے علم پر مبنی کتب کو جلا دیا۔ گھر کو جلا دیا اور جوان بیٹے کو قرپانوں سے ذبح کر دیا۔ ایک دکھی باپ اکلوتے بیٹے کی موت کا آنکھوں دیکھا غم کاندھے پہ اٹھا کر پاکستان آیا اور پھر چند سال بعد لاولد خاندان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اللہ ہر باپ کو ایسے دکھ سے محفوظ رکھے۔

مولوی ثناءاللہ امرتسری صاحب نے لاکھ اس راز کو چھپایا مگر کہیں نہ کہیں بات چھلکتی رہی اسی وجہ سے ان کے اپنے استاد اور اہل حدیث کے سب سے بڑے مولوی صاحب مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے آپ کو بیسیوں دفعہ چھپا مرزائی لکھا۔ اپ کی تفسیر کے بارے میں اشتہار شائع کئے کہ اس میں مرزائیوں کی تفسیر کی نقل ماری گئی ہے اسے نہ پڑھیں وغیرہ وغیرہ آپ کے دل میں احمدیت بہت واضح تھی لیکن دماغ اس کو زمانے کی مارکیٹ ضروریات کے خلاف خیال کرتا تھا میں مثال کے لئے صرف ایک حوالہ درج کرتا ہوں

اگست 1940 میں ایک احمدی مبلغ سلسلہ جناب مولوی کرم الہٰی ظفر صاحب جو بعد میں مبلغ سپین مقرر ہوئے کو دہلی سے کوئی 13 میل دور واقع قصبہ مہرولی میں مشہور بزرگ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جنہوں نے وہاں پر مسلمانوں کی قبر پرستی کا افسوسناک مظاہرہ بچشم خود دیکھا تو واپسی پر یہ تمام تفصیل الفضل 23 اگست 1940 میں لکھ کر شائع کر دی۔ مولوی ثناءاللہ امرتسری

صاحب نے 6 ستمبر 1940 کو اپنے اخبار اہل حدیث میں الفضل کی یہ ساری رپورٹ نقل کر کے نیچے حسب ذیل نوٹ لکھا

''برادران توحید کیا یہ آواز سن کر بھی آپ لوگ بزم توحید قائم کرنے میں غفلت سے کام لیں گے؟ کیا ابھی کچھ اور بھی سننا چاہتے ہیں؟ میری رائے کو کوئی صاحب غلط نہ ٹھہرائیں تو میں یہ کہنے سے نہیں رک سکتا کہ مسلمان قوم آپس میں تقسیم کار کر لے۔ سیاسی مسلمان جن میں مرزائی بھی شامل ہیں بے شک غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کریں اور ان کو کلمہ پڑھا کر مردم شماری کی حیثیت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھاتے جائیں جو ان کی اصلی غرض ہے۔ مگر اہل توحید اصحاب یہ کام اپنے ذمہ لیں کہ مسلمانوں میں جو رسوم شرکیہ رائج ہو چکی ہیں وہ اُن کی اصلاح پر توجہ کریں تا کہ وہ لوگ صحیح معنی سے عنداللہ مسلمان ہو جائیں پس دونوں فریق اپنا اپنا کام کرتے جائیں۔ ہمارے مشورہ پر عمل کریں تو دونوں اپنے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں''

(اہل حدیث 6 ستمبر 1940 ص 8 امرتسر)

نعت۔۔۔۔احمد منیب



رہِ ہُدیٰ میں محمدؐ ہی نام برتر ہے
تمام خُلق میں ہر اک نبی سے بڑھ کر ہے
وہ اپنے حسن میں بامِ کمال پر بھی ہے
جمال پر بھی ہے اَوجِ جلال پر بھی ہے
محبتوں کی بدولت تو بخششوں کے طفیل
ہر ایک اُمتی شاخِ نہال پر بھی ہے
دل و نظر میں مقامِ محمدیتؐ ہے
ہے رُوح سجدہ میں، موجِ خیال پر بھی ہے
دُرودِ پاک کی محفل تو آج گھر گھر ہے
تمام خُلق میں ہر اک نبی سے بڑھ کر ہے
ہے ناز رحمتِ عالم پہ ہم غلاموں کو
جو اپنے ہاتھ سے کرتا تھا سارے کاموں کو
جبینِ عجز بھی پالان کو لگی جا کر
درخت جھکنے لگے راہ میں سلاموں کو
کلام اُس پہ جو اُترا اَتم ہے افضل ہے
نماز اُس نے پڑھائی ہے سب اماموں کو
نہ اُس کو فخر ہے اِس پر کہ سب سے بہتر ہے
تمام خُلق میں ہر اک نبی سے بڑھ کر ہے
بلا کا رُعب ہے اُس حسن کے تصور میں
کشش ہے اَمر میں اور جذب ہے تہوُّر میں
سکوتِ لب میں ہے پنہاں حرا کی تنہائی
نکات کھلتے ہیں ہر لفظ پر تدبر میں
دُرود پڑھتے ہیں، پڑھ پڑھ کے ہم سنورتے ہیں
قدم قدم پہ ہیں اَفضال اُس تذکر میں
عدو کے واسطے اُس کی نظر تو اَخگر ہے
تمام خُلق میں ہر اک نبی سے بڑھ کر ہے
کلام اُس کا امامُ الکلام ٹھہرا ہے
مقام اُس کا ہی عالی مقام ٹھہرا ہے
بہت سے گزرے ہیں پہلے، بہت سے گزریں گے
غلام اُس کا ہی ذِی احتشام ٹھہرا ہے
نظر اُٹھا نہ سکے اور نظر ملا نہ سکے
کہ اُس کی نظروں میں ایسا نظام ٹھہرا ہے
ثبات اُس کو ہے باقی تمام صرصر ہے
تمام خُلق میں ہر اک نبی سے بڑھ کر ہے
سُروں میں سب سے سُریلی صدا بھی اُس کی ہے
ہر اک نگاہ میں جچتی اَدا بھی اُس کی ہے
حیات اُس کی ہے صادق، فنا بھی اُس کی ہے
لقا بھی اُس کو ہے حاصل بقا بھی اُس کی ہے
وہی ہے خاتم و اَکمل، اَتم ہے اُس کا وجود
یہ نعت اُس کی ہے ہر اِک ثنا بھی اُس کی ہے
غلام ہے یہ مرا دل جو اُس کے در پر ہے
تمام خُلق میں ہر اک نبی سے بڑھ کر ہے
میں صدقے جاوں ہر آنسو کے جو حرا میں گرا
اک ایک اشک سے چشمہ ہُدیٰ کا بہ نکلا
ہے زیرِ بار ہر اک علم پیارے قرآں کا
جو میرے اُمی لقب پر ہے آن کر اُترا
وُہی تو چشمہ رَواں ہے کتاب و حکمت کا
غلام بانٹتا پھرتا ہے اُس کا ہر قطرہ
ملا مقام یہ اَحمدؐ کو اُس میں مر کر ہے
تمام خُلق میں ہر اک نبیؐ سے بڑھ کر ہے



پیر افضل قادری صاحب اور تابوت میں آخری کیل



تحریر ذوالکفل کاغانی

بچپن گزرا، جوانی آئی اور نہ جانے کب چاندی جیسے بالوں کا تحفہ دے کر بڑھاپے کی ڈھلانوں پر لڑھکا کر چلی بھی گئی مگر ایک نعرے سے کان کبھی نامانوس نہیں ہوئے کہ آج ہم نے احمدیت یا بقول عزیزان شہر قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیا ہے۔ زندگی کی ان بیسیوں بہاروں میں ہم نے بہت سے خطابت کے گھوڑے پر سوار مقررین کو دیکھا، بعض کو سنا ، بہت سوں کو پڑھا۔ زمانے بدلتے ہوں تو شائد بدل گئے ہونگے۔ الفاظ کے چناؤ اور لہجے کے تاروبیم بھی ہوسکتا ہے کچھ اوپر نیچے ہو گئے ہونگے مگر ایک چیز ہمیشہ سے مشترک تھی اور شائد آئندہ کے پندرہ بیس سال بھی مشترک ہی رہے گی اور وہ ہیں وہ آلات حرب جو ایک مولوی صاحب جب جماعت احمدیہ کے قلعہ پر سنگ باری کرنے اور فتح کا میڈل سینے پر لگانے کے لئے گھر سے نکلتے ہیں تو ان کو ساتھ لے جانا کبھی نہیں بھولتے اور وہ ہے ایک ہتھوڑا اور ایک کیل۔ اور یہ وہی نوکیلا کیل ہے جو ہر مولوی صاحب ہزاروں دفعہ نہیں لاکھوں دفعہ جماعت احمدیہ کے جذبات کے سینے میں ٹھونک چکا ہے مگر ہر دفعہ جب کسی احمدی کے سینے میں یہ ظلم کا کیل چبھتا ہے اور دکھوں کا ابلتا خون نکلتا ہے اور ایک بیٹی اپنی دادی کے ساتھ زندہ آگ کی لپٹوں میں بند دروازے کے اندر بے بسی سے تڑپ تڑپ کر مرتی ہے تو بڑا سکون دل کو ملتا ہے اور ایک اور فاتحانہ انداز میں اگلے دن کی اخبارات میں ہم اپنا نام امر کرواتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ آج ہم نے قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ مگر چند لمحے گزرتے ہیں تو دل اس خوشی کو بھلا کر پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹ رہا ہوتا کہ اگر قادیانیوں کی سرگرمیوں کو لگام نہ دی گئی تو ہم یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ پتہ نہیں کون سا تابوت ہے جس میں روز آخری کیل ٹھوکتے ہیں اور پھر روز شام کو شام غریباں مناتے ماتم کر رہے ہوتے ہیں کہ قادیانی اس ملک میں بھی پھیل گئے اور اس میں بھی ۔ اس ادارے میں بھی داخل ہو گئے اور اس میں بھی۔ حکومت قادیانیوں کو لگام دے حکومت یہ قانون بنائے اور حکومت وہ قانون بنائے۔ او بھلے مانسو یا تو آپ کا آخری کیل ٹھونکنے والا بیان جھوٹا ہے اور یا پھر یہ کہ ہر ظلم کے بعد بھی جماعت کی نار کنے والی ترقی اور جماعت احمدیہ پر خدا کے افضال کی بارش آپ کو حسد سے پاگل کر دیتی ہے اور آپ پھر سے مزید ظلم کے لئے بھاگ نکلتے ہو۔

یوں ہماری ساری عمر گزر چلی ہے اور جماعت احمدیہ پر تو ایک صدی گزر چلی ہے یہ تابوت اور کیل والی سرکاریں روز آگ پھنکارتے گھر سے نکلتے ہیں اور پھر سارا دن منہ کو خون سے لال بھبھوکا کرتے ہیں اور شام ڈھلے ایک لٹے ہوئے قافلے کے تھکے ہوئے مسافر کی طرح روتے دھوتے اپنی ریٹائرمنٹ کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔ آج کی شام ایک اور عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب پیر افضل قادری صاحب کی شکل میں ایک کند ذہن بچے کی طرح سامنے لکھے ہوئے کاغذ کو بہت دھیمی مگر بے حد سپاٹ اور مردہ آواز میں طوطے کی طرح پڑھتے ہوئے اپنے مولوی شپ کے کام سے ریٹائر ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ "میں ہارٹ فیلیئر ، فالج، امراض گردہ، ہائی شوگر، ہائی بلڈ پریشر، وغیرہ امراض کا شکار ہوں،۔ میں انتہائی معذرت خواہ ہوں۔ آخر میں اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ علالت کے باعث گزشتہ سال ریٹائرمنٹ کا فیصلہ کر لیا تھا اب چونکہ صحت مزید علیل اور شدید جسمانی کمزوری واقع ہو چکی ہے لہذا تحریک کی عملی جدوجہد سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کرتا ہوں۔ پیر افضل قادری

پیر افضل قادری صاحب نہ آپ کا آغاز ہمارے لئے نامانوس تھا نہ آپ کا انجام۔ ہم نے تو پوری ایک صدی میں ہر خندق کھود کر اس میں آگ بڑھکانے والے کو ایسے ہی کیلوں کے تھیلے سے لیس پایا تھا۔ ایسے ہی ہم نے ہر شب قدر مردان میں احمدی سینوں سے خون کے ابلتے فوراوں کو تو کبھی چک سکندر، ننکانہ صاحب، ایبٹ اباد، بالاکوٹ کے احمدی گھروں سے اٹھتے شعلوں اور دھوئیں کے بادلوں اور اس کے ارد گرد رقص کرتے پتلے دیکھے مگر کسی احمدی کو نہ بھیک مانگتے نہ زندگی مانگتے دیکھا اگر دیکھا تو صرف اپنے مولا کے حضور گڑگڑاتے دیکھا۔ چوکوں و چوراہوں اور اخبارات میں تو صرف استعفوں اور ناکامیوں کے دکھڑے والوں کو دیکھا۔

"امیر شریعت جناب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب جنہوں نے فرمایا تھا کہ "مرزا محمود کو آگاہ رہنا چاہئے کہ اس کی بڑ کا سال گزر گیا ہے۔ لو اب 53ء بخاری کا سال ہے اور میں اپنے مولا کریم کے فضل و کرم سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہوشیار ہو جاؤ۔ آخری فتح میری ہوگی"۔ (تقریر سید عطاء اللہ شاہ بخاری ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ 26 دسمبر 1952ء اخبار آزاد 16 جنوری 1953) "آج ظفر اللہ خاں کو ہٹا دو اگر کل کو پچاس فیصد مرزائی مسلمان نہ ہو جائیں تو میری گردن مار دو۔ اگر مرزائیوں کو اقلیت قرار دے دو تو محمود ڈھونڈے گا کہ میرے باوا کی امت کہاں ہے؟" (احراری اخبار آزاد 18 جنوری 1953ء) "ہمارا ایمان ہے کہ مرزائیوں کو شکست ہوگی اور جو طاقت بھی ہمارے پروگرام میں حائل ہوگی ہم اسے بھی ہٹا دیں گے۔" (اخبار آزاد 6 فروری 1953ء) مگر پھر اسی طرح ایک اداس شام تھکے ہوئے لہجے میں اپنی

ریٹائرمنٹ کا اعلان کرتے ہوئے روہانسے ہو گئے تھے۔اور کیلوں والا تھیلا اور ہتھوڑا پھینک کر ہارے ہوئے مسافر کی طرح فرمایا تھا "ہمیں اپنے مقصد میں اس لئے کامیابی نہ ہوسکی کہ ہمارا سرمایہ خوب تھا مگر نسل ناخوب تھی نتیجہ ظاہر ہے آبائی ورثہ بھی کھویا، اپنی کمائی بھی گنوائی اور مستقبل کو بھی مخدوش بنا دیا۔میں نے آخری سوال کی اجازت چاہی اور اسے دو طرح سے پوچھا، ایک شکل یہ تھی کہ اگر قیامت کے دن آپ سے پوچھا گیا کہ اے وہ شخص جسے بیان وکلام میں چالیس کروڑ افراد پر فوقیت دی گئی تھی اس خطابت کا حساب پیش کرتو آپ ناکام تحریکوں کے علاوہ کیا پیش کریں گے؟۔ اسی سوال کی دوسری شکل یہ تھی کہ آپ اپنی خطابت اور طلاقت کا دوبارہ وہی استعمال کریں گے یا آپ کی زندگی بالکل نئی ہوگی۔شاہ جی یکا یک خاموش ہو گئے۔ان کی خاموشی میں آزردگی بھی شامل تھی۔میں نے موضوع بدل دیا اور اپنی آٹو گراف البم ان کے سامنے کر دی۔شاہ جی نے اسے پہلو پر رکھا اور لکھا

وہ اُٹھتا ہوا اک دھواں اول اول
وہ بجھتی سی چنگاریاں آخر آخر
قیامت کا طوفان صحرا میں اول
غبار رہِ کارواں آخر آخر
چمن میں عنا دل کا مسجود اول
اور گیاہ رہ گلرخاں آخر آخر

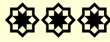
(آواز دوست مصنفہ مختار مسعود ص132)

ان سے بھی چند سال پیچھے چلے جائیں یعنی احمدیت کے درمیان سے آغاز کی طرف سرک جائیں تو مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے کیلوں والے تھیلے پر ہی نہیں اپنے ہتھوڑے پر لکھوائے بلکہ کندہ کروائے گھومتے اور نعرہ لگاتے نظر آتے ہیں کہ "میں نے ہی مرزا کو آسمان تک پہنچایا تھا اور اب میں ہی گراؤں گا اور پھر کوئی محلہ کوئی گلی کوئی موقعہ کوئی سال کوئی فتویٰ کوئی گالی کوئی کوئی کیل کوئی کانٹا غرض کوئی درد دینے کا بہانہ ہو اور مولوی صاحب چوک جائیں حتیٰ کہ وہ کیل ٹھونکنے کے کھیل میں عیسائی پادریوں تک کے ساتھ جا کھڑے ہوئے مگر پھر آخر ریٹائرمنٹ کیسے ہوئی۔جھنجھلاہٹ میں اپنے ہی شاگرد مولوی ثناءاللہ امرتسری سے لڑ پڑے اتنا لڑے کہ انہیں اہل حدیث کے جلسوں میں ہی آنے سے روک دیا گیا۔وہ جو اپنے کو وکیل اہل حدیث اور شیخ العجم والعرب کہلواتے تھے اپنے فرقے کے لوگوں نے ہی اسے ایک جھوٹا اور تیز زبان بابا قرار دے کر متروک کر دیا۔اور پھر ایک دن اتنا تھک گئے کہ اپنے تمام بیٹوں اور بیٹیوں سے بھی لڑ پڑے۔حتیٰ کہ بیویوں سے بھی۔اور پھر سب کو عاق کر دیا اور اپنے بیٹوں یہاں تک کہ بیٹیوں کی بدنامی پر مبنی تحریرات اپنے ہی رسالے میں شائع کر دیں۔لڑتے لڑتے تنہا اپنا کیلوں والا تھیلا اور ہتھوڑا اسی دنیا میں پھینک کر ایک روز خاموشی سے کسی کونے کھدرے میں فوت ہو گئے اور تاریخ آج ان کی قبر سے بھی ناواقف ہے۔

پیر افضل قادری صاحب حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک قول آپ کے دوسرے امیر المجاہدین جناب خادم رضوی صاحب کے لئے پیش کرتا ہوں
"حق کا پرستار کبھی ذلیل نہیں ہوتا چاہے سارا زمانہ اس کے خلاف ہو جائے اور باطل کا پیروکار کبھی عزت نہیں پاتا چاہے چاند اس کی پیشانی پر نکل آئے"

حضرت بلھے شاہ نے فرمایا تھا کہ

علم پڑھیا اشراف نہ ہوون جیہڑے ہوون اصل کمینے
پتل کدی نئیں سونا بندا بھانویں جڑیئے لعل نگینے
شوم تھیں کدی نئیں صدقہ ہوندا پاویں ہوون لکھ خزینے
بلھیا باج توحیدنئیں جنت ملنی بھانویں مریئے وچ مدینے




نعت

{ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا}



میرے ادراک کی ہر ڈور بندھی آپؐ سے ہے
جسم و جاں آپ کے ہیں، دل کی لگی آپؐ سے ہے

اپنے ہونے کا، نہ ہونے کا تھا عقدہ لاحق
پیچ در پیچ سی یہ گرہ کھلی آپؐ سے ہے

بحرِ ظلمات میں ڈوبے ہوئے ہر عاجز کے
دل میں امید کی ہر موج اٹھی آپؐ سے ہے

نفرتوں کا ہو الاؤ، یا جہالت کا سَقَر
عالمِ دہر کی ہر آگ بجھی آپؐ سے ہے

تجھ سے وابستہ ہوئے خیرِ اُمم کہلائے
اپنی یہ خیرِ رسل، اَوجِ بنی، آپؐ سے ہے

شرک چھایا تھا گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح
بزمِ توحید کی ہر شمع جلی آپؐ سے ہے

ابنِ فارس ہوا سادات گھرانے میں شمار
کوئی سیّد ہے یا ہے مُصطفوِی، آپؐ سے ہے

آہ کیوں بھول گیا ناعاقبت اندیش یزید
کہ سر افراز حسین ابنِ علیؓ آپؐ سے ہے

حمد سے دل ہے یہ لبریز تو مدحت بزباں
نازِ گویائی ہو یا خوش قلمی، آپؐ سے ہے

جناب وزیراعظم صاحب ٹیپو سلطان کے غداروں کی لسٹ حاضر ہے

تحریر حامد صحرائی



جناب وزیراعظم صاحب! آپ نے حالیہ پاکستان انڈیا کشیدگی پر قومی پالیسی بیان دیتے ہوئے پاکستان اسمبلی میں کھڑے ہوکر فرمایا تھا کہ ہمارا ہیرو ٹیپو سلطان نہ کہ بہادر شاہ ظفر۔ آپ کی خوبصورت سوچ کو سلام اور آپ کی بہادری کے صدقے۔ یقیناً ٹیپو سلطان ہندو پاک کے غیر متنازعہ ہیرو تھے اور ہیں اور رہیں گے۔ کیونکہ ہندوستان میں آپ نے بدیشی استعمار کے خطرہ کو سب سے پہلے سمجھا۔ مردانہ وار دفاع کیا اور غیرت وحمیت کی زندہ تصویر بن کر موت کو گلے لگایا۔ کسی شاعر نے آپ کے متعلق ہی کہا تھا

اس کے اُٹھتے ہی مسلمان کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انگریزوں کو ان سے بڑھ کر کوئی اور حریف نہ ملا۔ سلطان کی حکومت جنگ کے دوران شروع ہوئی اور جنگ کے دوران ہی ختم ہوئی۔ سارے ہندوستان میں میسور ہی ایک ایسی ریاست تھی جس نے انگریزوں کے خلاف ایک نہیں چار جنگیں لڑیں ان میں دو جنگیں تو ایسی تھیں جس نے انگریزوں کے دانت کھٹے کردیئے۔ ان کے سپہ سالار بلبلا اٹھے۔ یا کٹ گئے یا بھاگ گئے۔ قریب تھا کہ انگریزوں کے سارے منصوبوں پر پانی پھر جائے اور وہ اس ملک سے بے دخل ہوجائیں مگر انگریزوں نے جنوبی ہند کے امراء کو ساتھ ملالیا اور یوں غداران وطن کے تعاون سے ایک عظیم شیر کا شکار کرلیا۔ مؤرخ ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں ٹیپو سلطان کا نام ہمیشہ سنہری حروف سے ہی لکھے گا مگر مجھے ان غداران وطن کی تاریخ لکھنی ہے جو ٹیپو سلطان جیسے شیروں کو بھی ناکام کردیتے ہیں اور انہیں دشمنان وطن کے ہاتھوں چند کوڑیوں کے عوض بیچ دیتے ہیں۔ آج ہمارا کپتان، ہمارا وزیراعظم پھر ٹیپو سلطان کے نام کا جھنڈا اٹھانے کی بات کر رہا ہے تو اُسے پتہ ہونا چاہئے کہ ہر ٹیپو سلطان کے غدار کیسے ہوتے ہیں، کون ہوتے ہیں اور کیسے اپنا وار کرتے ہیں؟

سلطان کی سلطنت خداداد کے زوال اور انگریزوں کی ٹیپو پر فتح کا اگر کوئی سرسری جائزہ بھی لے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس میں سازشوں کے وسیع جال، اور سلطان کے وزراء وافسران کی ملت فروشی وضمیر فروشی نے اہم کردار ادا کیا۔ غداروں کی ایک بڑی تعداد تو ان لوگوں پر مشتمل تھی جو فطری طور پر اپنے مذہبی پس منظر، ذاتی خباثت یا نسلی منافرت کی وجہ سے شروع دن سے ہی سلطنت خداداد اور اس کے بانیوں کے خلاف رہی۔ البتہ کچھ لوگ ان میں وہ بھی تھے جو 1792 میں معاہدہ سری رنگا پٹنم کے مطابق سلطان کی آدھی سلطنت اس کے ہاتھوں سے چلے جانے کے بعد ذاتی مفادات اور شخصی اغراض کے لئے سلطان کے سیاسی زوال کا یقین کرکے اس کے خلاف ہوگئے جن میں سرفہرست میر معین الدین تھے اور میر قمر الدین وغیرہ تھے۔ بعض غدار تو ایسے تھے کہ جن کی بے وفائی اور احسان فراموشی، جن کے اعمال واقوال سے بعد والوں نے نتیجہ نکالا کہ انہوں نے اپنا فلاں کام سلطان کو دھوکہ دینے کے لئے کیا تھا۔ یا ان کی فلاں رائے میں بدنیتی پوشیدہ تھی مثلاً بدرالزمان خان نائطہ وغیرہ۔ اسی طرح سے دھاڑوار میں مقرر قلعہ دار حیدر بخش نے 1786 میں جب مرہٹوں نے دھاڑوار پر حملہ کیا تو اس نے رشوت لے کر بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ مرہٹوں کے حوالے کرکے پیسے سمیٹے اور پونا میں جا کر نانا فرنویس کے پاس جا کر پناہ لے لی۔ کرشنا راؤ، سلطان کا انتہائی معتمد اور قابل بھروسہ افسر تھا۔ انگریزوں کے خلاف میسور کی تیسری جنگ میں بنگلور کے قلعہ کی حفاظت پر مامور تھا لیکن انگریزوں نے پیسے کے لالچ سے اسے خرید لیا تو اس نے قلعہ کے اندر موجود سلطانی فوج میں کمی کردی جس کے بعد دشمن آسانی سے قلعہ پر قابض ہوگئے۔ اس کی اسی سازش کی وجہ سے انگریزوں کے حملہ میں ایک ہزار میسوری مجاہد شہید ہوگئے جس میں سلطان کے معتمد خاص سید حامد اور شیخ انصار بھی شامل تھے۔ میر صادق، یہ نظام حیدرآباد کے وزیر میر عالم کا بھائی تھا۔ نظام حیدرآباد کو سلطان سے دور رکھنے اور انگریز سے قریب کرنے میں اسی میر عالم کا نمایاں ہاتھ تھا۔ اس طرح میر صادق کے ساتھ میر عالم نے بھی سلطان کی سلطنت کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔ کیونکہ نظام کے تعاون کے بغیر انگریزوں کے لئے چوتھی جنگ میں فتح پانا ناممکن تھا۔ میر صادق ٹیپو سلطان کا چیف سیکرٹری اور پھر حکومت کا ایک اہم وزیر بنا۔ بعد میں پوری سلطنت میں ٹیپو کا نائب بن گیا۔ یہ بڑا ہی چاپلوس تھا۔ بات بات پر قرآن کی قسم کھاتا تھا۔ یہ انگریز کمپنی کو سلطان کی فوجی تیاریوں کی اطلاع مسلسل پہنچاتا رہا۔ شہادت سے کچھ گھنٹوں قبل جب سلطان نے انگریز سپاہیوں سے لڑتے ہوئے ڈوڈی دروازہ سے واپس شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو اسی بدبخت نے اس دروازے کو بند کردیا تھا۔ اور خود کمک لانے کا بہانہ کرکے قلعہ سے باہر نکل گیا تھا۔ کڑپہ سے تعلق رکھنے والے سلطان کے ایک وفادار سپاہی احمد خان نامی سے یہ سب دیکھا نہ گیا۔ اس نے یہ کہتے ہوئے اسی وقت اس پر تلوار سے حملہ کیا کہ سلطان کو دشمن کے حوالہ کرکے خود کہاں بچ کے جارہا ہے اور ایک ہی وار سے اس کا سرتن سے

جدا کر دیا۔ پورنیا، حیدر علی کے ہندو وزیر کشنا راؤ کی سفارش سے اس کو سرکاری نوکری مل گئی شروع میں یہ باربرداری اور نقل وحمل کے سرکاری شعبہ کا سیکرٹری تھا لیکن جلد ہی ترقی کرتے ہوئے سلطان ٹیپو کے حلقہ خاص میں شامل ہو گیا۔ اور وزیر مالیات بنا دیا گیا۔ بعد میں پارلیمان قائم ہونے پر میر صادق کا نائب یعنی پوری سلطنت کا تیسرے درجہ کا بااختیار شخص بنا دیا گیا۔ اسی شخص نے فرانسیسیوں اور سلطان کے درمیان ہونے والے فوجی معاہدہ کی نقل میسور کی رانی لکشمی امانی کو پہنچائی جس نے اس کی اطلاع انگریز جنرل ہارس کو پہنچائی۔ چوتھی جنگ میں سرنگا پٹنم کے اندرونی حالات اور جنگی تیاریوں کی خفیہ اطلاعات انگریز تک پہنچانے میں میر صادق کے ساتھ برابر کا شریک تھا۔ اور یہی وہ بد بخت تھا جب قلعہ کی دیوار میں شگاف پڑ گیا تو یہ وہاں موجود سلطانی افواج کو تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے ہٹا کر مسجد اعلیٰ کے پاس لے گیا۔ جس کے بعد انگریز آسانی سے بغیر کسی مزاحمت کے اسی شگاف کے راستے شہر میں داخل ہو گئے۔ میر غلام علی لنگڑا، ہم اسے سلطان کا وزیر خارجہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ سفارتی امور میں بڑا ماہر تھا۔ جب 10 مارچ 1786 کو قسطنطنیہ خلیفہ روم کی خدمت میں اپنا سفارتی مشن بھیجا تو اس وفد کا سربراہ میر غلام علی لنگڑا ہی تھا۔ 1792 میں سلطان نے جب اپنی بحری فوج کو از سر نو منظم کیا 22 جنگی جہازوں اور 20 تجارتی جہازوں کا اضافہ کیا تو اس کو پہلا وزیر بحریہ بنایا۔ 1788 میں سلطانی وفد کے ساتھ قسطنطنیہ خلیفہ روم کے پاس گیا مگر اس دوران اس نے قسطنطنیہ میں متعین برطانوی سفیر سے ملاقات کی اور اس کو سلطان اور شاہ فرانس سے مراسلت کی تفصیلات اور بہت سے فوجی راز بھی بتا دیئے۔ اور اس کے بعد سلطنت کے تمام راز دشمن تک پہنچا تا رہا۔ میر معین الدین، یہ سلطان کا خسر اور ماموں بھی تھا۔ عام طور پر ان کو سید کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ یہ ٹیپو کی فوج کا سپہ سالار تھا اور 1799 کی آخری جنگ میں دارالسلطنت کے قلعہ کی کمان اسی کے ہاتھ میں تھی۔ انگریز نے اس کو ایک جاگیر کا لالچ دے کر خرید لیا۔ چوتھی جنگ کے باقاعدہ آغاز سے کچھ دن قبل سلطان ٹیپو بمبئی سے آنے والی جنرل اسٹورٹ کی انگریزی فوج کو شکست دے کر جنرل ہارس کے مقابلہ کے لئے جب دارالسلطنت واپس آیا تو اس نے میر معین الدین اور پورنیا ہی کو اپنا نائب بنا کر وہاں چھوڑا۔ اور ان کو یہ ذمہ داری سونپی کہ انگریزی فوج کو وہ کچھ دنوں تک راستہ ہی میں الجھائے رکھیں۔ لیکن میر معین الدین اور پورنیا نے طے شدہ پروگرام کے مطابق کوئی مزاحمت نہ کی۔ اور وہ بلا روک ٹوک آسانی سے دارالسلطنت پہنچ گئے اور سلطان کو تیاری کا موقع بھی نہ مل سکا۔ اور یوں ان نمک حرام وزراء کی سازش سے انگریزی فوج نے فوراً محاصرہ کر لیا۔ اسی نے پورنیا کے ساتھ مل کر قلعہ کے شگاف کی حفاظت پر مامور سلطانی سپاہیوں کو تنخواہ کی تقسیم کے بہانے ہٹا دیا۔ جب یہ قلعہ پر قبضہ کے لئے انگریزوں کو اشارے کر رہا تھا تو اس کو ایک جانباز نے دیکھ لیا اور اس نے ایک ہی وار کر کے اسے ڈھیر کر دیا۔ میر قمر الدین، یہ سلطان کا ماموں زاد تھا۔ یہ سلطانی فوج میں سپہ سالار تھا۔ میسور کی آخری جنگ میں سلطان نے اس کو انگریزوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے کورگ روانہ کیا لیکن اس نے ایک سازش کے تحت بغیر کسی مزاحمت کے انگریزی فوج کو دارالسلطنت پہنچنے دیا۔

میر قاسم علی۔ یہ سری رنگا پٹنم قلعہ کا محافظ تھا۔ 1799 کی جنگ کے عین موقع پر یہ چھٹی لے کر حیدرآباد آرام کرنے کا بہانہ بنا کر چلا گیا۔ سلطان نے اسے باعزت طریقہ پر قیمتی تحائف دے کر رخصت کیا۔ لیکن یہ بدبخت حیدرآباد کی بجائے انگریزوں کے پاس چلا گیا۔ اور قلعہ کی تمام اندرونی تفصیلات سے دشمنوں کو آگاہ کر دیا۔

ایاز خان۔ یہ نواب حیدر علی خان کا لے پالک تھا۔ 1779 میں اسے بدنور حیدر نگر کا گورنر بنایا گیا۔ اس نے بمبئی سے جنرل میتھیوز کی قیادت میں آنے والی فوج کو اس شرط پر بغیر مزاحمت قبضہ دے دیا کہ ان علاقوں پر بعد میں اس کی گورنری بحال رکھی جائے گی۔ اور خود اپنا سامان سمیٹ کر سورت چلا گیا۔

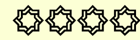
عثمان خان کشمیری۔ یہ پائیں گھاٹ میں کرور کا قلعہ دار تھا۔ 1783 میں جب انگریزی افواج ترچنا پلی سے کرنل لانگ کی قیادت میں کرور پر قبضہ کے لئے آگے بڑھیں تو باوجود اس کے کہ قلعہ میں مدافعت کے لئے ایک بڑا فوجی دستہ تھا اور سامان رسد بھی وافر تھا، عثمان خان کشمیری نے انگریزوں کی طرف سے اس کو دیئے گئے لالچ میں کہ اس کو ترقی دے کر گورنر بنا دیا جائے گا بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

مہدی علی خان۔ یہ میسور کی تیسری جنگ تک سلطان کا وزیر تھا لیکن جب سلطان کو اس کی انگریزوں سے ملی بھگت کا پتہ چلا تو یہ بھاگ کر انگریزی فوج میں چلا گیا۔ شیخ شہاب الدین۔ یہ سلطان کے محکمہ مالیات کا افسر تھا لیکن ہمیشہ انگریز کے مفاد کے لئے کام کرتا رہا۔

راجہ خان۔ یہ سلطان کا ملازم خاص تھا۔ چوتھی جنگ میں جب سلطان سید عبدالغفار کی شہادت کی خبر سن کر گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ کی فصیل کے پاس انگریزوں کے مقابلہ کے لئے نکلا تو یہ بھی سطان کے ساتھ تھا۔ اس کو سلطان نے پانی کی چھاگل ساتھ رکھنے کے لئے کہا تھا۔ جب سلطان زخمی ہو کر گرا تو اس نے پانی نہیں دیا بلکہ بار بار کہہ رہا تھا کہ اب شکست یقینی ہے آپ اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیں کم از کم آپ کی جان تو بچ جائے گی۔ اسی موقعہ پر سلطان نے پلٹ کر اسے تاریخی فقرہ کہا تھا "کیا تم پاگل ہو گئے ہو خاموش رہو میرے لئے شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے" سلطان کی شہادت کے بعد اسی نے ان کے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار چرایا تھا۔

جناب عمران خان صاحب وزیر اعظم پاکستان ٹیپو سلطان کو اپنا ہیرو بنایئے، ٹیپو سلطان کی طرح قوم کی خدمت کیجئے، ضرور کیجئے اللہ آپ کی نیک خواہشات کو پورا کرے مگر یاد رکھئے تاریخ بچوں کا کھیل نہیں۔ خدا کی کتاب بتاتی ہے کہ تاریخ میں

عقل مندوں کے لئے سبق ہے عبرت ہے۔تاریخ کے مطابق ٹیپو سلطان کے نیک ارادوں کو سبوتاژ کس نے کیا؟انہوں نے جوان کے بہت معتمد تھے،وزیر تھے،لے پالک تھے ،ماموں تھے ماموں زاد تھے،وزیر خارجہ تھے ،وزیر بحر تھے،وزیر مالیات تھے،سپہ سالار تھے،قلعوں کے نگران تھے۔لیکن ایسا کیوں ہوا؟ اتنے قریب کے لوگ اتنے بے وفا کیسے ہو گئے؟ تاریخ بتاتی ہے کہ ان میں سے بہت سوں پر کیس تھے ۔ بہت سوں کی غداری،نمک حرامی اور قانون شکنی ثابت ہو چکی تھی،بعض کو ٹیپو سلطان کے والد سزا موت بھی سنا چکے تھے لیکن ٹیپو سلطان نے اپنی پسند اور ناپسند پر،اپنے تعلقات پر،اپنی معلومات پر اور اپنی مرضی پر بہت سے عدالت سے سزا یافتہ جرموں کو معاف کر دیا بلکہ معاف ہی نہیں کیا ان کو اپنے معتمدان خاص میں شامل کر لیا۔اور پھر وہی ہوا نہ فطرت بدلی نہ ہوس بدلی۔مجرمانہ سوچ کے حامل معتمدان خاص نے ٹیپو سلطان جیسے عظیم لیڈر کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیا۔چند کوڑی کی جاگیریں اور نوکریاں لیں پارٹی بدلی اور برصغیر کی پوری قوم کو غلامی کے اندھیروں میں جھونک دیا۔اس لئے جناب وزیر اعظم صاحب آنے والے دنوں میں پنجاب کی سیاست آپ کی سیاسی بصیرت کا کڑا امتحان ہے۔ٹیپو سلطان بننا ہے تو ٹیپو سلطان کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان کی ناکامی کی وجوہات پر بھی آپ کو نظر رکھنا ہوگی۔





اسلام کا قلعہ اسلام سے باہر

تحریر: بشیر زادہ مشرقی افریقہ

بچپن سے سنتے آرہے ہیں کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔اتنے بچپن سے کہ قلعہ کے معنے بھی معلوم نہ تھے۔ذرا سن شعور کو چھوا تو قلعہ کے معنے معلوم ہوئے تو خیال کیا کہ کبھی اسلام کو ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا کہ اسکو اپنے بچاو کے لئے کسی قلعہ میں پناہ لینی پڑے گی۔بہرحال ہم اس پختہ یقین کے ساتھ سن بلوغ کو پہنچے کہ پاکستان یقینا اسلام کا قلعہ ہے۔لیکن ہمارے اعتماد،یقین اور فخر کو اس وقت سخت ٹھیس پہنچی جب سنا کہ اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں ہمارے سگے شریک اور دشمن ملک بھارت کی وزیر خارجہ کو اس کانفرنس کے اجلاس میں شمولیت کی خصوصی دعوت دی گئی ہے۔اور ہمیں کسی نے پوچھا تک نہیں۔ہمارے محترم وزیر خارجہ صاحب نے احتجاجا اعلان کیا کہ اس صورتحال میں وہ اس کانفرنس میں شریک نہیں ہونگے یہ احتجاج بنتا بھی ہے۔لیکن ممبر برادر اسلامی ممالک میں سے کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ یعنی برادر اسلامی ممالک نے ہمیں ہماری اوقعات یاد دلا دی ہے اور بتا دیا ہے اب انہیں کسی قلعہ کی ضرورت نہیں ہے۔1973 میں اس تنظیم کی بنیاد رکھی گئی تھی

پاکستان اور سعودی عرب کے ذوالفقار علی بھٹو اور شاہ فیصل اس کے بانیوں میں سے تھے۔اس طرح شاہ فیصل متولی کعبہ ہونے کی حیثیت سے اسلامی دنیا کے روحانی سربراہ اور بھٹو سیاسی راہنما بننا چاہتے تھے۔اس سلسلے میں ایک رکاوٹ تھی کہ مسلمانوں کے ایک فرقہ یعنی جماعت احمدیہ میں خلیفہ موجود تھا۔او ور ایک خلیفہ لی مجودگی میں دوسرا خلیفہ ممکن نہ تھا۔اس کا حل یہ نکالا گیا کہ جماعت احمدیہ کو اسلام سے ہی نکال دیا جائے۔سو اس کے لئے پاکستان کی اسمبلی کو استعمال کیا گیا اور احمدیوں کو اسلام سے جواب دے دیا گیا اور بندے اور خدا کے درمیان ملاں اور سیاست دان گھس بیٹھا۔لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور دونوں بانیان اپنی حسرتیں دلوں میں لئے ہی ملک عدم کو سدھار گئے۔

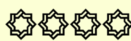
کوئی بچاس سے زائد اسلامی ممالک ہیں سب کی اپنی اپنی شناخت ھے اور اپنے اپنے مفادات۔سب مسلمان ہیں اور سب اپنے ملکی اور قومی مفاد کا سوچتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔صرف ہم ہی ہیں اپنے آپ کو اسلام کا قلعہ سمجھے بیٹھے ہیں۔اور خود ساختہ اسلام کے ٹھیکیدار بن کر مسلمانی کے سرٹیفکیٹ بانٹتے پھرتے ہیں۔دنیا میں ہر جگہ ہر کام میں ہم نے ٹانگ اڑائی ھوتی ہے۔کشمیر تو چلو ہماری شاہ رگ ہوئی اور کچھ جواز بن جاتا ہے۔لیکن افغانستان،فلسطین،چیچنیا،عراق،شام غرضیکہ دنیا میں کہیں بھی کوئی بھی مسئلہ ہو ہم پنگا لینے کے لئے حاضر ہیں۔

اب جبکہ برادر اسلامی ممالک نے واضح کر دیا ہے کہ انہیں اس قلعے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ سب اپنے اپنے مفادات کا تحفظ کرنے میں خود کفیل ہیں۔تو ہمیں بھی اس خود ساختہ نمبرداری یا ٹھیکیداری کے چھج سے جان چھڑا کر دنیا کے معروضی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوئے اپنی پالیسیاں ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔اس دنیا میں سب اپنے اپنے مفادات کے دوست ہیں یہ بات ہم جتنی جلدی سمجھ لیں گے اتنا ہی ہمارے لئے بہتر ہوگا۔

ہم جتنی جلدی طاہر اشرفی،انصار عباسی یا زائد حامد جیسی ذہنیتوں سے چھٹکارا پالیں گے اتنی جلدی ہم لائین پر آجائیں گے۔

دنیا کے تمام ممالک خواہ وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی سب کے تمام شہری بلاتفریق مذہب و رنگ و نسل برابر کے شہری ہوتے ہیں۔سوائے ہمارے پاکستان کے جہاں بنیادی شہری شناخت (شناختی کارڈ) کے حصول کے لئے مسلمان کو بھی حلف دینا پڑتا ہے کہ وہ مسلمان ھے اور غیر مسلم کو بھی حلف دینا پڑتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے

ہمارے وزیر اعظم خان صاحب جو کہ معاملہ فہمی کا ادراک رکھتے ہیں۔اور انتخابات سے پہلے وہ ملک کو ایک فلاحی ریاست میں تبدیل کرنے کے خواہاں نظر آتے تھے۔وہ وہ یقینا اپنے ٹارگٹ پر قائم ھوں گے اور جلد یا بدیر وہ ملک کو فلاحی ریاست میں تبدیل کر کے رہیں گے۔جس میں سب شہری بلاتفریق مذہب و رنگ و نسل و علاقہ برابر کے شہری ھوں گے۔اور بحیثیت شہری سب کے حقوق برابر ھوں گے۔





کاش آج حمید نظامی زندہ ہوتے تو آپ کو بتاتے کہ داود غزنوی کا رول کیا تھا

تحریر ابن صدیق

مذہبی دنیا میں، حال میں معجزے اور مستقبل کے لئے پیشگوئیاں ہوتی ہیں جبکہ ماضی ایک انمٹ اور غیر متزلزل حقیقت ہوتی ہے۔ ماضی بدلا نہیں جاسکتا۔ ماضی سے صرف سبق سیکھے جاتے ہیں۔فرعونوں اور ہامانوں کے ماضی کا مطالعہ عبرت کی داستان ہوتا ہے تو انبیاء، اولیاء اور صادقین کے ماضی کے احوال ایمان کی حلاوت و جذبوں کی شادابی کا موجب بنتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہمیشہ اپنی جگہہ پر اٹل رہتی ہے کہ ماضی کو بدلا نہیں جاسکتا۔اور ماضی سے کھلواڑ کرنے والے اور اس کو اپنی مرضی کا لباس پہنانے والے تاریخ میں سیاسی شعبدہ باز اور درباری مؤرخ قرار پاتے ہیں اور آج کی تاریخ میں یقیناً مولانا امیر حمزہ صاحب نے تاریخ پاکستان سے کھلواڑ کی کوشش کی ہے۔

جماعت الدعوۃ کے نائب امیر جناب مولانا امیر حمزہ صاحب نے 29 مارچ 2019 کی اشاعت میں روزنامہ دنیا میں مولانا تقی عثمانی صاحب پر ہونے والے قاتلانہ حملے کو موضوع سخن بنایا ہے اور اس حوالے سے جناب تقی عثمانی صاحب اور ان کے والد محترم جناب شبیر عثمانی صاحب کا تحریک پاکستان کے حوالے سے تعارف کروایا ہے۔یقیناً مولانا شبیر عثمانی صاحب کے حصے میں یہ سعادت آئی کہ انہوں بانی پاکستان کی موجودگی میں اور ان کے حکم پر پہلی دفعہ دارالحکومت کراچی میں پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرایا۔ایں سعادت بزور بازو نیست۔آپ یقیناً اس سعادت کے حق دار تھے آپ کی تحریک پاکستان کے حوالے سے دیگر قربانیوں کے ساتھ ساتھ ان اذیتوں اور تمسخر کا کوئی نعم البدل نہیں تھا جو آپ کو جمیعۃ العلمائے ہند یعنی ان کی اپنی سابقہ جماعت کی طرف سے ان کو جھیلنا پڑیں۔وہ ثابت قدم رہے اور قائد نے بھی ان کی اس عزیمت کو تحسین کی نظر سے دیکھا۔

مولانا امیر حمزہ صاحب جو حافظ سعید صاحب کے نائب اور آج کل بقول خورشید ندیم صاحب کن فیکون کے پاکستانی معجزے کی برکت سے شُبھ شُبھ بولنے اور محبت بانٹنے کے فریضے پر متعین ہیں نے خلاف مسلک مولانا شبیر عثمانی اور تقی عثمانی صاحب پر پھول نچھاور کرتے کرتے اپنا ایک "جماں بھی جنج میں ڈال دیا" کہ اس نفسانفسی میں تاریخ کی ورق گردانی کون کرتا ہے؟ چنانچہ آپ نے فرمایا

"23 مارچ اور 14 اگست کے دو دن ایسے دن ہیں‘ جو پاکستان کی تاریخ کے یادگار دن ہیں۔23 مارچ 1940ء کو پاکستان بنانے کا عزم کیا گیا تھا‘ تو 14 اگست 1947ء کو مذکورہ عزم نے زمینی حقیقت کا لباس زیب تن کیا تھا۔اس لباس کو پاکستان کا پرچم کہا جاسکتا ہے۔یہ لباس جب پاک وطن کو پہنانے کا دن آیا تو حضرت قائد اعظمؒ نے ایک فیصلہ کیا کہ پرچم مولانا شبیر احمد عثمانی لہرائیں گے۔دوسرے لفظوں میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے ہاتھ سے پاکستان کو لباس پہنایا جائے گا۔یہ پیغام شفاف اور واضح تھا کہ پاکستان کی مخالفت کی گرد میں ایسی شخصیت کو مذکورہ اعزاز سے نوازا گیا‘ جنہوں نے پاکستان کی حمایت میں بھرپور آواز بلند کرنے کے ساتھ ناقابل فراموش اور تاریخی کردار بھی ادا کیا۔یہ اعزاز حضرت مولانا سید داؤد غزنوی کے لیے بھی تھا۔حضرت پیر مہر علی شاہ کے لیے بھی تھا اور جناب محترم آغا خان کے لیے بھی تھا۔آج فضا صاف اور شفاف تھی۔گرد کا نام ونشان نہ تھا۔فضاؤں میں پاکستان کا مطلب کیا۔لا الہ الا اللہ کے نعرے تھے۔پاکستان زندہ باد کے نعرے تھے۔"

(روزنامہ دنیا مستقل کالم فاختہ زیر عنوان مولانا تقی عثمانی پر حملہ 2019/03/29)

مولانا شبیر عثمانی، پیر مہر علی شاہ اور محترم آغا خان جیسی تحریک پاکستان کی راہنما ہستیوں کے ساتھ جناب مولانا داود غزنوی صاحب کا نام نتھی کرنا اور پھر انہیں قائد کے اعزاز کا مستحق قرار دینا یہ یقیناً تاریخ پاکستان سے کھلواڑ ہے اور تحریک پاکستان کے ماضی کو یکسر الٹنے والی بات ہے۔امیر حمزہ صاحب آپ ایک عالم دین ہیں۔قرآن وحدیث کے پرچارک ہیں،بیسیوں کتب جہاد پر لکھ چکے ہیں آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ جھوٹ کس نجاست کا نام ہے اور تقویٰ کے آداب کیا ہیں۔ایک اسلامی عالم دین ہونا خود ہم پر کتنی پابندیاں واجب کرتا ہے لیکن یہ کیا؟ آپ نے تو مشرق ومغرب کو ملا دیا ہے۔ایک کانگریسی لیڈر اور تحریک پاکستان مخالف کیمپ کے صوبائی صدر کو بانیان پاکستان کی صف میں گھسا دیا ہے۔مولانا سب سے بڑا جہاد تو جھوٹ اور شیطان کے خلاف ہوتا ہے اس لئے میں یہ تو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ آپ نے جھوٹ کا سہارا لیا لیکن یہ بھی سوچنے والی بات ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ جسے تاریخ پاکستان کا ہیرو اور قائد اعظم سے اعزاز یافتہ قرار دے رہے ہیں اس کے بارہ میں یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ ان کے کردار کے بارہ میں مسلم لیگ کیا کہتی تھی تحریک پاکستان کے بانیان کیا سمجھتے تھے؟ چلو اگر نہیں جانتے تو میں عرض کئے دیتا ہوں۔مسلم لیگی اخبار ایسٹرن ٹائمز نے مولانا داود غزنوی کے کانگریس صوبہ پنجاب کے صدر مقرر ہونے پر اخبار میں درج ذیل ہیڈنگ لگایا تھا

گراوٹ کی انتہا محمود غزنوی بت شکن تھے اور داود غزنوی پنجاب کانگریس کے صدر۔

LHR,The Eastern Times

1945, 9.Oct

Maulana Daud Ghaznavi

The appointment of Maulana Daud Ghaznavi President
means the another ,Provincial Congress of the Punjab
Muslim devine has been chosen to play the role of
There was . my master,Congress showby...What a fall
one a Mahmud Ghaznavi who preferred to be known as a
idol breaker rather than idol seller and now we have a
.Daud Ghaznavi who will with the idol worshippers

ایسٹرن ٹائمز۔لاہور

9اکتوبر1945ء

مولانا داؤدغزنوی

جب ہم مولانا داؤدغزنوی (اہل حدیث) کو بحیثیت صدر ''پنجاب کانگریس'' کے دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ایک اور شخصیت ''کانگریس شو بوائے'' کے طور پر کانگریس کا آلہ کار بن کر ہمارے سامنے آئی ہے۔میرے آقا! گراوٹ اور ذلت کے انتہا ہے۔ایک وقت تھا جب محمودغزنوی نے بت فروشی کی بجائے بت شکنی کو ترجیح دی تھی اور اب ہمارے سامنے (اہل حدیث لیڈر۔ناقل) داؤدغزنوی ہے جو بت پرستوں سے وابستہ ہوگیا ہے۔

اورآپ کی یاداشت کومزید تازہ کرنے کے لئے آپ کو29نومبر 1940 کا دن یاد کروائے دیتا ہوں جب مولانا داؤدغزنوی صاحب نے اخبارات میں ایک بیان شائع کروایا تھا جس میں احرار کے اس فیصلہ کا اعلان کیا کہ وہ اپنے آپ کو کانگریس میں جذب کررہے ہیں۔مشہور مئورخ وادیب جناب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے اپ کی ایسی ہی "خدمات" پر لکھا تھا کہ جوقوم داؤدغزنوی کوبھی تحریک پاکستان کا مجاہد کہتی ہےاسے تاریخ لکھنے یالکھوانے کا کوئی حق نہیں۔آپ کہیں کہ مرے ہوؤں کا ذکر اچھےانداز میں کرنا چاہئےتو جناب تاریخ تو مرے ہوؤں کے اعمال وکردار ہی کے ذکر سے بھری ہوتی ہے۔اگرہم نے مرے ہوؤں کے ذکر سے زبان بندکرلی تو تاریخ نویسی کیسے ہوگی کاش آج حمیدنظامی زندہ ہوتےتو آپ کو بتاتے کہ داؤدغزنوی کارول کیا تھا۔

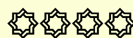
کسی بت کدے میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری دیانت وامانت اور کیریکٹر کے اعتبار سے داودغزنوی توخضر حیات ٹوانہ کے بھی جوتے سیدھے کرنے کے اہل نہ تھے" (روزنامہ نوائے وقت 30دسمبر 1963)

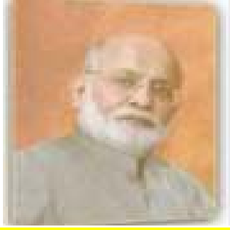
مولانا امیرحمزہ صاحب یہ بات کون نہیں جانتا کہ ''تحریک پاکستان کی مہم کے دوران جمیعۃ العلماء ہند کی محبتیں کانگریس کے ساتھ تھیں۔قائداعظم طنزوتحقیر کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔مجلس احرار اسلام اور مولانا حسین احمد مدنی مسلم لیگ کو برٹش امپریلزم کا خود کاشتہ پودا قرار دے رہے تھے۔جماعت اسلامی تصور پاکستان کی علی الاعلان مخالفت کررہی تھی۔علامہ عنایت اللہ مشرقی کی خاکسار تنظیم اور مجلس احرار قائد اعظم کو کھلے بندوں ''ناٹ مسلم'' قرار دے رہے تھے۔عطاءاللہ شاہ بخاری اور شورش کشمیری کانگریس کے ''شوبوائے'' بن کر قائد اور لیگ پر حملے کر رہے تھے۔اہل حدیثوں کے جید عالم دین مولانا داودغزنوی کانگریس کے نمائندہ بن کر مسلم لیگ کے مطالبات کے سینے پر مونگ دل رہے تھے۔اورتو اور شیعہ حضرات کا ایک طبقہ اپنے لیے تحفظات کی یقین دہانی کے باوجود پاکستان کی حمایت پر آمادہ نہیں ہورہا تھا''۔پروفیسر ڈاکٹر سلیم اختر اپنی معروف تصنیف ''بنیاد پرستی'' میں اس ساری تاریخ کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ بیشتر مذہبی جماعتیں قائداعظم اور پاکستان کے خلاف تھیں۔بعض اس لیے کہ وہ کانگریس کی ہم نوا تھیں،بعض اس لیے کہ قائداعظم کے پاس ان کی برانڈ کا اسلام نہ تھا اور بعض محض اس لیے کہ قائداعظم شیعہ تھےلہٰذا قائداعظم اور تصور پاکستان کی دل کھول کر مخالفت کی گئی وہ تو اللہ ہی کو پاکستان کا بننا منظور تھا ورنہ مذہبی راہنماؤں نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور اب یہی طبقہ خود کو پاکستان میں دین کا محافظ گردانتا ہے''۔(صفحہ 181)

برصغیر کے تمام علمی مدارس اور مکاتب پر مولانا مدنی اور دیوبند کے اسی حلقے کے اثرات تھے جونیشنلسٹ خیالات کا علمبردار اور گاندھی ونہرو کو قبلہ سیاست سمجھے ہوئے تھا۔مسلم لیگ کے حلقے میں مولانا شبیراحمد عثمانی کی پذیرائی کی یہ شان صرف اس لئے بنی کہ وہ اپنے سارے قافلے سے تنہا کٹ کر ادھر آئے تھے،دیوبند کے علماء وطلباء نے انہیں اس کی جوسزا دی وہ خود انہیں کی زبانی سنئے:

''دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا،آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دارالعلوم کے تمام مدرسین،مہتمم اور مفتی سمیت بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ سے نسبتِ تلمذ رکھتے ہیں''۔

اسی لئے مولانا امیر حمزہ صاحب صاحب آپ کے داودغزنوی صاحب کومجاہد تحریک پاکستان بنانے کے شوق پر جناب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کے الفاظ میں ایک مشورہ ہے"کہ جوقوم داؤدغزنوی کوبھی تحریک پاکستان کا مجاہد کہتی ہے اسے تاریخ لکھنے یا لکھوانے کا کوئی حق نہیں" کیونکہ" کاش آج حمیدنظامی زندہ ہوتے تو آپ کو بتاتے کہ دواودغزنوی کا رول کیا تھا"اس لئے آئندہ سے تاریخ پاکستان پر لکھنے سے پہلے اس نصیحت کے بارہ ضرور سوچئے گا۔





مہمان کالم

تحریر جناب اظہار الحق صاحب

ساڑھے چھ فٹ طویل مصری عالم دین جناب اعلیٰ الزقم میلبورن کے محلے ہائیڈل برگ کی جامع مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ فصیح و بلیغ آسان عربی میں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد مافی الضمیر انگریزی میں ڈھال رہے تھے۔ سننے والے دم بخود تھے اور ہمہ تن گوش۔ اس مسجد کی انتظامیہ مصریوں پر اور نمازیوں کی غالب تعداد صومالیہ کے مہاجرین پر مشتمل ہے۔

استاد اعلیٰ الزقم کا سارا زور اس بات پر تھا کہ آسٹریلیا جیسے ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ان کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس معاشرے میں مکس ہونا پڑے گا۔ سنت نبوی سے انہوں نے دلیل دی کہ غیر مسلموں کو بھی السلام علیکم کہا جا سکتا ہے۔

نماز کے بعد ایک نوجوان ان سے بحث کر رہا تھا کہ ''ہم'' مقامی آبادی کے ساتھ کیسے مکس ہو سکتے ہیں؟ اس میں تو ایمان کا خطرہ ہے اور خطیب صاحب ہنستے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اول تو اگر ایمان کا خطرہ ہے تو یہاں آنے کی تمہیں کیا ضرورت تھی اور دوسرے یہ کہ ایمان اتنا کچا نہیں کہ غیر مسلموں سے بات چیت کرنے اور معاملات طے کرنے سے پگھل جائے۔

ایک عالم دین خود، اپنی زبان سے، خطبہ جمعہ کے دوران، اگر مسلمانوں کو نصیحت کرے یا متنبہ کرے کہ جہاں رہ رہے ہو، وہاں کے لوگوں میں مل جل کر رہو تو اس کا واضح مطلب ایک ہی ہے کہ سب اچھا نہیں۔ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کینیڈا، امریکہ، جاپان اور یورپی ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے کیا مسائل ہیں۔ ان میں کون کون سی کمزوریاں ہیں؟ ان کا مستقبل کتنا محفوظ ہے؟ ان سب پہلوؤں کا اندازہ پاکستان یا کسی دوسرے مسلمان ملک میں رہنے والوں کو نہیں ہو سکتا۔

پاکستان یا دوسرے مسلمان ملکوں میں رہنے والے ساحل پر بیٹھے ہیں اور غیر مسلم ملکوں میں رہنے والے مسلمان، منجدھار کے بیچ ہیں۔ بقول حافظ شیرازی ۔ شب تاریک وبیم موج وگردابی چنین حائل کجا دانند حال ماسبک ساران ساحل ہا ساحل کی نرم ریت پر بیٹھے ہوؤں کو کیا خبر کہ موجوں کے تھپیڑے کھانے والے کس حال میں ہیں۔

یہ دلیل اپنی جگہ مضبوط ہے کہ غیر مسلم معاشرے میں مسلمانوں کو مستقل آباد نہیں ہونا چاہیے۔ لاتعداد ایسے مسلمان ان ملکوں میں آباد ہیں جو خواہش کے باوجود نماز جمعہ نہیں ادا کر سکتے، اس لیے کہ ان کے اوقات کار اجازت نہیں دیتے۔ عید کے دن بھی ڈیوٹی پر جانا پڑتا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ اب یہ ایک امر واقع (Fait Accompli) ہے۔

چار کروڑ سے زیادہ مسلمان ان ملکوں میں آباد ہو چکے ہیں۔ سیاسی معاشی اور سماجی حالات مسلمان ملکوں کے اس قدر ناہموار ہیں کہ مزید لاکھوں مسلمان ہجرت کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔

رنگ کی بنیاد پر کسی نسل کو برتر اور کسی کو کمتر قرار دینا جہالت ہے اور بدترین تعصب! اہل مغرب کا ریکارڈ اس ضمن میں ہولناک ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کو معلوم ہے کہ افریقہ سے آدم کے لاکھوں بیٹوں کو پکڑ کر پابہ زنجیر کیا گیا اور یورپ اور امریکہ نے اسے صدیوں تک کاروبار بنائے رکھا۔ انسان بھیڑ بکریوں کی طرح خریدے اور فروخت کئے جاتے رہے۔ بھاگنے والوں کے پاؤں کاٹ دیئے جاتے۔ کبھی بیوی فروخت کر دی جاتی، کبھی شوہر اور کبھی بچے۔

نسلی برتری کا مسئلہ اور ہے اور مقامی اور غیر مقامی باشندوں کی باہمی مخاصمت ایک بالکل الگ مسئلہ ہے۔ پوری تاریخ میں (سوائے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے) مقامی لوگوں نے غیر مقامی لوگوں کی کثیر تعداد کبھی بطیب خاطر قبول نہیں کی۔ یہاں تک کہ انصار مدینہ بھی سیاسی حوالوں سے تحفظات رکھتے تھے۔

مسلمان ملکوں کی ہم عصر تاریخ بھی اس معاملے میں قابل رشک ہرگز نہیں۔ مئی 1969ء میں ملائیشیا میں مقامی آبادی (ملائے) نے جو مسلمان تھی۔ اپنے ہی ملک کے چینیوں پر حملے کیا۔ یہ نسلی فسادات تھے مگر اصل میں مقامی اور غیر مقامی رقابت تھی۔ چینی اور انڈین دونوں غیر پسندیدہ تھے۔

سرکاری اعداد و شمار کی رو سے 196 افراد قتل ہوئے جن میں 143 چینی تھے۔ غیر سرکاری تعداد ہلاک ہونے والوں کی چھ سو کے قریب بتائی گئی۔ کچھ ہزار سے زیادہ کہتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے امیر ملکوں میں جو سلوک غیر مقامی لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے، کسی سے پوشیدہ نہیں۔

مسلمان تارکین وطن عرب ملکوں میں ساری ساری زندگیاں گزار کر بھی نہ صرف شہریت سے محروم رہتے ہیں بلکہ اپنے نام پر مکان، کار، ٹیکسی، دکان، کارخانے کچھ بھی نہیں رکھ سکتے۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں مغربی ملکوں میں رہنے والے دور اندیش مسلمان، مستقبل کو غیر محفوظ دیکھ رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا سے لے کر کینیڈا اور ریاست ہائے

متحدہ امریکہ تک ان ملکوں نے تارکین وطن سے فیاضانہ سلوک کیا۔شہریت دی، ملازمتیں دیں۔ جائیدادوں کے وہ مالک ہیں۔انتخابات میں حصہ لے کر شہروں کے میئر،حکومتوں میں وزیر اور پارلیمنٹوں کے ممبر منتخب ہو رہے ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مقامی آبادی، یعنی سفید فام لوگ، تارکین وطن کی بہت بڑی تعداد دیکھ کر اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگے ہیں۔

کینیڈا کے شہر وینکوور میں جہاں سکھ بڑی تعداد میں آباد ہیں، ہر سال کسی نہ کسی پارک میں قتل کی واردات ہو جاتی ہے۔جن محلوں میں غیر مقامی اکثریت ہے، وہاں سے سفید فام اپنے گھروں کو فروخت کر کے نکل گئے ہیں۔ٹورنٹو میں مسی سا گا اس کی ایک مثال ہے۔

سڈنی کے محلے لکھمبا اور میلبورن کے محلے فاکنر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہاں سے بھی سفید فام دوسرے محلوں کو ہجرت کر گئے ہیں۔مسلمان تارکین وطن کی پوزیشن زیادہ حساس ہے۔ بھارتی اور چینی تارکین وطن کے مذہبی اور معاشرتی مسائل اس نوعیت کے نہیں جس نوعیت کے مسائل مسلمان تارکین وطن کو درپیش ہیں۔

بھارتی اور چینی تارکین وطن مقامی آبادیوں میں زیادہ مکس ہوتے ہیں۔شراب نوشی ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔ ڈانس پارٹیوں میں وہ کسی جھجک کے بغیر شرکت کرتے ہیں۔اختلاط مرد و زن ان کے سماج پر ممنوع نہیں۔سؤر کا گوشت بھی کھا لیتے ہیں۔چینی تارکین وطن کے الگ عبادت خانے سرے سے مفقود ہیں۔

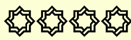
رہے بھارتی ہندو یا سکھ تو ان کے مندروں اور گوردواروں کی تعداد مسجدوں سے کہیں کم ہے جہاں وہ باقاعدگی سے جاتے بھی نہیں۔مسلمان تارکین وطن کی غالب تعداد شراب نوشی اور رقص و سرود کی تقاریب سے اجتناب کرتی ہے۔انہیں رمضان میں کھانے پینے سے بچنا ہوتا ہے۔ جمعہ کے دن کسی نہ کسی طرح مسجد حاضر ہونا ہوتا ہے۔

یہ سب عوامل مسلمان تارکین وطن کو مکس ہونے اور ایک حد سے زیادہ گھلنے ملنے سے روکتے ہیں۔مگر کچھ پہلو مسلمان تارکین وطن کے نفسیاتی بھی ہیں۔ جہاں مذہب رکاوٹ نہیں بنتا، وہاں بھی وہ گھلنے ملنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ مثلاً عید اور اپنے دوسرے تہواروں پر، غیر مسلم، خاص طور پر مقامی دوستوں کو مدعو نہیں کرتے۔ان کی کرسمس ہو تو مبارک تک دینے میں بخل کرتے ہیں۔مسلمان تارکین وطن کو سوچنا چاہیے کہ تارکین وطن کے دوسرے گروہوں کی نسبت وہ زیادہ مختلف کیوں نظر آتے ہیں۔

وجوہات اور عوامل کو پہچاننا ہوگا اور پھر جہاں تک مذہب اجازت دیتا ہے، اپنے آپ کو قابل قبول بنانا ہوگا۔ جب تک مغربی ملکوں کو وسائل کی کمی کا مسئلہ درپیش نہیں اور جب تک مقامی لوگوں کو روزگار مل رہا ہے۔اس وقت تک تارکین وطن کا وجود گوارا کیا جائے گا۔مگر خدانخواستہ کبھی ان ملکوں پر اقتصادی زبوں حالی نے حملہ کر دیا تو سب سے پہلا نشانہ مسلمان تارکین وطن بنیں گے کیونکہ ایک الگ اکائی کی حیثیت سے انہیں ممیز کرنا آسان ہوگا۔

ٹرمپ مقامی اور غیر مقامی کی بنیاد پر صدر منتخب ہوا ہے۔اس نے اگرچہ نسلی تفاوت کو مسئلہ بنایا مگر نسلی تفاوت عملاً، آخر کار مقامی اور غیر مقامی رنگ پکڑتا ہے۔اگر اس آگ کو اور بھڑکایا گیا تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بھارتی اور چینی بھی اس کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں۔

بھارت کی معیشت انگڑائی لے رہی ہے۔وہاں ''ریورس برین ڈرین'' شروع ہو چکا ہے یعنی تارکین وطن واپس اپنے وطن آ کر تسلی بخش ملازمتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔کیا پچپن مسلمان ملکوں میں بھی کوئی ایسا ملک ہے جہاں کے حالات تارکین وطن کو واپس آنے کی ترغیب دے سکیں۔





غزل

اطہر حفیظ فراز

رکھتا ہے وہ پھر شام میں کیا کیا میرے آگے
اک نعمت عظمیٰ ہے یہ روزہ میرے آگے،

میں پیاس کا صحرا ہوں تو دریا میرے آگے
ہر وقت فحش گوئی سے بچنا مجھے لازم،

تب جا کے نکلتا ہے نتیجہ میرے آگے
میں کون ہوں، کیا ہوں، کس غرض سے ہوں میں،

ہر لمحے میں رکھتا ہے یہ شیشہ میرے آگے
دن بھر جنھیں چھوڑا ہے فقط اس کی رضا میں،

رکھتا ہے وہ پھر شام میں کیا کیا میرے آگے
روزے کے توسط سے جزاء خاص ملے ہے

اے کاش!! کہ ہو جلوہ مولیٰ میرے آگے
اک یار مہرباں پہ ہے قربان سبھی کچھ

ہہ جام و سبو، ساغر و بادۂ میرے آگے
دل دے کے فراز!! اس کی محبت کو سمیٹا،

ہر چند کہ آنکھوں میں تھی دنیا میرے آگے



پاک وہند کی حالیہ کشیدگی سے جڑے کچھ تلخ حقائق

تحریر سی ۔اے راجپوت

پاکستان انڈیا کی حالیہ کشیدگی میں ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ ایک بڑی جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ انڈیا پلوامہ حملے میں ہلاک ہونے والے فوجیوں کا ذمہ دار پاکستان میں موجود جیش محمد کو قرار دیتا ہے جب کہ وزیر اعظم پاکستان نے کھلے دل سے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو ہمیں ثبوت مہیا کئے جائیں اگر ایسا ہوا ہے تو ہم خود ایسی تنظیم کے خلاف ایکشن لیں گے ۔ یہ تو ایک اصولی بات تھی تاہم دبے دبے الفاظ میں انڈین میڈیا میں یہ رپورٹس بھی سامنے آرہی ہیں کہ اس سانحہ کی ذمہ دار خود مودی سرکار ہے جو اس کارڈ کے ذریعہ الیکشن جیتنا چاہتی ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو اگر پاکستان حکومت انتہائی ٹھنڈے دل اور کامیاب سفارتکاری بروئے کار نہ لاتی تو شائد اس وقت تک آدھی دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی منظر پیش کر رہا ہوتا۔ ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب بار بار اس بات کو دہرا رہے ہیں کہ جنگ کا خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے صرف وقفہ آیا ہے۔ کسی بھی وقت بڑی جنگ اپنا ظالم منہ کھول سکتی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ بقول وزیر اعظم صاحب انڈیا کراچی کے ساتھ بہاول پور جیسے ایک چھوٹے شہر کو نشانے پر کیوں لے رہا تھا اور اس خبر کے آوٹ ہوتے ہی اگلے دن حکومت پنجاب نے بہاول پور کے ایک مدرسے کا کنٹرول کیوں سنبھال لیا تھا؟ مودی سرکار جس تنظیم کا نام بار بار جپ رہی ہے وہ جیش محمد کیا ہے؟ کون لوگ ہیں اور کون اس کا سربراہ ہے؟ جھوٹے الزام کے نتیجے میں ہی سہی مگر یہ کون سی تنظیم ہے جس نے بارڈر کے آر پار ڈیڑھ دو ارب انسانوں کو نیوکلیئر بمبوں کے سائے میں لا ڈالا ہے اور اربوں انسانوں کو موت وزندگی کی دہلیز پر حیران و پریشان کر کے لا بٹھایا ہے؟

کالم کی تحریر کے دوران میڈیا سے خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ جیش محمد کے ہیڈ مولانا مسعود اظہر کے بھائی اور بیٹے سمیت بہت سے کارکنان کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔ جیش محمد کی قانونی واخلاقی پوزیشن کیا ہے اس بارہ میں تو حکومت وقت ہی بہتر جواب دے سکتی ہے مگر ایک بات جو ہم سب جانتے ہیں وہ بڑی عجیب اور خوفناک ہے یعنی جیش محمد اور ان کے قبیلے کی منافقت ۔ جی ہاں منافقت ۔ جیش محمد تنظیم دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتی ہے اور مولانا مسعود اظہر صاحب اس کے موجودہ سربراہ ہیں۔ سب سے پہلے میں آپ کو دیوبندی مسلح گروپس کا تعارف کرواتا ہوں اُس کے بعد آپ کے سامنے یہ دلخراش حقیقت رکھتا ہوں کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے یہ لوگ جو سارے پاک و ہند کو گھسیٹ کر جنگ کے چرنوں میں لے آئے ہیں خود ہندوستان کے ہندوؤں کے چرنوں میں بیٹھنا کتنا قابل فخر سمجھتے ہیں یعنی ہندو سے محبت اور ہندوستان سے نفرت ۔ چہ بوالعجبی است

جہادی دیوبندی گروپس کا تعارف

جن دنوں نواز شریف کی حکومت پاکستان اور طالبان میں مذاکرات جاری تھے، نیشنل اور انٹرنیشنل میڈیا مولانا سمیع الحق صاحب مرحوم کو Father of the Taliban لکھتا رہا اور مولانا بھی اپنی نجی محفلوں میں اس کو بڑے فخر سے بیان کرتے نظر آتے تھے کہ آج کے زیادہ تر طالبان راہنما دیوبندی ہیں، میرے مدرسہ کے پڑھے ہوئے اور میرے ہی شاگرد ہیں حتیٰ کہ ملا عمر بھی ۔ مشہور مذہبی سکالر جناب خورشید ندیم صاحب ’’زیر عنوان نئی مذہبی تقسیم‘‘ لکھتے ہیں ’’طالبان پاکستان کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہے ۔ اس کے ساتھ فرقہ وارانہ تشدد میں جو لوگ ملوث سمجھے جاتے ہیں، ان کا انتساب بھی ان ہی کی طرف ہے ۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے دو دن پہلے اپنے ایک انٹرویو میں طالبان کو اپنی روحانی اولاد کہا ہے ۔ طالبان اگر کسی طبقے کا احترام کرتے ہیں تو وہ دیوبندی علماء ہیں۔‘‘

(روزنامہ دنیا 2014/01/08 مستقل کالم تکبیر مسلسل جناب خورشید ندیم)

دیوبندی جہادی تحاریک میں حربی کے ساتھ ساتھ عام شہری کو قتل کرنا بھی جائز ہے

اسی طرح سے مشہور سلفی عالم دین جناب حافظ زبیر صاحب دیوبندی طالبان کی پالیسیوں کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں

’’حرکۃ الجہاد اسلامی سے لے کر جیش محمد تک اور اس کے علاوہ بھی دیوبندی مکتب فکر کی اکثر و بیشتر جہادی تحریکوں میں ایسے افکار موجود ہیں کہ جن کے مطابق حربی (combatants) کفار کے ساتھ عام کافر شہریوں (civilians) کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ علاوہ ازیں یہ جماعتیں پاکستانی حکمرانوں، اور افواج پر ۔۔کفر کا فتویٰ لگاتی ہیں ۔ اور ان کے ساتھ قتال کو واجب قرار دیتی ہیں ۔ جس کا عملی مظاہرہ ہم سوات وغیرہ میں مولانا فضل اللہ کی تحریک کی صورت میں دیکھ چکے ہیں‘‘

(بحوالہ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج ص 194 مکتبہ رحمۃ للعالمین لاہور نذیر پارک غازی روڈ لاہور طبع اول جنوری 2013)

دیوبندی جہادی گروپس کی تعداد

مشہور تجزیہ نگار مکرم لال خان صاحب طالبان کی تعداد اور تعارف کے حوالے

اپنے مستقل کالم جدو جہد میں زیر عنوان طالبان کا مفروضہ'' فرماتے ہیں

'' کچھ دن پہلے شائع ہونے والی ایک مشہور روز نامے کی رپورٹ کے مطابق صرف شمالی وزیرستان میں طالبان کے 43 گروہ آپس میں اور حکومت کے خلاف بر سر پیکار ہیں۔ دوسرے قبائلی علاقے شامل کئے جائیں تو ایسے دہشت گرد گروہوں کی تعداد 54 ہوجاتی ہے پاکستان میں متحرک 12 غیر ملکی گروہ اس کے علاوہ ہیں۔''

(روز نامہ دنیا 6/03/2001)

حرکۃ الجہاد الاسلامی سے لے کر جیش محمد تک کا مختصر تعارف

حافظ زبیر صاحب دیوبندی جہادی تنظیموں کا تعارف اس طرح سے کرواتے ہیں

'' شیخ اسامہ بن لادن نے 1980 میں افغان جہاد کے دوران ''حرکۃ الجہاد الاسلامی'' نامی تحریک کی بنیاد رکھی۔ 1985 میں بعض اختلافات کی بناء پر اس تحریک سے کچھ لوگ الگ ہوئے اور انہوں نے ''حرکۃ المجاہدین'' کے نام سے ایک الگ تنظیم بنالی۔ 1989 میں حرکۃ المجاہدین کے لوگ۔۔کشمیر میں داخل ہو گئے۔ 1993 میں مولانا مسعود اظہر کی کوششوں سے حرکۃ المجاہدین اور حرکۃ الجہاد الاسلامی میں اتحاد ہوگیا۔ اور اس جماعت کا نیا نام حرکۃ الانصار رکھا گیا۔۔۔ 1997 میں امریکہ نے اس جماعت کو دہشت گرد جماعت قرار دے دیا جس کی وجہ سے اس کا نام دوبارہ تبدیل کر کے حرکۃ المجاہدین رکھ دیا گیا۔ 1999 میں انڈیا کے ایک مسافر طیارے کے اغواء کیس میں مولانا مسعود اظہر کی رہائی ممکن ہوئی تو انہوں نے سال 2000 میں ایک نئی جہادی تحریک ''جیش محمدؐ'' کی بنیاد رکھی۔ حرکۃ المجاہدین کے بہت سارے کارکن مولانا کی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔''

(بحوالہ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج ص 193،194 مکتبہ رحمۃ للعالمین لاہور نذیر پارک غازی روڈ لاہور طبع اول جنوری 2013)

تحریک طالبان پاکستان کا تعارف

حافظ زبیر صاحب دیوبندی جہادی تنظیموں میں ایک نئی تنظیم تحریک طالبان پاکستان کی وجہ پیدائش اس طرح سے بتاتے ہیں

۔ اکتوبر 2004ء میں جنوبی وزیرستان میں عبد اللہ محسود نامی طالبان راہنما سامنے آئے۔ عبد اللہ ڈیڑھ سال تک گوانتانا موبے جیل میں قید رہے تھے۔ بعد ازاں امریکیوں نے انہیں رہا کر دیا تھا۔ انہوں نے دو چینی انجنیئر زکو اغوا کیا اور ایک حملے میں 2007 میں مارے گئے۔

عبد اللہ محسود کے بعد بیت اللہ محسود طالبان کمانڈر کے طور پر سامنے آئے اور انہوں نے پاکستانی افواج پر خودکش حملوں کا اعلان کر دیا۔ دسمبر 2007ء میں 20 بڑے طالبانی راہنماؤں کا اجلاس ہوا اور ''تحریک طالبان پاکستان'' کی بنیاد رکھی گئی۔ اور مولوی عمر کو تحریک کا ترجمان مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں بیت اللہ محسود بھی ایک لڑائی میں مارا گیا تو اس کا بھائی حکیم اللہ محسود کمانڈر بنایا گیا۔ حکیم اللہ کے دور میں پاکستان کے ہر طرف خودکش حملوں کی بارش کر دی گئی۔ فوج، پولیس اور سکیورٹی اہلکاروں پر بہت وسیع پیمانے پر حملے کر کے قتل و غارت مچائی گئی۔ آخر کار حکیم اللہ محسود بھی ایک امریکی ڈرون کا شکار ہو کر ختم ہوا۔ حکیم اللہ کی موت کے بعد تحریک طالبان پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک کی قیادت ملا فضل اللہ اور دوسرے کی قیادت خالد عرف سجنا کرنے لگ گئے۔

(خلاصہ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج ص 191 تا 205 مکتبہ رحمۃ للعالمین لاہور نذیر پارک غازی روڈ لاہور طبع اول جنوری 2013)

یوں ''حرکۃ الجہاد اسلامی سے لے کر جیش محمد تک اور اس کے علاوہ بھی دیوبندی مکتب فکر کی اکثر و بیشتر جہادی تحریکیں جو کبھی ہمیں غزوہ ہند کی نویدیں سناتے ہیں اور کبھی محمد بن قاسم اور سلطان محمود غزنوی کی داستانیں تو کبھی پاکستانی فوج کو بھی کافرین کی موید قرار دے کر خودکش حملوں کا مورد بنا دیتے ہیں جب کہ ان کے اکابرین ساری عمر ہندو قیادت کے پیچھے چلنے کو اپنی زندگی کا سرمایہ افتخار قرار دیتے رہے۔ دیوبند کے ابتدائی فنانسرز میں ہندو نظر آتے ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب اندرا گاندھی کو اپنی بیٹی قرار دیتے تھے تو دیوبند کی سوسالہ تقریبات کی مہمان خصوصی جناب سونیا گاندھی صاحبہ تھیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے تو پاکستان آنا بھی گوارا نہ کیا۔ بات یہیں تک رہتی تو شائد جیش محمد کا ہندوستان کے مشرک حکمرانوں سے جہاد کی بات سمجھ آتی مگر دیوبندی اکابرین تو ساری عمر انہیں ہندو اکابرین کے لئے شعائر اللہ تک کو بدلنے پر تُلے رہے

جمیعۃ العلمائے ہند کے صدر مفتی محمد کفائیت اللہ نے شردھانند ہندو کے قاتل عبد الرشید کے بارے فتویٰ دیا کہ وہ جنت سے محروم ہے انہوں نے فرمایا کہ کافر معاہد کا قاتل جنت کی بو بھی نہیں سونگھے گا۔'' مشہور دیوبندی مولوی ظفر الملک اسحاق علی نے تو ہندو آقا سے محبت کی تمام حدیں پار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ختم نبوت نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے (دبدبہ سکندری رامپور یکم نومبر 1920) حافظ بیعت اللہ تو اس سے بھی آگے چلے گئے چنانچہ مسٹر گاندھی کی برسی کے موقعہ پر حافظ بیعت اللہ اور بابا خضر نے مسٹر گاندھی کی تصویر کے سامنے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کی جبکہ دوسری طرف بھجن گائے جا رہے تھے (اخبار سیاست یکم فروری 1957)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ناگپور میں جمعہ کے خطبہ اولیٰ میں مسٹر گاندھی کو تعریف و توصیف کے پل باندھ دیئے (اخبار مشرق گورکھپور 12 جنوری 1921)

مولانا شوکت علی مرحوم نے فرمایا ''اے اللہ ایک ہم سے نیک کام بھی ہو گیا ہے یعنی میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی بھائی ہوگئے ہیں۔ اور یہ محبت میں نے جان بوجھ کر بڑھائی ہے'' (اخبار فتح دہلی 22 نومبر 1920)ا

مولوی فضل الرحمٰن صاحب وفاقی وزیر فیصل ووڈا پر چیخ رہے تھے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ کے بعد عمران خان اس دور میں بڑا لیڈر ہے بلکہ بعض مولوی صاحبان تو اس بات پر توہین رسالت کا مقدمہ چلانے اور پھانسی دینے کے مطالبات کر رہے تھے سنیں دیوبندی اکابر علماء ہندو مشرکین کے بارے میں کیا گل افشانیاں فرما رہے تھے ممتاز دیوبندی عالم دین مولوی عبد الماجد بدیوانی نے تو آنحضور ﷺ کا لقب بھی بڑے فخر سے گاندھی جی کو عطا کر دیا آپ نے جمیعۃ العلماء دہلی کے جلسے میں فرمایا ''خدا نے ان کو (گاندھی جی کو) تمہارے لئے مذکر بنا کر بھیجا ہے (یعنی male) قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا مذکر کر کے بھیجا ہے (اخبار فتح دہلی 24 نومبر 1920 و پاسبان مذہب وملت تحریر محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ و مطبع اہل سنت و الجماعت بریلی 1339ھ ص 29) اب سب جانتے ہیں مذکر سورہ غاشیہ آیت 21 میں اللہ نے آپ ﷺ کو فرمایا ہے۔ مولوی شوکت علی نے دہلی جامع مسجد میں فرمایا کہ ''اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے''

(پاسبان مذہب وملت مطبوعہ بریلی ص 29)

بریلی میں مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر خلافت کمیٹی کے سیکرٹری کی طرف سے ایک اشتہار بعنوان ''مہاتما گاندھی کی آمد'' کشور پریس بریلی میں 1920 میں طبع کرا کے شائع کیا گیا۔ اس میں کہا گیا کہ ''خدا کا شکر ہے کہ 16 اکتوبر 1920 کو ہمارے ملک کے لیڈر، ہمارے شہر کی خاک کو پاک کرنے کے لئے آ رہے ہیں'' (پاسبان مذہب وملت تحریر محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ و مطبع اہل سنت و الجماعت بریلی 1339ھ ص 48) اس جلسے کے لئے اراکین انجمن اسلامیہ بریلی کی طرف سے منظوم سپاس نامہ پیش کیا گیا جو پنجابی گزٹ پریس بریلی میں چھپ کر شائع ہوا۔ لمبا قصیدہ ہے اس میں گاندھی جی کو فخر قوم۔ رشک خیابان۔ مسیحا۔ درد کا مداوا۔ اقلیم دل کے حاکم۔ مردہ تھی قوم آپ نے اس کو جلا دیا۔ مہاتما۔ آپ بے کسوں کے حامی۔ گم کردہ راہ قوم کے راہبر۔ بھارت کے حق میں رحمت۔ ہم آپ پر جان نثار۔ ہماری جان و مال آپ کے حکم کی منتظر ہے۔

(پاسبان مذہب وملت تحریر محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ و مطبع اہل سنت و الجماعت بریلی 1339ھ ص 48)

اسی جلسے میں ایک سپاس نامہ بعنوان ''اہالیان بریلی کی جانب سے مہاتما گاندھی کا خیر مقدم'' اس میں موصوف گاندھی جی کے بارے میں فرماتے ہیں

ہیں جن کو دیکھ کر مہر اور مہ ششدر، وہ آئے ہیں
جھکاتے ہیں ملائک جن کے آگے سر، وہ آئے ہیں

(پاسبان مذہب وملت تحریر محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ و مطبع اہل سنت و الجماعت بریلی 1339ھ ص 35)

تحریک خلافت میں مسلمان علماء کے تعاون کی بدولت مسٹر گاندھی نے دوسرا قدم اُٹھایا اور 1920 میں تحریک ترک موالات کا اعلان کر دیا۔ 2 جون 1920 کو الہ آباد میں ایک اجلاس ہوا جس میں ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی، اس میں تحریک ترک موالات کی قرارداد اصولاً پاس کر دی گئی اور اس کے طریقہ کار کو گاندھی جی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔

(تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم از پروفیسر محمد مسعود احمد ضیاء القرآن پبلی کیشنز ص 116)

مولانا آزاد ترک موالات میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے مسلمان کی یہ تعریف کر دی ''مسلمان ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ وجود جس کو اگر رائی برابر اللہ اور اس کی شریعت اور اس کا ایمان محبوب ہے وہ ایک منٹ کے لئے انگریزی گورنمنٹ کی غلامی کو اس کی اطاعت کو اس کی وفاداری کو اس کے وجود کو اس کی بقا کو قبول نہیں کر سکتا'' (خطبہ صدارت مولانا آزاد جلسہ جمیعۃ العلمائے ہند بریڈ ہال لاہور 1921 از مشتاق احمد مطبوعہ دہلی ص 27) اس موقع پر مولوی احمد رضا خان صاحب نے طنزیہ ریمارکس دیے تھے'' یہ کون سا دین ہے نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب۔ فر من المطر وقف تحت المیز اب یعنی چلتے پرنالے کے نیچے ٹھہرے مینہ سے بھاگ کر''

(المحجۃ المؤتمنہ از احمد رضا خان ص 14)

1925 میں آریہ سماج کے بانی دیانند کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ایک جلسہ میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہندو لیڈر جمع ہوئے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے و گمراہ کرنے کی ایک خفیہ سازش یعنی تحریک شدھی کا پلان بنایا گیا۔ تحریک شدھی کو لالہ منشی رام شردھانند نے آگے بڑھایا۔ یہ وہی صاحب ہیں جن کو تحریک ترک موالات کے دوران جامع مسجد دہلی کے منبر پر بیٹھا کر تقاریر کروائی جاتی تھیں۔ تاریخ اسلامی کا کتنا دردناک باب ہے مسجد شیخ الدین امرتسر کا یہ واقعہ'' گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لا کر منبر رسول پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ اے اللہ تو گاندھی کے ذریعہ اسلام کی مدد فرما''

(مقالات یوم رضا حصہ اول مطبوعہ لاہور 1968 تحریر عبد النبی کوکب ص 98/ 99)

مشہور مورخ اور عالم دین جناب پروفیسر مسعود صاحب دیوبندی علماء کی ہندو لیڈران سے مرعوبیت اور غالی اطاعت کے اسلام اور مسلمانان برصغیر کو اقتصادی نقصانات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں

''چنانچہ غور کرنے کی بات ہے کہ تحریک خلافت کے زمانے سے شروع ہونے والی ہندو آقاؤں کی اطاعت نے قدم قدم پر مسلمانوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تحریک ستیہ گرہ۔ تحریک ترک موالات۔ تحریک ترک گاؤکشی۔ یوں پہلے مسلمان زمینداروں کو سودی قرضوں کے ذریعہ بے بس کیا گیا۔ اس کے بعد قصابوں کو گائے کے ذبیحہ پر

پابندی لگوا کر بے آسرا کرنا چاہا۔ پھر اس کے بعد تحریک کھدر شروع کر کے مومن قوم کو جو خوش حال تھی اور اپنے فن میں یگانہ روزگار تھی۔ چنانچہ ڈھاکہ کی چکن ، جائس کی جامدانی، مبارک پور کے ڈورے، لنگی ، مشروح، غلطہ، بھاگل پور کی سلک، فتوحا کے عمامے، بنارس کے دوپٹے، ساڑھیاں، کم خواب، زربفت ، زری وغیرہ۔ تحریک کھدر نے مسلمان پارچہ بافوں کی کمر توڑ دی۔۔۔مگر پھر بھی مسلمان راہنماؤں نے اس تحریک کی ہمت افزائی کی۔۔۔مولوی حسین احمد مدنی سندھ آئے اور یہاں بھرے مجمعوں میں عمامے اتروا کر کھدر کی ٹوپیاں پہنائیں۔"

(تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم از پروفیسر محمد مسعود احمد ضیاء القرآن پبلی کیشنز ص 122/123)

کشمیر کی آزادی کی تحریک آگے بڑھنے لگی تو کانگریس نے اپنے احراری دیوبندی علماء کے جتھے ڈال کر اس پر امن اور قانونی تحریک کو سبوتاژ کر کے رکھ دیا۔اسی طرح سے جب 24 جون سے 14 جولائی 1945 تک قائد اعظم کانگریس سے مذاکرات میں مصروف تھے اور اس کوشش میں تھے کہ کانگریس لیڈر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر کے کوئی آبرومندانہ سمجھوتہ کرلیں اور قومی حکومت قائم ہوجائے۔ایک طرف کانگریس اس پر آمادہ نہ ہوئی تو دوسری طرف مسلم لیگ کے اس مئوقف کو سبوتاژ کرنے کے لئے اور کانگریس کی حمائیت کے لئے دہلی میں مولوی لوگوں نے ایک کانفرنس کردی جس میں جمیعۃ العلماء ہند۔۔۔مسلم مجلس۔۔۔مومن کانفرنس۔۔۔آزاد پارٹی۔۔۔اور انجمن وطن بلوچستان نے ایک قرارداد منظور کروائی کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی نمائندہ ہی نہیں۔

(قائد اعظم اور دستور ساز اسمبلی مصنفہ محمد اشرف خان مدیر معاون زمیندار ص 152)

غرض جیش محمد اور اس کے اکابرین نے آزادی پاکستان سے قبل آزادی پاکستان کے دوران اور اب آزادی پاکستان کے بعد ہمیشہ ہی ہندوا کا نومی کو ہندو سیاست کو اور ہندو مفادات کو غریب مسلمانوں کی گردنوں پر لادنے کی کوشش کی ہے ۔ہندوستان کے اندر گائے کے نام پر غریب مسلمانوں کے گلے کاٹنے والوں کو اب جیش محمد کا جھنڈا دکھا کر پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہوکر یہاں والوں کے بھی گلے کاٹنے کی دعوت دی جارہی ہے

اب جبکہ 70 سال بعد پاکستان میں ایک امید کی کرن پھوٹ رہی ہے تو وزیر اعظم صاحب کو چاہئے کہ پہلی فرصت میں ایسی تمام دوغلی تنظیموں سے وطن کو پاک کر دیں جو ہندووں سے محبت اور ہندوستان سے نفرت کا پاٹ پڑھا رہے ہیں۔



غزل

فرزانہ فرحت۔لندن

پہلے ہلال عید تو ایسا نیا نہ تھا
پہلے تو چاند رات میں کوئی نشہ نہ تھا
شب میں نہ میرے ساتھ تھا تاروں کا یہ ہجوم
تنہا تھی میرے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا
لمحات عید میں نے گزارے تو تھے مگر
منظر کسی بھی عید کا ایسا بھلا نہ تھا
پہلے نہیں تھی زندگی رنگین اس طرح
پہلے تو میری عید کا ایسا مزہ نہ تھا
پہلے تو چاند رات کی مدہم تھی روشنی
پہلے تو چاند رات کا منظر بھلا نہ تھا
نغمے دکھوں کے میں نے سنے تھے تمام عمر
کوئی خوشی کا گیت تو میں نے سنا نہ تھا
فرحت نے چاہتوں کی نہ پائی کبھی مراد
پہلے محبتوں کا کوئی سلسلہ نہ تھا
اس دیس کے گوشے گوشے میں،
افلاس آوارہ پھرتی ہو،
جو دھرتی بُھوک اُگلتی ہو،
اور دُکھ فلک سے گرتا ہو،
جہاں بُھوکے ننگے بچے بھی،
آہوں پہ پالے جاتے ہوں،
جہاں سچائی کے مجرم بھی،
زندانوں میں ڈالے جاتے ہوں،
اس دیس کی مٹی برسوں سے ,
یہ دُکھ جگر پر سہتی ہے،
اور اپنے دیس کے لوگوں کو،
'عید مبارک' ' ' کہتی ہے،



وادی چھتر پلین کی ایک شام

تحریر ذوالکفل کاغانی

شاہراہ ریشم ایک خوبصورت نام،ایک خوبصورت سوچ کا عکس ،جس کا دامن ہری پور سے شروع ہو کر چین کے صوبہ سنکیانگ تک پھیلا ہوا ہے۔یہ شاہراہ وادی ہزارہ کی خوبصورت وادیوں کے دامن میں بلند وبانگ برفیلے پہاڑوں پر بل کھاتی، چیڑھ،صنوبر، پڑتل اور دیودار کے گھنے جنگلات سے راستہ بناتی مانسہرہ سے 85 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک خوبصورت وادی کی ڈھلانوں پر اُتر جاتی ہے۔ چاروں طرف سے برف پوش پہاڑوں میں گری قدرت کی اس حسین پیالہ نما وادی کو چھتر پلین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔گوجر اور سید لوگوں کی آبادی اس کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے۔زیادہ تعداد سید برادری کی ہے

چھتر پلین اور شارکول کے بنگلہ کا تعارف

شاہراہ ریشم پر مانسہرہ سے 85 کلومیٹر کے فاصلہ پر بٹ گرام سے 14 کلومیٹر پیچھے یہ خوبصورت میدان ہے۔جو چاروں طرف سے بلند و بالا پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔درمیان میں خوبصورت لہلہاتی فصلیں اور چھتر پلین کا ایک مختصر سا قصبہ ہے۔

چھتر پلین خوبصورتی کے لحاظ سے ایک منفرد چیز ہے چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں درمیان میں تقریباً20 کلومیٹر کا گول میدانی علاقہ ہے۔اس میدان کے وسط میں چھتر پلین کا چھوٹا سا گاوں شاہراہ ریشم کے اوپر واقع ہے۔جو چند ہوٹلوں اور چند جنرل سٹورز پر مشتمل ہے۔شروع میں اس کا نام صرف چھتر تھا 1965 کے بعد پلین کا لفظ اضافہ کر دیا گیا۔تاریخی روائت کے مطابق اس میدانی علاقے کو ایک ہندو چھتر صاحب نے آباد کیا تھا اوران کی ہی وجہ سے اس کا نام چھتر ہے جبکہ مقامی آبادی کے بقول پہاڑوں میں گرے اس علاقے کی شکل ایک بڑی الٹی چھتری کی طرح ہے اس وجہ سے چھتر مشہور ہوا۔چھتر پلین سے تقریباً نصف کلومیٹر بٹ گرام کی طرف جائیں تو شاہراہ ریشم پر ایک بورڈ نصب نظر آتا ہے۔ڈاک بنگلہ شارکول۔چھتر پلین اور شارکول بڑی تاریخی اہمیت کے حامل مقام ہیں ۔حضرت سید احمد شہید صاحب نے یہاں قیام فرمایا تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کئی دفعہ اس جگہ تشریف لائے۔اس لحاظ سے یہ بنگلہ جماعت احمدیہ کے لیے بھی بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ پیارے آقا نے اس جگہ کو گرمیاں گزارنے کے لیے پسند فرمایا تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ تو خلافت سے قبل بھی ایک دفعہ اس جگہ تشریف لے گئے تھے۔اس کے علاوہ جماعت کے بہت سے اکابرین بھی یہاں جایا کرتے تھے ۔

شارکول کا بنگلہ قیام پاکستان کے ایک سال بعد تعمیر کیا گیا۔یہ 7 کمروں پر مشتمل ہے۔3بیڈروم ایکSitting Hallایک ڈائنگ ہال ایک پینٹری اورایک کچن ہے۔شارکول بنگلے کے مغرب میں بائی بالا گاوں کوئی 2 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جنوب میں 2/1 کلومیٹر کے فاصلے پر چھتر پلین قصبہ ہے۔مشرق میں بالی رنگ کا قصبہ 4 کلومیٹر کے فاصلے پر ہےشمال میں شارکول کا گاوں 2 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے

جنوری 1997 کے ایک سرد شام مَیں اسی وادی میں ایبٹ اباد مجلس کے خدام مکرم رفیع تنولی اور مکرم اعجاز خان صاحب کے ساتھ ایک بڑے سید سردار عزت علی شاہ صاحب کی بیٹھک میں موجود تھا۔ بیٹھک میں زمین پر انتہائی نفیس قالین بچھا کر اور گاؤ تکیے لگا کر بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔علاقے کے سرکردہ لوگ جن میں کچھ وکیل،کچھ بزنس مین اور بڑے بڑے زمیندار جمع تھے۔

بڑے شاہ صاحب نے اپنے پوتے کے دوبئی سے واپس آنے کی خوشی میں ایک بڑے کھانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ان سب میں سے صرف ہم لوگ ہی اس محفل کے لئے اجنبی تھے۔مکرم عزت علی شاہ صاحب کے منجھلے بیٹے سے ہماری تبلیغی بات چیت جاری تھی اور اُسی کی دعوت پر ہم لوگ بھی اس محفل میں شریک تھے۔گرم شالیں اوڑھے علاقے کے یہ چنیدہ لوگ غم جاناں،غم ہستی اورغم دوراں پر گرم گرم تبصرے کر رہے تھے۔بات پولیٹکل مسائل سے ہوتی ہوئی مذہبی سیاست پر آئی اور پھر مولوی حضرات کی طرف مڑھ گئی۔

ایک جہاندیدہ وکیل نے خطیب ہزارہ جناب مولوی اسحاق مانسہروی صاحب کا ایک قصہ سنا کر محفل کو محفل زعفران بنا دیا۔لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور ہم اور ہمارا زیرتبلیغ دوست کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

وکیل صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہوا یوں کہ مولوی اسحاق مانسہروی جو بہت شعلہ بیان خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ"خطیب ہزارہ" کی مسند پر بھی فائز تھے۔قانون تھا کہ مانسہرہ میں جو بھی نیا افسر آتا وہ پہلے آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتا،نذر نیاز پیش کرتا اور دعا کی درخواست کرتا۔اسی دوران ایک اے۔سی صاحب تشریف لائے مگر دو ہفتے گزرنے کے باوجود نہ رابطہ کیا،نہ دعا کا کہا اور نہ ہی نذرانہ بھجوایا۔یاران حلقہ نے اس طوطا چشم ،ناخلف کے بارے میں لب کشائی کی کہ یا

حضرت بڑا بدید ہے۔اس کو کسی نے ادب آداب ہی نہیں سکھائے۔مولانا نے ترنگ میں آ کر فرمایا جاؤ اس خبیث کے بارے میں معلومات اکھٹی کرو۔آخر اس نے اتنی جرات کیسے کی؟ احباب نے بتایا کہ یا حضرت ہم نے پہلے ہی سے معلومات حاصل کر لی ہیں۔یہ بڑا کٹر وہابی ہے اور آپ ٹھہرے اہل سنت۔وہ اپ کے پاس دعا کے لئے کیوں حاضر ہوگا۔وہ تو آپ کو کافر سمجھتا ہے۔مولانا جلال میں آ گئے فرمایا آنے دو جمعہ کا دن۔اس خبیث وہابی کا بندوبست کرتے ہیں دیکھتا ہوں کیسے ایڑیاں رگڑتے ہوئے حاضر نہیں ہوتا۔

چنانچہ جمعہ کا دن آ گیا۔مولانا نے خطبہ جمعہ کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا "اے اہل ہزارہ کے غیور مسلمانوں، تاجدار عربی کے غلاموں، تمہارے ایمان کے امتحان کا وقت آن پہنچا ہے۔کمر ہمت کس لو۔اور ایمان بچانے کے لئے اور ہر قربانی کے لئے تیار ہو جاؤ۔حکومت وقت نے ہم مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے ہزارہ کے عظیم مسلمانوں پر ایک قادیانی کو اے۔سی بنا کر متعین کر دیا ہے۔ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ اگر اگلے جمعہ تک اس مرتد قادیانی کو تبدیل نہ کیا گیا تو ہزارہ کے سرفروش مسلمان کفن باندھ کر سڑکوں پر نکل آئیں گے اور اس کے بعد کی ساری ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔جمعہ ختم ہوا۔اہل کاروں نے جناب اے سی صاحب کو اطلاع دی اور اُنھوں نے پہلی فرصت میں گاڑی پکڑی اور مولانا کے پاس روتے پیٹتے حاضر ہو گئے۔یا حضرت میرے خاندان میں دور دور تک کوئی قادیانی نہیں ہے پھر آپ نے اتنا بڑا الزام مجھ پر بغیر تحقیق کے کیسے لگا دیا؟ مولانا فاتحانہ انداز میں مسکرائے اور فرمایا او نا خلف مجھے پتہ ہے کہ تیرے خاندان میں دور دور تک کوئی قادیانی نہیں ہے مگر تیرے جیسے سرپھروں کا یہی ایک کامیاب علاج ہے۔آئندہ احتیاط کرنا۔اور وقت پر نذرانہ بھجواتے رہنا۔

چنانچہ اگلے جمعہ مولانا نے الحمد للہ سے خطبہ شروع کرتے ہوئے اعلان کیا کہ تحقیق کی گئی ہے اور پتہ چلا ہے کہ بات غلط تھی۔اے۔سی صاحب مسلمان ہیں۔اہل ایمان مطمئن رہیں جب تک ان بوڑھی ہڈیوں میں جان ہے اپ کے ایمان کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔مسجد سے نکلتے ہوئے تمام مسلمان بہت خوش تھے کہ الحمد للہ ایمان کو خطرہ ٹل گیا۔یہ قصہ سنا کر وکیل صاحب نے بہت داد وصول کی۔لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے اور ہم اور ہمارا زیر تبلیغ دوست اس کامیاب نسخے پر سر دھنتے رہ گئے۔

یہ تھی وادی چھتر پلین میں ہماری ایک شام کی کہانی مگر پھر اس کے بعد بہت دفعہ یہاں آنا جانا ہوا۔کئی دفعہ سوال و جواب کی محافل ہوئیں۔لیکن چھتر پلین کی یہ سرزمین وادی ہزارہ کے دوسرے حصوں کی طرح فطرت کے دیئے ہوئے حسن سے جتنا مالا مال ہے فطرت کی آواز سے اتنی ہی دور ہے۔اسی چھتر پلین کو خلافت کے مبارک قدموں نے کئی دفعہ اعزاز بخشا مگر دل کی کالک جاتی تھی نہ گئی۔



غزل

سید نصیر احمد شاہ

آقا کو ہم دیں یہ دعائیں، ایدہٗ بالرُوح القدس
نعرہ ہم سب مل کے لگائیں، ایدہٗ بالرُوح القدس
استخلاف کی آیت کا جو پرتو ہم نے دیکھ لیا
دل سے نکلیں یہ ہی صدائیں، ایدّہٗ بالرُوح القدس
رب نے خود مہدی کو بتایا، اِنِّی مَعَکَ یا مسرور
ہم پھر کیوں نہ ساتھ نبھائیں، ایدّہٗ بالرُوح القدس
کر گئے ذکر محمد جن کا، اُمتی ہونگے، ہونگے نبی
اُن کے خلیفہ خامس سائیں، ایدہٗ بالرُوح القدس
مہرِ منور سے روشن وہ ماہِ منور، احمدِ ہند
اُن کی ضیاء ہی یہ پھیلائیں، ایدہٗ بالرُوح القدس
ہے یہ تقاضا عہدِ وفا کا، خونِ جگر سے ہم اپنے
گلشنِ احمد یوں مہکائیں، ایدہٗ بالرُوح القدس
جان ہماری وارِ خلافت، مقتل ہو یا رہِ رفاقت
کہتے کہتے جان سے جائیں، ایدہٗ بالرُوح القدس
کلمہِ عرفان کی لَے پر، جلوہِ مسرور سے یوں
ایم ٹی اے کی شان بڑھائیں، ایدہٗ بالرُوح القدس



مناجات

تنویر احمد ناصر

تیری رحمت کا طلبگار بھی ہوں
اور خطاؤں پہ شرمسار بھی ہوں
تجھ سے مانگوں بھی تو کس منہ سے
کیا کروں میں کہ گنہگار بھی ہوں
سر کی نخوت سے پریشاں ہوکر
تیرے قدموں میں نگوں سار بھی ہوں
دل میں ہے گرچہ معاصی کا ہجوم
تیرا بندہ ہوں وفادار بھی ہوں
تیرا غفراں ہے غضب پر حاوی
تیری بخشش کا سزاوار بھی ہوں



پہلا پاکستانی اور احمدی مسلمان نوبیل یافتہ سائنسدان ڈاکٹر محمد عبدالسلام اور حاسدوں کے غیض وغضب کا اظہار

(انجینئر محمود مجیب اصغر)

لیغیظ بھم الکفار (سورہ الفتح آیت 30) اور معاندین ان کو دیکھ کر حسد سے جلیں گے

ہمارا پہلا پاکستانی اور احمدی مسلمان نوبیل یافتہ سائنسدان پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالسلام (1926 تا 1996) اپنی ہی قوم کے معاندین اور حاسدوں کے ہاتھوں اسی قسم کے سلوک کا شکار ہو رہا ہے

جس شخص کو تیس (30) عالمی سوسائٹیوں نے اپنا رکن بنایا دنیا بھر کی اٹھتیس (38) یونیورسٹیوں نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دیں اور جس نے عالمی سطح پر بائیس (22) ایوارڈ حاصل کئے۔ سائنس کی دنیا میں جس کا ڈنکا بجتا ہے۔ جس کی پہلی برسی پر اس کے قائم کردہ انٹرنیشنل سنٹر فار تھیوریٹیکل فزکس (ICTP) ٹریسٹے کا نام تبدیل کر کے اس کے نام پر رکھ دیا گیا

The Abdus Salam International Centre for Theoretical Physics (ICTP) Treste, Italy

اس کے اپنے ہموطنوں نے ایک قلیل تعداد کے ساتھ پاکستان کی قومی اسمبلی میں اپنی سیاست چمکانے کے لئے اس کا نام قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ طبعیات سے مٹانے کی قرارداد منظور کروالی

اس موقع پر مجھے 1975ء کا جلسہ سالانہ ربوہ یاد آ گیا جب ربوہ کی دیواروں سے بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا الہام "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا" ریذیڈنٹ مجسٹریٹ ربوہ نے مٹوا دیا تھا۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا دور تھا۔ انہوں نے اپنے افتتاحی تقریر کے دوران جلسہ گاہ میں دنیا بھر سے آئے ہوئے غیر ملکی افراد کو کھڑا کر دیا اور فرمایا تھا:

’’کتابوں میں سے یہ الہام مٹایا جاسکتا ہے کہ میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا کیونکہ وہ سیاہی سے لکھا ہوا ہے اور دیواروں پر سے بھی مٹایا جا سکتا ہے لیکن اس کرہ ارض کے چہرہ سے نہیں مٹایا جاسکتا کیونکہ اس کے اوپر اسے انسانوں نے تحریر کیا ہے۔‘‘

مجھے وہ نظارہ یاد ہے جب امام وقت کے ارشاد پر لاکھوں کے مجمع سے سینکڑوں غیر ملکی افراد کھڑے ہو گئے اس پر جلسہ گاہ نعرہ ہائے تکبیر اور اسلامی عظمت کے نعروں سے گونج اٹھی



آپ نے فرمایا ’’یہ لوگ امریکہ سے آنے والے ہیں جو مغرب کی طرف غالباً نو دس ہزار میل کے فاصلہ پر ہے اور یہ مشرق کی طرف سے انڈونیشیا سے آنے والے ہیں آسٹریلیا میں بھی یہ آواز پہنچی اور وہاں احمدی ہوئے اور افریقہ کا براعظم جس کو دنیا نے اندھیرا اور ظلماتی براعظم کہا تھا اس افریقہ کے براعظم کے دل میں خدا تعالی نے نور پیدا کر دیا اور یورپ جو بے راہ روی کا مرکز بن چکا تھا اس میں سے یہ پیارے وجود پیدا ہو رہے ہیں۔‘‘

(حیات ناصر صفحہ 650)

دنیا کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام بھی بانی سلسلہ احمدیہ کے عظیم الشان الہامات کا ثمرہ ہیں۔ 1979ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں اس کا انکشاف کیا: آپ نے بتایا:

’’آج سے تقریباً پندرہ سال پیشتر حضرت والد صاحب چوہدری محمد حسین مرحوم نے اپنی ڈائری میں مندرجہ ذیل سطور رقم فرمائی تھیں۔‘‘

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے مرحوم نے بندہ کو بمقام لندن ایک خط لکھا جس میں درج تھا کہ میں آپ کے عزیز فرزند کے متعلق دور افق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھتا ہوں الفاظ پیشگوئی

میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے

(تجلیات الٰہیہ روحانی خزائن جلد 20)

ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب کو 1979ء میں جب نوبیل انعام ملنے کا اعلان ہوا تو اس وقت کے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے بھی انہیں مبارکباد کا تار دیا اور لکھا:

" آپ نے یقیناً پاکستان کی عظمت اور سرفرازی کو تابانی بخشی ہے۔‘‘

اور انہیں اعلی ترین سول اعزاز نشان امتیاز دیا

(بحوالہ جنگ کراچی 16 اکتوبر 1979ء)

ایک اور ایمان افروز واقعہ جس کا میں عینی شاہد ہوں بیان کرنا چاہتا ہوں

نومبر 1980ء میں جب ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب کو حکومت پاکستان نے سٹیٹ گیسٹ کے طور پر پاکستان بلوایا تو ان دنوں اخبارات میں اس کا خوب چرچا تھا حضرت خلیفہ ثالث بھی کسی کام سے اسلام آباد آئے ہوئے تھے بیت الفضل گیسٹ ہاؤس میں آپ کا قیام تھا میں ان دنوں وفاقی وزارت پانی و بجلی میں نیسپاک سے reputation پر آیا ہوا تھا اور اوورسیز پراجیکٹس کوارڈینیشن سیل میں سینئر انجینئر انچارج کے طور پر خدمات بجا لا رہا تھا اور مجلس خدام الاحمدیہ کا ایکٹو ممبر تھا اس دوران اکثر اوقات بیت الفضل گیسٹ ہاؤس میں حاضر رہتا اور مغرب عشاء کی نمازیں لازماً حضور کی اقتداء میں پڑھتا۔ ایک روز مغرب وعشاء کی نمازوں کے بعد جب حضور مقتدیوں کی طرف رخ کر کے تشریف فرما ہوئے تو کسی دوست غالباً شیخ عبدالوہاب صاحب امیر جماعت اسلام آباد نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس پر حضرت خلیفہ ثالث نے فرمایا کہ حضور جب 1978ء میں کسر صلیب کانفرنس پر لندن تشریف لے گئے تو ڈاکٹر عبدالسلام صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو ملے اور دعا کے لئے عرض کرتے ہوئے کہا کہ انہیں بہت سارے انعامات تو مل چکے ہیں لیکن ابھی تک نوبیل انعام نہیں ملا حضور نے کچھ توقف کے بعد انہیں فرمایا کہ اب تک آپ کی ریسرچ جو سامنے آئی ہے اس پر تو نہیں لیکن اگلے سال 1979ء میں آپ کو نوبیل انعام مل جائے گا۔ چنانچہ یہ خلیفۃ المسیح الثالث کی دعا کا ہی کرشمہ تھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو 1979ء میں نوبیل انعام مل گیا

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ فوراً مسجد فضل لندن تشریف لائے اور خدا کے آگے سجدہ میں گر گئے۔ میں تحدیث نعمت کے طور پر اس بات کا اظہار کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے خدام الاحمدیہ کو بچوں کے لئے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب پر کتاب لکھنے کا ارشاد فرمایا اس وقت صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ محمود احمد شاھد (بنگالی) تھے انہوں نے یہ کام میرے سپرد کیا اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے والد مرحوم کی مطبوعہ ڈائری (سرگزشت) بھی دی کہ اس سے بھی مدد لے لوں چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جلد ہی کتاب کا مسودہ تیار ہو گیا صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب اس وقت نائب صدر اور مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ تھے انہوں نے مسودے میں چند جگہوں پر معمولی تبدیلیاں کروائیں اور مسودہ خلافت ثالثہ میں ہی finalise ہو گیا تاہم اس کی اشاعت خلافت رابعہ کے شروع میں ہوئی

اس Short Story Book کا نام ”پہلا احمدی مسلمان سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام" رکھا گیا۔ میں نے یہ کتابچہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو ان کے ایک بھائی انجینئر محمد عبدالسمیع صاحب جو ہمارے IAAAE کے پہلے جنرل سیکرٹری تھے (اور میں جوائنٹ سیکرٹری تھا) کے ساتھ 1983ء کے جلسہ سالانہ کے دوران صدر انجمن احمدیہ کے گیسٹ ہاؤس میں پیش کی تھی۔ کچھ عرصہ ہوا ہماری ایک احمدی بچی



سائنسدان ڈاکٹر منصورہ شمیم جو کہ جنیوا میں Higgs Particle کے تجربے میں شامل تھیں نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ انہوں نے اس شارٹ سٹوری بک سے Inspire ہو کر سائنسدان بننے کا فیصلہ کیا تھا جو ان کے بچپن میں ان کے والد مرحوم شمیم احمد صاحب سنوری نے لا کر دی تھی۔ یہ انٹرویو لاہور انٹرنیشنل رسالہ کے ایڈیٹر ذکریا ورک صاحب نے فون پر لیا تھا اور روزنامہ الفضل میں چھپوایا تھا The Express Tribute dated 01 April, 2016 میں ایک مضمون نگار نے لکھا تھا Every Child Should Be Told About Abdus Salam

ان دنوں اخبارات میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب پر کافی مضمون آ رہے ہیں بعض Repeat ہو رہے ہیں Gulf News

Pakistan's lone Nobel laureate nomhero at home

Abdus Salam was co_ winner of the Nobel Prize for his work on the so called Standard Model of particle physics

Published 00:00 July 10,2012 AP Islamabad: The pioneering work of Abdus Salam ,Pakistan's only Nobel laureate , helped lead to the apparent discovery of the subatomic "God Particle"last week .But the late physicist is no hero at home,where his name has been stricken from school text books........ Mail Online Nobel prize winning Pakistani Physicist who predicted the 'God Particle' is shunned in his own country because of his religious beliefs

#Abdus Salam predicted existence of the Higgs Boson Particle in 1970

#He was persecuted by Islam fundamentalists because for being Ahmadi.

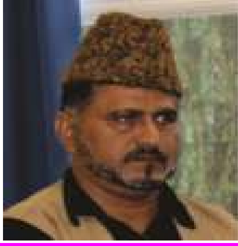
#Scientist has been written out of text books in Pakistan.

#Colleagues say it is a tragedy that Salam is not recognised in home country......

ان تضادات کو دیکھ کر Paradox کے لفظ کی صحیح سمجھ آتی ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان حرکتوں سے دنیا بھر میں ڈاکٹر عبدالسلام کی عزت کم ہو جائے گی اور کہ کرہ ارض پر ان کی سائنسی تحقیقات کا impact قائم ہوا ہے کیا وہ مٹ جائے گا

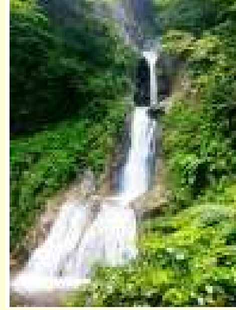
آہوں سے سوزِ عشق مٹایا نہ جائے گا پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا



آبشاروں کی سرزمین پر آسمانی آبشار کا نزول

وادی ہزارہ میں تاریخ احمدیت کی خوبصورت یادیں

اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ



یہ 26 جولائی 1986 کی ایک دل آویز شام تھی دریائے سرن کا یخ بستہ، صاف شفاف پانی، خوبصورت انداز میں بل کھاتا، جھاگ اڑاتا اور شور مچاتا میرے پاؤں کو چھوتے ہوئے گزر رہا تھا ۔میری دائیں طرف اوپر ڈاڈر کا ڈاک بنگلہ دور سے چیڑ کے درختوں میں سے نظر آ رہا تھا۔ پہاڑی دریا کے بیچوں بیچ ہر طرف گول سفید پہاڑی چٹانیں یوں بکھری ہوئیں تھیں جیسے جواہری تھیلے کا منہ بند کرنا بھول گیا ہو۔سامنے پہاڑ سے اترتی ننھی سی آبشار۔ پہاڑی ڈھلانوں پر جگہ جگہ پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے گلیشئر ز اور ابلتے ہوئے چشمے اور اوپر سے شام کا منظر۔ایک عجیب دلفریب نظارہ تھا جس نے مجھے وقت کی دھڑکن سے بے نیاز کر دیا۔میں اسی چٹان پر بیٹھا رہا مگر میری سوچ، پرواز کے پروں کے ساتھ دور ہزارہ کی خوبصورت وادیوں میں کہیں کھوگئی۔

ہزارہ ڈویژن بلندو بالا پہاڑی سلسلوں،قدرتی نظاروں اور صحت افزا مقامات کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ہزارہ صوبہ خیبر پختونخواہ کی 5 ڈویژن میں سے ایک ہے جس کے تین اضلاع ہیں۔ضلع مانسہرہ ضلع کوہستان اور ضلع ایبٹ آباد۔اس کے شمال میں ہمالیائی سلسلہ کے وہ پہاڑ ہیں جو شاہراہ چین سے کوہ مری تک پھیلتے چلے گئے ہیں ۔ایک پہاڑی شاہراہ مری کو ایبٹ آباد سے ملاتی ہے ۔ایبٹ آباد خانس پور، کالا ڈھاکہ، چھانگا گلی ،ڈونگا گلی ،نتھیا گلی ،ایوبیہ شوگران ،سری، پائے ،کاغان، ناران ،بٹہ کنڈی اور لالہ زار کے پر بہار مقامات میں ہر سال ہزاروں سیاحوں کی ایک بہت بڑی جماعت یہاں آتی ہے ۔سارا علاقہ چیڑ، دیودار اور پڑتل کے جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے ۔ایوبیہ اور ٹھنڈیانی کو مزید خوبصورت بنایا جا رہا ہے۔ایوبیہ میں لفٹ بھی لگی ہوئی ہے ۔دوسری طرف چلیں تو وادی کاغان نظر آتی ہے۔کنہار کا خوبصورت دریا بیچوں بیچ بہتا ہے۔ بالاکوٹ وادی کاغان کا مین دروازہ ہے۔جھیل سیف الملوک۔جھیل دودی پک اور جھیل لولوسر اس وادی کی خوبصورت جھلیں ۔کاغان کے مشرقی اور مغربی پہاڑوں کے درمیان کاغان یا کنہار کی حسین وادی ہے جو درہ بابوسر تک لمبائی میں 92 میل اور چوڑائی میں 15 میل ہے۔کاغان میں بارہ ہزار سے 17 ہزار فٹ تک برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑی چوٹیاں ہیں ۔

کاغان ناران شوگران لالہ زار بٹہ کنڈی ،ٹھنڈیانی ،میرا جانی ۔کوائی ،کنڈ بنگلہ ،شہید پانی ،ندی بنگلہ ،چھتراں ،پارس،کوٹلی ،ایوبیہ وغیرہ اس وادی کے انتہائی خوبصورت پکنک پوائنٹ ہیں۔بڑے بڑے گلیشیر،صاف شفاف نیلے پانی کے کٹوروں میں جھلیں اور آبشار پر آبشار بناتی گنگناتی ندیاں،انتہائی دلفریب منظر پیش کرتی ہیں ۔فضا میں ہزاروں سفید تتلیوں کی قبا اور زمیں پر تا حد نگاہ بنفشی پھولوں کی رداا وڑھے ،اس وادی میں کیا ہی مسحور کن فضا ہے۔

خاکسار آج پہلی بار اپنے جامعہ کے تین دوستوں کے ساتھ ہائیکنگ کے لئے یہاں آیا تھا۔آج شام ڈاڈر میں گزارنے کے بعد کل علی الصبح ہم لوگ سرن ویلی میں ہائیکنگ کے لئے داخل ہونے والے تھے۔میں اپنے دوستوں سے آنکھ بچا کر دریائے سرن کے کنارے چلا آیا تھا۔یہاں عصر کی نماز پڑھی اور پھر قدرت کی اس حسین وادی میں شام کے سائے کب اتر آئے پتہ بھی نہیں چلا۔

وہ کہتے ہیں کہ یہاں انسان کا فرض اور اس کے شوق وجنون کی سرحدیں ملتی ہیں اسے خوش نصیبی کہا جاتا ہے۔سو یہ میرے پروردگار کا مجھ پر فضل ہوا کہ وہ خوش نصیبی مجھے عطا ہوئی۔یعنی اس ہائیکنگ کے 5 سال بعد جب جامعہ کے لئے مقالہ لکھنے کا مرحلہ آیا تو مجھے "وادی ہزارہ میں شمع احمدیت" کے نام سے اس وادی کی سوسالہ تاریخ احمدیت لکھنے کا حکم ہوا۔اور پھر جب پوسٹنگ کا وقت آیا تو مجھے اسی وادی میں مربی ضلع کی ڈیوٹی تویض ہوگئی۔اور جب فیلڈ میں قدم رکھا تو وادی ہزارہ کے اسیران راہ مولا میں سے ہونے کا اعزاز بھی نصیب ہو گیا۔مجھے اپنے مقالہ کے دوران 1 مانسہرہ 2) ایبٹ آباد(3) ہری پور(4) داتہ(5) ڈیبگراں(6) چھتر پلین(7) بٹراسی (8) بالاکوٹ (9) گڑھی حبیب اللہ(10) چھوڑ(11) منگلور(12) سجی کوٹ (13) سسل (14) تمر کھولہ (15) پھگلہ (16) پھلڑہ (17) سگدار(18) کچھی اور(19) گندھک کا دورکرنے کا موقعہ مل گیا یعنی تقریباً 1278 کلومیٹر کا سفر جس میں سے 23 کلومیٹر پیدل کیا۔اور جب مربی ضلع کی ڈیوٹی ملی تو ایبٹ اباد اور مانسہرہ کی جیلوں میں رہائش اختیار کر کے اس میں مزید کچھ میٹر کا اضافہ کرنے کی توفیق بھی اللہ نے عطا کر دی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک

یوں جھیلوں ،چشموں ،آبشاروں اور وادیوں کی سیر، پہاڑوں پر ہائیکنگ یعنی قدرتی حسن سے لگاؤ اور جماعت کی خدمت کے دھارے ساتھ ساتھ بہتے 10 سال گزر

گئے اور پتہ بھی نہیں چلا۔

آبشاروں کی سرزمین پر آسمانی آبشار کا نزول

وادی ہزارہ میں تربیلہ جھیل کے ساتھ سفر کریں تو ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آتا ہے جسے "کوٹھ" کہا جاتا ہے آج سے ڈیڑھ صدی پہلے اسی گاؤں میں ایک صاحب کشف و کرامت ولی اللہ رہائش پذیر تھے۔ ان کا نام سید امیر تھا۔ اور انہیں کی نسبت سے یہ گاؤں کوٹھ شریف مشہور تھا۔ حضرت سید امیر رحمۃ اللہ علیہ المعروف پیر صاحب آف کوٹھہ شریف۔ آپ ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے 1292ھ میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ امام مہدی پیدا ہو چکا ہے وہ اس وقت جوان ہے اور عنقریب ظاہر ہوگا۔ حضرت پیر صاحب کی یہ بشارت کئی واسطوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک پہنچی چنانچہ آپ نے اپنی تصنیف تحفہ گولڑویہ میں ان روایات کو درج فرماتے ہوئے لکھا

"پہلی گواہی مرزا محمد اسمٰعیل صاحب سابق ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس بنوں کی ہے۔ جنہوں نے حضرت سید سرور شاہ صاحب پروفیسر مشن کالج بیان کیا کہ میں نے حضرت کوٹھے والے صاحب کو سنا ہے کہ وہ کہتے تھے مہدی آخرالزمان پیدا ہو گیا ہے۔ مگر ابھی اس کا ظہور نہیں ہوا اور جب پوچھا گیا کہ نام کیا ہے تو فرمایا کہ نام نہیں بتلاؤں گا۔ مگر اس قدر بتلاتا ہوں کہ اس کی زبان پنجابی ہے۔ دوسرے صاحب جو وہ اپنا بلاواسطہ سننا بیان کرتے ہیں وہ ایک معمر بزرگ حضرت کوٹھ والے صاحب کے بیعت کرنے والوں میں سے ہیں ان کے خاص رفیقوں میں سے ہیں جن کا نام حافظ نور محمد ہے اور وہ متوطن موضع گڑھی امازئی ہیں۔ اور ان دنوں میں کوٹھ میں رہا کرتے ہیں ایک اور بزرگ معمر سفید ریش ہیں جن کا نام گلزار خان ہے یہ بھی حضرت کوٹھ والے صاحب سے بیعت کرنے والے اور متقی پرہیزگار خداترس نرم دل اور مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے پیر بھائی ہیں ان دونوں بزرگوں کا چشم دید روایت بذریعہ محبی مولوی حکیم محمد یحیٰی صاحب دیبگراں (مانسہرہ) مجھے پہنچی ہے مولوی صاحب موصوف ایک ثقہ آدمی اور متقی ہیں اور حضرت کوٹھ والے صاحب کے خلیفہ کے خلف الرشید ہیں۔ انہوں نے 23 جنوری 1900 کو میری طرف ایک خط لکھا تھا جس میں ان دونوں بزرگوں کے بیانات اپنے کانوں سے سن کر مجھے اطلاع دی ہے خداتعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور وہ خط یہ ہے۔" بخدمت شریف حضرت امام الزمان بعد از السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض کہ میں موضع کوٹھ علاقہ یوسف زئی کو گیا تھا اور چونکہ سنا ہوا تھا کہ حضرت صاحب مرحوم کوٹھ والے فرماتے تھے کہ مہدی آخرالزمان پیدا ہو گیا ہے مگر ظہور ابھی نہیں ہوا تو اس بات کا مجھ کو بہت خیال تھا کہ میں اس امر کی تحقیق کروں کہ فی الواقع کس طرح ہے جب میں اس دفعہ کوٹھ کو گیا تو ان کے مریدوں میں سے جو باقی ماندہ ہیں ہر ایک سے میں نے استفسار کیا ہر ایک یہی کہتا تھا کہ یہ بات مشہور ہے ہم نے فلاں فلاں سے سنا کہ حضرت صاحب یوں فرماتے تھے مگر 2 آدمی ثقہ متدین نے اس طرح کہا کہ ہم نے اپنے کانوں سے حضرت کی زبان مبارک سے سنا ہے اور ہم کو خوب یاد ہے کہ ایک حرف بھی نہیں بھولا۔ اب میں ہر ایک کا بیان بعینہ عرض خدمت کرتا ہوں۔

۔۔۔۔ تکالیف اور فساد اس وقت ہونگے اس کو پرواہ نہ ہوگی۔ زمین آسمان مل جائیں گے اور الٹ پلٹ ہو جائیں گے اس کو پرواہ نہ ہوگی پھر میں نے عرض کی کہ نام ونشان یا جگہ بتاؤ۔ فرمانے لگے نہیں بتاؤں گا۔ فقط۔ یہ اس کا بیان ہے۔ اس میں میں نے ایک حرف زیر بالا نہیں کیا۔ ہاں اس کی تقریر افغانی ہے یہ اس کا ترجمہ ہے۔ دوسرے صاحب جن کا نام گلزار خان ہے جو ساکن موضع بڈا بیر علاقہ پشاور ہیں اور حال میں ایک موضع میں کوٹھ شریف کے قریب رہتے ہیں اس کا نام ٹوپی ہے یہ بزرگ بہت مدت تک حضرت صاحب کی خدمت میں رہے انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ایک دن حضرت صاحب عام مجلس میں بیٹھے تھے اور طبیعت اس وقت بہت خوش تھی فرمانے لگے کہ میرے بعض آشنا مہدی آخرالزمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور پھر فرمایا کہ اس کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں گے فقط اس بزرگ کو جب میں نے اس راز سے مطلع کیا کہ آپ کے حضرت کی یہ پیشگوئی سچی نکلی اور ایسا ہی وقوع میں آ گیا ہے۔ تو وہ بزرگ بہت رویا اور کہنے لگا کہ کہاں ہیں مجھ کو کسی طرح ان کے قدموں تک پہنچاؤ۔ اور میں سبب ضعف بصارت کے جا نہیں سکتا۔ کیا کروں پھر کہنے لگے کہ میرا اسلام ان کو پہنچانا اور دعا کروانی۔ پھر میں نے اس سے وعدہ کیا کہ ضرور تمہارا سلام پہنچادوں گا۔ اور دعا کا سوال بھی کروں گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ ضرور اس کے واسطے دعا کی جائے گی۔ محمد یحیٰی دیبگرانی

ایسا ہی ایک اور خط مولوی حمید اللہ صاحب ۔۔۔۔۔ سوات کی طرف سے مجھے پہنچا ہے جس میں یہی گواہی بزبان فارسی ہے۔ (تحفہ گولڑویہ تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ 56 تا 58 کا حاشیہ) چنانچہ حضرت پیر صاحب کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ہزارہ کے بہت سے لوگوں کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کی نعمت نصیب ہوئی۔

مولانا محمد سعید علیہ رحمۃ اللہ دیبگرانی کی پیشگوئی

انیسویں صدی عیسوی کے آخری نصف میں عوام الناس ظہور امام مہدی ونزول مسیح کے شدت سے منتظر تھے۔ کیونکہ چودھویں صدی ہجری کا آغاز قریب تھا۔ اور یہ صدی پیشگوئیوں کے مطابق ان امور کے لیے متعین تھی۔ اسی زمانہ میں ضلع ہزارہ کے قصبہ مانسہرہ کے قریب جانب غرب ایک چھوٹے سے گاؤں دیبگراں میں ایک صالح بزرگ محمد سعید رہتے تھے اور صاحب خوارق وکرامات ہونے کی وجہ سے مرجع خلائق تھے وہ خود حضرت امیر علیہ رحمۃ المعروف ملاں صاحب کوٹھ کے مرید خاص و مجاز خلیفہ تھے۔ مولانا محمد سعید علیہ رحمۃ اپنے گاؤں کی مسجد میں وضو فرما رہے تھے کہ ان کی نظر چودھویں صدی ہجری کے چاند پر پڑی۔ آپ نے اپنے اردگرد جمع شدہ

لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا" آج چودھویں صدی کا پہلا دن شروع ہو گیا ہے ظہور مہدی اس صدی کے سر پر ہونے والا ہے شاید ہم بھی زمانہ پالیں۔مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے پہلے ہی 1307ھ میں وفات پا گئے۔البتہ وفات سے چند روز پہلے ایک دوست کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص نے جو پنجاب کا رہنے والا ہے تائید اسلام میں ایک عظیم الشان کتاب لکھی ہے۔فرمایا"انسان نہایت مبارک ہے اس کی زیارت کرنا چاہیے" آپ کی زندگی کے 2 واقعات بہت زیادہ قابل ذکر ہیں۔

پہلا یہ کہ وفات سے چند روز قبل انہوں نے اپنے بیٹے یحییٰ کو حکم دیا کہ تم جب بھی اپنی مہر بناؤ تو اس کے نگینہ میں یہ قرآنی الفاظ کندہ کروانا یہ یایحییٰ خذالکتاب بقوۃ۔دوسرا واقعہ یہ ہے کہ وفات سے چند روز قبل خاموشی اختیار کر لی۔ بیٹے بار بار وصیت کرنے کو کہتے رہے مگر آپ خاموش رہے۔اور پھر ان کے انتہائی اصرار پر فرمایا"میں نے تمہارے حق میں بہت دعائیں کی ہیں مجھے امید ہے اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا مگر قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور دکان داروں کے پیچھے ہرگز نہ پھرنا امام برحق کا ظہور ہونے ہی والا ہے تم اس کے پاس دوڑ کر جانا اور دنیا کی لعن طعن کی پرواہ نہ کرنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب دعویٰ کیا تو چاروں طرف سلسلہ دعوت وتبلیغ شروع کر دیا۔جہاں کسی شخص کا علم ہوتا کہ وہ دعوت کا خاص طور پر اہل ہے تو اسے براہ راست تحریک فرماتے۔انہیں مولوی محمد یحییٰ اور ان کے بھائی محمد یعقوب کا پتہ مرزا اعظم بیگ صاحب سے ملا۔یہ بزرگ حضرت صاحب سے تعلق رکھتے تھے۔اور دوران بندوبست ضلع ہزارہ میں نائب مہتمم بندوبست کے عہدہ پر متعین رہ چکے تھے اور اس دوران بوجہ ارادت مولانا محمد سعید صاحب کے پاس آیا کرتے تھے۔اور اس خاندان سے متعارف تھے حضرت صاحب نے اپنی دو کتب" آئینہ کمالات اسلام "اور حمامۃ البشریٰ: مولوی محمد یحییٰ صاحب کو بذریعہ ڈاک بھیجیں۔اور پیکٹ کے باہر اپنی قلم سے یہ الفاظ لکھے۔یا یحییٰ خذالکتاب بقوۃ۔مولوی صاحب پر ان الفاظ کا گہرا اثر ہوا اور اپنے والد مرحوم کی بات یاد آئی۔جب انہوں نے مہر کے سلسلہ میں یہی الفاظ فرمائے تھے اور ان کو محسوس ہوا کہ ان دونوں واقعات کا آپس میں باطنی تعلق ہے ابھی کتاب آدھی نہ پڑھی تھی کہ حضرت صاحب کے دعویٰ کی صداقت کا یقین ہو گیا۔اور وفات مسیح اور نزول مسیح کا امت محمدیہ کے کسی فرد وجود میں ہونا ان کی سمجھ میں آ گیا۔اور اطمینان قلب نصیب ہوا۔فوراً بیعت کی درخواست بھیجی اور اپنی والدہ کی علالت کا ذکر کر کے لکھا کہ افاقہ ہونے پر حاضری وزیارت کی سعادت حاصل کریں گے۔حضرت صاحب نے قبولیت بیعت کے خط میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ بیمار والدہ کی خدمت ہمارے پاس آنے پر مقدم ہے۔جب تک ان کی صحت کے متعلق اطمینان نہ ہو۔سفر قادیان کا عزم نہ کریں۔بیماری لمبی ہو گئی۔اور بالآخر مریضہ 1896ء میں وفات پا گئیں آپ اسی سال حضور کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہو گئے۔

اسی طرح سے بالاکوٹ شہر میں بھی ایک بزرگ عالم دین کی گواہی نظر آتی ہے۔قریشی اسداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں محمد اسمٰعیل خاں صاحب فاضل مرحوم 10 اکتوبر 1858 کو پیدا ہوئے اور 14 مئی 1942ء کو فوت ہو گئے۔آپ بالا کوٹ کے مشہور عالم تھے آپ کے دادا محمد عباس خان صاحب بٹ گرام سے بالاکوٹ میں ان دنوں تشریف لائے جب حضرت سید احمد شہید بالاکوٹ میں سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے سلسلے میں مقیم تھے۔سید احمد موصوف آپ کے گھر میں مہمان بھی رہے محمد اسمٰعیل مرحوم نے"تبصرات اسمٰعیلی"کے نام سے زندگی کے آخری ایام میں ایک تاریخی مسودہ لکھنا شروع کیا تھا۔جو"قوم سواتی افغان"کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔اور جس میں لکھا ہے کہ قوم سواتی بنی اسرائیل ہیں مگر آپ اس مسودہ کے صرف 12 صفحے لکھ پائے تھے کہ وفات پا گئے اور مسودہ مکمل نہ کر سکے۔وفات کے وقت آپ کے دو بیٹے تھے۔ہمایوں خان اور فریدون خان۔جن کے پاس اپنے والد مرحوم کی ایک املاء کردہ وصیت موجود ہے جس میں ضروری نصائح ہیں۔محمد اسمٰعیل خان کے بیٹے فریدون خان نے بتایا کہ وفات کے قریب والد مرحوم نے یہ وصیت اپنے بڑے بیٹے ہمایوں خاں کو املاء کروائی۔کیونکہ بوجہ بیماری آپ خود نہ لکھ سکتے تھے۔اور املاء کروا کہ نیچے اپنے ہاتھ سے اپنے دستخط کئے ہیں انہوں نے مجھے یہ تحریری وصیت دکھائی جو کاپی سائز کے 6 صفحات پر مشتمل ہے۔ان کے شکریہ کے ساتھ وہ حصہ درج ہے جو متعلقہ ہے۔۔"وصیت"

آج جبکہ میں اس دنیائے ناپیدار کی آخری منزل اور دارالبقاء کے پہلے زینے پر قدم دھرنے والا ہوں۔میں عرصہ سے قادیان خلیفہ صاحب سے بہت متاثر ہو کر احمدی ہوا تھا۔اس زمانے سے آج تک میں نے حنفی شافعی ودیگر مذاہب کے بڑے بڑے عالموں کی تصنیفات مطالعہ کی ہیں مجھے اس عقیدہ سے (حیات مسیح) کبھی تسلی نہ ہوئی۔۔۔(آخری حصہ میں درج ہے) آمدم برسر مطلب بقول صحیح بخاری ایمان ثریا تک جا پہنچا۔جب ارشاد نبوی ہے اس خطرناک وقت میں کوئی مصلح دنیا پر آئے گا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت اور قرآن کے ماتحت ہو کر اسلام کو زندہ کرے گا میں نے لگا تار دس سال محنت کر کے ہر فرقہ کو ڈھونڈا۔لائبریری موجود ہے کسی فرقہ کے عالم نے واللہ میری تسلی نہ کی۔لہذا میں حضرت مسیح موعود علیہ کو سچا امام مہدی ومسیح موعود سمجھ کر جا رہا ہوں۔محمد اسمٰعیل بقلم خود

(الفضل 7 نومبر 1963ء رپورٹ اسداللہ قریشی مربی سلسلہ ترین بالاکوٹ ہزارہ)

خاکسار کی ناقص تحقیق کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حین حیات ہی میں ہزارہ کے 23 شہروں اور گاؤں کی سعید روحوں کو امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کی نعمت نصیب ہوئی۔جن میں سے اکثر صحابہ اور صحابیات کو قادیان پہنچ کر بیعت

کرنے کا شرف حاصل ہوا۔مانسہرہ، داتہ، دیگبراں، ہری پور،پکھی ، تھاتھی۔گڑھی حبیب اللہ کے پاس چھپڑاوگی شہر کے پاس منگلور گاؤں۔تربیلہ کے قریب صوابی میرا کا گاؤں۔مانسہرہ کے پاس موضع لنگر،موضع چریاں۔ایبٹ اباد شہر، ریاست امب اور سچی کوٹ۔اسی طرح سے تربیلہ جھیل کی بیک سائیڈ پر پھلڑہ اور سسل گاؤں اوراوگی شہر۔کاغان کی طرف کوائی کے دور دراز علاقوں سے سعید روحوں کو قادیان پہنچنے اور امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کرنے اور حلقہ بیعت میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔(جاری ہے)

ایمان افروز واقعات

نذیر احمد سانول

ہمارے علاقہ جماعت احمدیہ چوپڑ ہٹہ کے ایک معزز زمیندار دوست جناب مہر خدا بخش صاحب ولد مہر احمد بخش صاحب کھیتی باڑی کے علاوہ لکڑی کا کاروبار بھی کرتے رہے اور وسیع حلقہ میں اثر رکھتے تھے۔انہیں سارے جسم پر خارش کا مرض لاحق ہوگیا مرض شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔مقامی ڈاکٹرز حکماء اور سنیاسیوں سے ایک عرصہ تک علاج معالجہ کراتے رہے جس سے کوئی خاص فرق نہ پڑا۔دوا کے استعمال سے وقتی آرام وسکون آجاتا اور چند دنوں کے لئے خارش دب جاتی مگر پھر دوبارہ لوٹ آتی یہی سلسلہ چلتا رہا۔حالت یہاں تک ابتر ہوگئی کہ جب دورہ پڑتا تو جسم کو کھجلتے کھجلتے چھیل کر سرخ کر دیتے۔ڈاکٹروں وحکیموں سے بدظن ہوکر پیروں فقیروں کی طرف متوجہ ہوئے مگر وقت اور پیسہ کے ضیاع کے علاوہ کچھ نصیب نہ ہوا۔ایک دن خاکسار کے پاس آگئے اور کہنے لگے میری حالت خارش کی وجہ سے ابتر ہوگئی ہے۔دوا، علاج ودم، پھوکا سب آزما چکا ہوں مجھے ایک پیر صاحب نے بتایا ہے کہ احمدیوں کے مرکز سے اس مرض کا شافی علاج مل سکتا ہے ان کے ہاں سے کھانا پینا تو جائز نہیں البتہ ادویہ استعمال کی جاسکتی ہیں۔

خاکسار ربوہ جارہا تھا کہ ان کو بھی طے شدہ پروگرام کے مطابق ساتھ لے لیا سفر کے دوران بڑی کربناک حالت میں اپنے جسم کو خارش کرنے میں مصروف رہے۔بہرحال ربوہ پہنچنے پر سیدھے وقف جدید کی ڈسپنسری میں گئے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے دوران تفصیل بتائی اور انہوں نے نسخہ دیا۔مہر صاحب نے ایک خوراک وہیں کھائی اور دوسری خوراک دارالضیافت آکر تھوڑا استانے کے بعد استعمال کی اور خاکسار کو مخاطب کر کے کہنے لگے جناب مجھے سکون آگیا ہے جسم میں جان آکر بے چینی ختم ہوگئی ہے اس دن کے بعد آج تک مہر صاحب کو خارش نہیں ہوئی۔

یہ دوست ربوہ میں دو دن مقیم رہے دوا نے جسمانی فائدہ دیا اور ربوہ کے پاکیزہ ماحول نے دل پر اثر کیا جس کا اپنی محافل میں ذکر کرتے رہتے ہیں اور تمام اعتراضات کا موقع پر بڑی جرأت سے جواب دیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں ربوہ میں روحانی وجسمانی شفاء تقسیم ہوتی ہے۔

مولوی محمد دین صاحب ساکن چاہ عبداللہ آرائیں والا تھے جب ہمارے والد صاحب 1978ء میں احمدی ہوئے تو انہوں نے ہمیں کافی تکالیف پہنچائیں۔ہمارے بھائی ریاض حسین صاحب ساقی ہمیں دوپہر کے وقت درختوں کے سایہ میں پڑھایا کرتے تھے،انہوں نے تھانہ سرائے سدھو میں رپورٹ کی کہ یہ احمدی حضرات بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے ہیں جسے ہم برداشت نہیں کر سکتے اس پر پولیس نے آکر ہمیں پابند کیا تھا کہ آپ اپنے گھر میں بچوں کو پڑھایا کریں باہر پڑھانے پر آپ کو سزا ہوسکتی ہے۔شعر پڑھ کر چہرہ متغیر ہوگیا اور بیعت کرلی۔

چونکہ ہمارا ایک ہی علاقہ اور راستہ تھا یہی موصوف ایک دن اپنے شاگرد کے ساتھ جارہے تھے ہمارے صدر صاحب اور خاکسار بھی اسی راستہ سے آرہے تھے ہم نے سلام کیا تو یہ طیش میں آگئے اور سوٹی لہرائی، کہا تمہارا کلام کرنا پلید ہوتا ہے جس سے ہمارے جسم ناپاک ہوجاتے ہیں آئندہ ایسا کیا تو پولیس میں رپورٹ کرادوں گا ہم خاموش ہوگئے یہ مخالفت میں پیش پیش رہے۔

ایک دن چند حوالہ جات دیکھنے کے لئے ہمارے غیر از جماعت رشتہ دار کو لے کر آگئے خاکسار نے کتب سے حوالہ جات دکھائے صرف ایک حوالہ کتاب کی عدم دستیابی کی بناء پر مل نہ سکا کہنے لگے اس حوالہ کا کیا بنے گا؟ خاکسار نے کہا ربوہ سے کتاب مہیا ہوسکے گی۔چند دنوں بعد تشریف لائے فرمانے لگے ربوہ چلیں جب ہم مرکز پہنچے تو گول بازار سے گزرے وہاں یہ شعر ایک بورڈ پر لکھا تھا۔

بھیج درود اس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمدؐ مصطفٰی نبیوں کا سردار

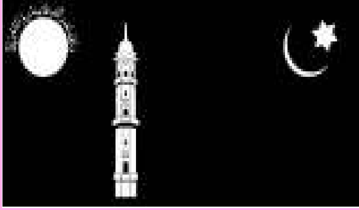
یہاں رک گئے فرمانے لگے یہ شعر کس کا ہے خاکسار نے بتایا کہ یہ شعر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود کی بڑی صاحبزادی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا ہے۔

موصوف کا چہرہ متغیر ہوگیا۔لنگر خانہ گئے،مغموم مغموم سے ہوگئے۔اگلے دن لائبریری سے حوالہ دیکھا تو کہنے لگے بیعت کرادو۔سعید اور نیک فطرت انسان تھے زار وقطار رونے لگے۔واپس آکر ان کی بڑی مخالفت ہوئی، مدرسہ، مسجد سے نکال دیئے گئے،باقی ماندہ زندگی مشکلات میں گزاری لیکن دل میں میل نہ آئی۔



احمدیت کا چاند تک تعاقب

تحریر ذوالکفل کاغانی



یہ 19 جون 1993 کی وادی ہزارہ میں ایک سرمئی شام تھی۔ختم نبوت یوتھ فورس ایبٹ آباد کے جنرل سیکرٹری صاحب کی طرف سے بار بار رابطہ کیا جا رہا تھا کہ وہ لوگ جماعت سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔اب پس منظر اور پیش منظر یہ تھا کہ آئے روز خدام کو گالیاں ،دھمکیاں ،مار پیٹ جاری تھی۔گلی گلی دوکانوں پر جماعت کے بائیکاٹ سمیت نازیبا تحریرات کے پوسٹر اور سٹکر آویزاں تھے۔بعض خدام کو اغواء کے بعد مار پیٹ کرنے کے بعد پرچے درج کروائے جا رہے تھے۔کئی خدام جیلوں میں تھے تو بہت سارے ضمانت کے بعد کوٹ کچہری کے چکر کاٹ رہے تھے۔ایسے میں مناظرہ؟ بات آگے بڑھی تو کہا گیا چلیں مذاکرہ کرتے ہیں۔جب قائد صاحب نے قانون کے حوالے سے ذکر کیا تو نئی راہ نکال لی گئی کہ دیکھیں ہم اشٹام پیپر پر نوٹری پبلک سے اٹسٹ کروا کے آپ کو تحریر دیں گے کہ ہم برضا و رغبت خود 77 تنولی ہاؤس جا رہے ہیں۔صرف جماعت احمدیہ کو سمجھنے کے لئے اور اس کے بعد نہ ہم خود اور نہ کسی اور کو اختیار ہوگا کہ وہ اس ملاقات پر کوئی قانونی چارہ جوئی کرے۔جب مکرم ساجد اعوان صاحب جنرل سیکرٹری ختم نبوت یوتھ فورس ایبٹ اباد نے اشٹام پیپر لا کر ہمارے قائد خدام الاحمدیہ ایبٹ اباد جناب ظفر تنولی صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیا تو قائد صاحب کی بھی ہمت بندھ گئی اور وہ بھی بار بار ٹیلی فون کرنا شروع ہو گئے کہ مربی صاحب اب تو کوئی قانونی پرابلم بھی نہیں ہے تو پھر بات چیت کرنے میں کیا حرج ہے؟ ہم نے جو شرائط رکھیں انہوں نے قبول کر لیں۔وہ ہمارے گھر آ کر بات چیت کریں گے اور اشٹام پیپر پر لکھ کر دے دیا ہے کہ کوئی مقدمہ بازی نہیں ہوگی۔میں نے قائد صاحب کو سمجھانے کے لئے اپنی سی کوشش کی کہ جو لوگ مذہب کو سمجھنے کے لئے آنا چاہتے ہیں خود ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ ایبٹ اباد کے سینما میں فلمی مستورات کے بورڈ پینٹ کرتا ہے۔سگریٹ پیتا ہے۔شہر میں عام مشہور ہے کہ پوڈر کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتے ہیں۔اس سے پہلے جماعت کے خدام کو کتنی اذیتیں پہنچا چکے ہیں۔آپ کے سامنے ہے کہ داتہ کی جماعت کا مکمل سوشل بائیکاٹ کروا چکے ہیں۔لین دین ٹرانسپورٹ سب کچھ کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔چھوٹے چھوٹے بچے بچیاں ضعیف بوڑھے اور کمزور عورتیں پیدل پہاڑوں پر چل کر کتنا مشکل سے سفر کرتے ہیں اور کئی سال ہو گئے ہیں یہ ظلم سہتے ہوئے ان کو کبھی رحم نہیں آیا بلکہ یہ ہنستے ہیں اور ٹھٹھے مارتے ہیں۔جب رانا کرامت اللہ صاحب امیر جماعت ہزارہ سمیت 13 افراد ویگن نہر میں گرنے سے فوت ہوئے تھے تو ان لوگوں نے مٹھائیاں بانٹی تھیں۔اس لئے دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں یہ کوئی سازش ہے۔مکرم قائد صاحب نے آرام سے سب کچھ سنا اور ہولے سے کہنے لگے مربی صاحب یہ تو ان کا ذاتی فعل ہے شائد ہماری تبلیغ سے ان کو ہدائیت نصیب ہو جائے۔اصولی طور پر ان کی بات بہت وزنی تھی چنانچہ خاکسار نے ہاں کر دی اور پلان یہ طے ہوا کہ اصغر علی بھٹی جینز شرٹ جو گر میں پنجاب سے آیا ہوا ایک مہمان ہے اور ظفر تنولی صاحب کے ساتھ بیٹھے گا اور بات چیت میں حصہ لے گا۔

چنانچہ اگلے دن صبح گیارہ بجے 77 تنولی ہاؤس کے دروازے پر دو سوزوکی ویگنیں موجود تھیں۔ہارن ہونے پر مکرم ڈاکٹر ناصر تنولی صاحب قائد علاقہ ہزارہ نے گھر کا مین دروازہ کھولا۔گاڑیاں اندر آئیں تو کوئی 11 کے قریب نوجوان کتابوں کے بنڈلز کے ساتھ باہر نکلے ہم تینوں نے ان کا استقبال کیا اور مکرم ڈاکٹر ناصر تنولی صاحب نے ان کو لے کر برآمدے میں سے ڈرائینگ روم کی طرف بڑھے۔قافلہ رک گیا۔مکرم ساجد اعوان صاحب نے جیب سے ایک خوبصورت پرنٹڈ اسٹکر نکالا اور اس کو ڈرائینگ روم کے دروازے پر چسپاں کیا اور پھر فاتحانہ انداز میں پیچھے مڑ کر باقی لوگوں کی طرف دیکھ کر اونچی آواز میں اسٹکر کی تحریر کو پڑھنا شروع کیا

”قادیانی اگر چاند پر بھی چلے گئے تو وہاں تک بھی ان کا تعاقب کیا جائے گا“

اور ان کی آواز ختم ہوتے ہی سب نے زوردار قہقہہ لگایا۔ابھی ختم نبوت پارٹی کا قہقہہ ختم ہی ہوا تھا کہ مکرم ڈاکٹر ناصر تنولی صاحب جو بڑے نڈر ،باغ و بہار اور بڑے حاضر جواب شخصیت ہیں فوراً ہی مسکراتے ہوئے اونچی آواز میں بولے کہ ”لو جی مولوی صاحب پھر ایک بات تو آج طے ہو گئی ناں کہ چاند پر پہلے ہم ہی جائیں گے۔تمہارے نصیب میں ہم سے پیچھے رہنا ہی لکھا ہے۔تم جہاں بھی آؤ گے ہمارے پیچھے پیچھے ہی آؤ گے۔آگے نہیں بڑھ پاؤ گے۔اب کی باری ہمارے قہقہہ کی تھی مگر ہماری مسکراہٹ بکھرتے ہی مہمانوں کی خود اعتمادی اور خوشی دونوں کافی حد تک ہرن ہو چکے تھے۔

بات چیت شروع ہوئی وفات مسیح موضوع تھا ہماری طرف سے توفی اور رفع پر دلائل تھے جبکہ ان کا سارا زور تھا کہ اللہ قادر ہے اور وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔بات بار بار اللہ قادر ہے اور اللہ کا عرش پانی پر تھا کہ ارد گرد گھومتی رہی انہوں نے ہماری کسی بات کا جواب نہیں دیا اور اللہ جب قادر ہے وہ لے گیا پر آ کر ہی تان ٹوٹتی رہی۔درمیان میں نمازوں اور کھانے کے وقفہ کے لئے بھی یہ لوگ باہر گئے اور یوں شام چار بجے تک

بات چیت چلتی رہی اور اگلے دن پھر گیارہ بجے کے وعدہ پر محفل برخاست ہوئی۔ خاکسار نے چار صفحوں کا لکھا ہوا ایک مضمون ان کے امیر کی طرف بڑھاتے ہوئے ان سے کہا کہ ساجد صاحب یہ میں نے 18 وہ اعتراض لکھ دیئے ہیں جو پادری عماد الدین سمیت مشہور پادری حضرات اسلام پر کرتے ہیں۔ اس کو خود بھی پڑھ لینا اور ایبٹ اباد کی الیاسی مسجد میں بھی لے جانا اور باقی امام حضرات کو بھی دکھا دینا۔ میرا چیلنج ہے کہ پادریوں کے ان اعتراضات کا جواب ایک احمدی کے علاوہ کوئی دے ہی نہیں سکتا۔ اور خاص طور پر وہ تو بالکل بھی نہیں جس کا عقیدہ ہو کہ عیسیٰؑ علیہ السلام زندہ بجسد عنصری آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ وہاں اس وقت زندہ موجود ہیں اور آخری زمانے میں مسلمانوں کی اصلاح کے لئے بجسدہ العنصری آسمان سے واپس آئیں گے اور کل جب آنا تو ان اعتراضات کا تحریری جواب بھی ساتھ لے آنا۔ اس پرچے کے آغاز میں بسم اللہ کے بعد یہ شعر درج تھا

عیسیٰؑ کے معجزوں نے مردے جگا دیئے

اور محمد کے معجزوں نے عیسیٰ بنا دیئے ﷺ

اسی طرح تمہید کے بعد کہ جماعت احمدیہ کیوں حیات مسیح علیہ السلام کو نہیں مانتی یہ دوسرا شعر درج تھا

غیرت کی جاء ہے کہ عیسیٰؑ زندہ ہو آسماں پر

اور مدفون ہو زمیں میں شاہ جہاں ہمارا

کل ضرور آئی لیکن نہ وفد آیا اور نہ ہی جواب آیا۔ آئی تو صرف دھمکی آئی کہ ہمارا اشتام پیپر واپس کردو۔ اور پھر حسب عادت پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ خاکسار پر کوئی دس فٹ کے فاصلے سے فائر مارا گیا مگر خدا نے بچا لیا۔ میرا چونکہ نام، کام اور حدود اربعہ کسی کے علم میں نہیں تھا اس لئے اس وقت ایف۔ آئی۔ آر سے بچ گیا مگر ظفر تنولی اور باقی خدام تبلیغ کے مقدمات میں دھر لئے گئے۔ اور یوں سب نے اپنے اپنے ظرف، تربیت اور ایمان کے مطابق ثواب بھی پایا اور عمل بھی دکھایا۔

اس مقدمے میں ماخوذ خدام آج کوئی امریکا اور کوئی آسٹریلیا میں احمدیت کے جھنڈے کے ساتھ فروکش ہے تو ہم فقیر صحراؤں کے سینے چیرتے احمدی نخلستانوں میں احمدیت زندہ باد کی مدھر سنائیں سننے میں مصروف ہیں۔ جبکہ میرے وہ دوست آج بھی سینما کی فلمی مستورات کی اُلٹی سیدھی فوٹو پینٹ کر کے زندگی کی گاڑی میں رزق کا تیل ڈال رہے ہیں۔

آج بھی بینن، ٹوگو، برکینا فاسو، مالی، آئیوری کوسٹ، سینٹرل افریقہ اور نہ جانے کون کون سے افریقی ملکوں میں جب پاکستان سے آئے ہوئے کچھ لوگ بستے اٹھائے کسی دور دراز گاؤں میں، بلند وبالا پہاڑوں کی اوٹ میں چھپے، گھنے جنگلوں کے پیچھے اور نخلستانوں کے بیچوں بیچ داخل ہوتے ہیں۔ اور پھر داخلی دروازے کے پاس ہی کھڑے ہو کر پگڑی سنبھالتے ہوئے، اپنی منہ کو اوپر اٹھا کر جب حیرت سے جماعت احمدیہ کی مسجد یا سکول یا ہسپتال کا بورڈ پڑھتے ہیں اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں اوئے یہ یہاں بھی پہنچ گئے ہیں۔ میں جب بھی اپنے ان بھائیوں کی پھٹی آنکھوں سے ابلتی ہوئی خود کلامی کو سنتا ہوں تو مجھے مکرم ڈاکٹر ناصر تنولی صاحب کے وہ الفاظ یاد آنے لگ جاتے ہیں کہ" لو جی مولوی صاحب پھر ایک بات تو آج طے ہو گئی ناں کہ چاند پر پہلے ہم ہی جائیں گے۔ تمہارے نصیب میں ہم سے پیچھے رہنا ہی لکھا ہے۔ تم جہاں بھی آؤ گے ہمارے پیچھے پیچھے ہی آؤ گے۔ آگے نہیں بڑھ پاؤ گے۔



نصیحت آموز واقعہ

مبشر احمد ورک

جماعت احمدیہ کے ایک جید عالم اور بزرگ محترم مولانا دوست محمد صاحب سے متعدد مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی کئی تقاریر بھی سنیں۔ آج محترم مولانا صاحب موصوف کا ایک واقعہ درج کر رہا ہوں۔ اس واقعہ کا آج تک میرے دل پر بہت مثبت اثر ہے۔ یہ واقعہ جب یاد کرتا ہوں تو بے اختیار دل سے مولانا صاحب موصوف کے لئے دُعا نکلتی ہے۔

1984ء، 1985ء کی بات ہے کہ خاکسار بیت المبارک ربوہ میں نماز عصر ادا کرنے گیا۔ نماز محترم مولانا صاحب موصوف نے پڑھائی اور بعد از نماز اعلان ہوا کہ ایک نکاح کی تقریب ہوگی۔ خاکسار بھی اس تقریب میں شامل ہونے کے لئے رُک گیا۔ خطبہ نکاح کے بعد دُعا میں شامل ہوا۔ فراغت کے بعد پیدل جامعہ احمدیہ کی طرف جا رہا تھا۔ صدر انجمن کے دفاتر کے موڑ کے قریب پہنچا تو پیچھے سے محترم مولانا دوست محمد صاحب تیز رفتاری سے سائیکل چلاتے ہوئے آئے۔ بلند آواز میں السلام علیکم کہا اور سائیکل سے نیچے اُتر کر سوال کیا کہ میں نے نکاح کا خطبہ میں کیا بیان کیا تھا۔ میں اور میرے ساتھی اچانک اور غیر متوقع آمد اور سوال سے حیرت میں پڑ گئے۔ پھر سائیکل ہاتھ میں پکڑے آپ نے ہمارے ساتھ پیدل چلنا کر دیا۔ اور خطبہ کے موضوع کو دہرایا۔ اور بڑے احسن رنگ میں چند نصائح سے نوازا۔ اور پھر زوردار آواز میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ کہا اور سائیکل پر سوار ہو کر تیز رفتاری سے خلافت لائبریری کی طرف روانہ ہو گئے۔

آج بھی اس واقعہ کو یاد کر کے سوچتا ہوں کہ مولانا موصوف کو جماعت کے نوجوانوں اور خصوصاً جامعہ احمدیہ کے طلباء کی تربیت کا کس قدر خیال تھا کہ اپنی مصروفیت میں سے چند منٹ بھی فراغت ملی تو پیدل چلتے ہوئے نصائح سے نواز دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس بزرگ کی یادیں اور ان کی نیکیوں کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔



بس وہ گستاخ تھا

چوہدری نعیم احمد باجوہ



بے شرمی، بے غیرتی، بے حسی، ڈھٹائی اور جہالت کا مجسم مرکب آج دیکھنے کو ملا۔ وہ جہالت کا مجسم پیکر کہہ رہا تھا ''کہ اس کا استاد اسلام کے خلاف بہت بھونکتا تھا۔ قانون کون سا ہے۔ قانون تو گستاخوں کو رہا کرتا ہے۔ سنا ہے پولیس کہتی ہے کہ اس قاتل کا تعلق خادم رضوی گروپ سے ہے۔ میں نے اس شنید سے قبل ہی جب اس کی ویڈیو دیکھی تو پہلا تاثر یہی ابھرا تھا۔ پھر اس ویڈیو کو میوٹ کر کے صرف قاتل کی حرکات پر غور کیا تو صاف دکھائی دیا کہ یہ پنیری کس کی لگائی ہوئی ہو سکتی ہے۔ آپ ویڈیو غور سے دیکھ لیں۔ اس کی باڈی لینگویج ویسی ہی نظر آئے گی جیسی اس کی تھی جو آج کل سرکاری مہمان ہے۔

صادق ایجرٹن کالج کے پروفیسر خالد حمید دن دیہاڑے اپنے ہی دفتر کے سامنے بے دردی سے مارے گئے۔ پروفیسر کا قصور کیا تھا۔ پتا نہیں۔

پھر قتل کیوں کیا۔ وہ گستاخ تھا۔ کیا گستاخی کی۔ پتا نہیں۔ پھر مارا کیوں۔ وہ گستاخ تھا۔ جب ہم نے کہہ دیا کہ وہ گستاخ تھا۔ تو بس تھا۔ کیسا قانون، کون سا قاعدہ، کیسے اخلاقی سبق، کون سی شرم وحیا۔ بس گستاخ کا سر تن سے جدا۔

استاد کیا ہوتا ہے۔ اُس کا رتبہ کیا ہے۔ یہ تو ہمیں آج تک علم نہ ہو سکا۔ بس یہ فوری پتا چل جاتا ہے کہ وہ گستاخ تھا۔ جسمانی باپ آسمان سے زمین پر لانے کا باعث بنا تو استاد اس لوتھڑے کو زمین سے آسمان کی رفعتوں میں لے جانے کے لئے بھلے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ اپنی ساری عمر اس دشت میں سرگرداں گزار دے۔ دھوپ پیاس، گرمی سردی۔ کی پرواہ کئے بغیر ہر روز کولہو کے بیل کی طرح حاضر ہوتا رہے۔ چکر لگاتا رہے۔ اس کی آنکھوں پر موٹے موٹے نظر کے شیشے ہماری کاپیاں اور ہمارے ہوم ورک چیک کرتے رکھے جائیں۔ ہمیں علم دیتے دیتے اس کا سر بھڑک اٹھے۔ کمر خمیدہ ہو جائے۔ پھر بھی اگر ہماری دانست میں گستاخی اس نے کر لی تو پھر کوئی گنجائش نہیں۔ سر تن سے جدا خالد حمید گولڈ میڈلیسٹ۔ پڑھ کے بے بسی سے ہنسی نکل جاتی ہے۔ ہم نے تو نوبل انعام یافتہ کو نہیں بخشا۔ گولڈ میڈلسٹ کس کھیت کی مولی ہیں۔ ڈاکٹر سلام بھی گستاخ تھا۔ وطن فروش تھا۔ غدار تھا۔ ملالہ بھی گستاخ ہے۔ یہودی ایجنٹ ہے۔ وطن فروش ہے۔ غدار ہے۔ ڈاکٹر سلام ساری عمر پاکستان سے آنے والوں کے گلے لگ کر روتے رہے۔ اپنے وطن کی خاک چھونے کو تڑپتے رہے۔ لیکن ہمارے ہاں گستاخ کو معافی نہیں۔ اس لئے نہیں آنے دیا۔ اس کی ہڈی کو بھی چین نہیں تھا۔ مر کر پاکستان میں دفن ہونے چلا آیا۔ لیکن پھر ہم نے اس کی قبر کے کتبے پر سیاہی پھیر کر بتا دیا کہ گستاخ کو معافی نہیں۔ ہاں مرنے کے بعد بھی نہیں۔ ملالہ بھی وطن میں نہیں رہ سکتی۔ وہ بھی نہیں آ سکتی نہ ساری عمر آ سکے گی۔ گستاخ کو معافی ہم دیتے نہیں۔

مشال بھی گستاخ تھا۔ بس یہی کہہ کر مار دیا تھا۔ وہ تڑپتا رہا۔ ترلے منتیں کرتا رہا۔ اپنی مسلمانی کے ثبوت دیتا رہا۔ کلمہ کا ورد کرتا رہا۔ ختم الرسل ﷺ پر اپنے غیر مشروط ایمان کا اظہار چیخ چیخ کر کرتا رہا۔ لیکن ہم نے اس کے جسم کے پور پور پر مارا۔ ایک ایک حصہ مجروح کیا۔ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے شہادت کی انگلی اٹھاتا رہا۔ ہم نے اس کی انگلیاں بھی توڑ دیں۔ جب ہم نے کہہ دیا کہ وہ گستاخ تھا تو پھر کون سی گواہی اور کیسا ثبوت۔ باپ روتا ہے تو رویا کرے۔ ماں تڑپتی ہے تو تڑپا کرے۔ ہم نے کہا مشال گستاخ تھا ہم نے مار دیا۔ قاتل نے فخریہ اعلان کیا کہ میں نے مارا۔ ہم نے اسے ہار پہنائے۔ بس گستاخ کی سزا سر تن سے جدا۔

سیالکوٹ کے دو حافظ قرآن بھائی بھی گستاخ تھے۔ ہم نے کہا گستاخ ہیں۔ کسی کو جرأت نہیں انہیں بچانے کی۔ رمشا مسیح بھی گستاخ تھی کیونکہ ہم نے کہہ دیا کہ گستاخ ہے۔ بھلے قرآن کے پیپرز مولوی نے جلائے ہوں۔ لیکن گستاخ وہی ہے جسے ہم کہہ دیں۔

سلمان تاثیر بھی گستاخ تھا۔ اب کے ریاست کا پروردہ ایک محافظ یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ جس کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ہے وہ تو ایک گستاخ ہے۔ پھر سلمان تاثیر بھی نہ رہا۔ ایک عام محافظ، محافظ ختم نبوت بن گیا۔ ہم نے اسے پھولوں کے ہار پہنائے۔ اس کو گلے لگایا۔ اس کے ہاتھ منہ ماتھا چوما۔ شاباش دی اور پیٹھ تھپکی۔ قادری کا کیس لڑنے کے لئے وکلاء کی قطاریں لگ گئیں۔ ججز کی دوڑیں لگ گئیں کہ سگ آزاد ہو چکے تھے۔

حکومت کی اپنی مجبوری کہ ممتاز قادری کو پھانسی دینا پڑی۔ لیکن ہم نے کہہ دیا تم کتنے قادری مارو گے ہر گھر سے قادری نکلے گا۔ دیکھ لو وہ نکل رہا ہے۔ قادری کبھی یہاں سر اٹھاتا ہے کبھی وہاں۔ مشال کے لاشے پر بھی قادری کی روح نے آ کر دھمال ڈالی تھی۔ اور آج پروفیسر خالد حمید کے تڑپتے جسم سے نکلتے گرم خون سے اس نے پہلے اپنے گلے کو تر کیا۔ کچھ خون ہاتھوں پر اور کچھ منہ پر ملا۔ قاتل کو تھپکی دی۔ اور نکل گئی کسی اور گستاخ کا سر قلم کرنے۔ اسے منطقی انجام تک پہنچانے۔ کسی اور دل و دماغ میں حلول کرنے۔ کسی اور جگہ یہ پنیری لگانے۔

یہ پنیری تو اگتی ہم دیکھ ہی رہے ہیں۔ یہ پودے مدرسوں میں لگے۔ سکولوں میں اُگے۔ کالج اور یونیورسٹی میں پروان چڑھے۔ دفاتر میں جا نکلے۔ ہائی کورٹوں کی کرسی عدل انصاف پر جا براجمان ہوئے۔ ہر جگہ ایک چہرہ بدلتا ہے روح وہی رہتی ہے نعرہ ایک ہی ہے۔ وہ گستاخ تھا۔ وہ گستاخ ہے۔ گستاخ کا سر تن سے جدا۔

ممکن ہے میرا یہ مضمون نا قابل اشاعت ہو۔لیکن میں اگر آج نہ لکھوں تو کبھی نہ لکھ سکوں گا۔ہوسکتا ہے کوئی درویش بے نشاں اسے شائع ہونے دے۔اور کچھ نازک طبائع پر گراں گزرے۔ہوسکتا ہے میں بھی گستاخ ٹھہرا دیا جاؤں۔لیکن کاش میرا ریاست مدینہ بننے جا رہا وطن اصلی ریاست مدینہ کے صرف ایک پہلو پر ہی عمل کر لے۔صرف مذہبی آزادی دے۔ہر ایک کو مذہبی آزادی۔بلا تفریق مذہبی آزادی۔مذہب بندے اور خدا کے درمیان ایک معاملہ رہ جائے۔اس کے درمیان کوئی زمینی خدا نہ گھس سکے۔ریاست مدینہ کی مالا جپنے والو! سن رکھو اصلی ریاست مدینہ میں یہودی نے کہا میرا نبی افضل ہے تو فیصلہ یہودی کے حق میں دیا گیا۔ریاست مدینہ میں یہودی کے جنازے کے احترام میں فخر موجودات اٹھ کھڑے ہوئے۔ہاں وہی شہنشائے عالم جس کے ساتھ دونوں جہاں اٹھتے بیٹھتے تھے۔

ریاست مدینہ میں ایک ایسا بد بخت بھی آیا جس نے رہتی دنیا تک منافقین کا سردار ہونے کا خطاب اپنے سر کر لیا۔بات وہ کی جسے صرف خدا ہی اپنی مقدس کتاب میں دہرائے۔بیٹے نے کہا مجھے اذن ہو کہ اس کا سر اڑا دوں۔فرمایا نہیں۔ہر ایک کو پتا ہے کہ معزز ترین کون ہے اور ذلیل ترین کون۔

اے مدعیان ریاست مدینہ! قادریوں کی پنیری اکھاڑنے کا وقت آ گیا۔ورنہ علم جہالت کی تلوار تلے ذبح ہوتا رہے گا۔انسانیت سسکتی رہے گی اور بد روحیں دھمال ڈالتی رہیں گی۔یہ بڑھتی رہیں گی۔ان کی ہنسی بلند سے بلند تر ہوگی۔اتنی بلند کہ ہر بلندی و پستی برابر ہو جائے گی۔یہ بد روحیں مدرسوں،سکولوں،کالجوں،یونیورسٹیوں اور عدالتوں سے ہوتے ہوئے تخت و تاج پر بھی براجمان ہوں گی۔یہ بد روحیں گندی جڑی بوٹیاں ہیں جو اصل فصل کی تباہی کے در پہ ہیں۔ان کو تلف کرنے اور جلانے کا وقت آ گیا۔ورنہ ریاست مدینہ کے دعوے کھوکھلے،بڑھکیں بے بنیاد اور خدو خال پریشان ہیں۔

ریاست کے امتحان کا وقت اور نزدیک کر دیا گیا ہے۔اگر بند نہ باندھے گئے تو نفرتوں کے ببول ہر پگڈنڈی پر اگیں گے۔پھر کسی کے کپڑے کیا جسم بھی سلامت نہ رہے گا۔ اگر ہم قاتلوں کے منہ چومتے رہے۔قاتلوں کے لئے باہر نکلتے رہے اور شہر بند کرتے رہے۔شہیدوں کے جنازے کو کندھا دینے سے بھی ڈرتے رہے۔

قاتلوں کے کیس فری لڑتے رہے۔ہمارے وفاقی وزیر گلی محلے کے مولوی کے اشارے پر جہاد پر جانے کے لئے مچلتے رہے۔اپنی مرضی کے عدالتی فیصلے نہ آنے پر اربوں کی ملکیت جلاتے رہے۔ریاست کو للکارتے رہے۔ڈنڈا بردار جب مرضی جس کو مرضی گستاخ قرار دیتے اور مارتے رہے۔اور دنیا سے توقع کریں کہ وہ ہمیں امن کا نوبل انعام گھر آ کر دے کر جائے۔ہمیں دہشت گرد بھی نہ کہے۔ہمارے پاسپورٹ کی توہین بھی نہ کرے۔ہمارے لئے ہر ملک کے دروازے بھی کھلے ہوں۔جہاں جا کر ہم اپنی مرضیاں کریں اور ہمیں کوئی روک ٹوک بھی نا۔اگر ہم ایسے ہی رہنا چاہتے ہیں تو پھر واقعی ہم دنیا کی عجیب ترین قوم ہوں گے۔ہمارے خواب دیوانے کے خواب کیا دیوانے کے خوابوں کو بھی شرمانے والے ہوں گے۔

تحفۂ عید

اطہر حفیظ فراز



وہ تو شرما کے رہ گیا ہو گا،
اس کو جب چاند سا کہا ہو گا

اس کی آنکھوں نے کفر کروایا،
جرم نا قابل سزا ہو گا

اس کے گالوں کو چھو لیا جس دم
دل دھڑکتا ہی رہ گیا ہو گا

اک قیامت سے اک قیامت کا،
اس کے کوچے میں سامنا ہو گا

اک پری حسن تھا نگاہوں میں،
شعر یونہی نہیں کہا ہو گا

اس کی زلفوں سے اس کے شانوں تک،
میری بانہوں کا دائرہ ہو گا

اس کی پلکوں کا سرمئی آنچل،
آج کتنا ہی سر پھرا ہو گا

اس کی نظروں کے شوخ تیروں نے،
خون دل کا تو کر دیا ہو گا

اس کی چوڑی کھنک گئی ہو گی،
اس کا لہجہ بدل گیا ہو گا

اس نے مہندی لگا کے ہاتھوں پر،
پھول آ کے تھا دیا ہو گا

مجھ پہ لکھو کوئی اُچھوتی غزل،
اس نے کانوں میں کہہ دیا ہو گا

کوئی خوشبو بکھر گئی ہو گی،
اس نے آنچل اڑا دیا ہو گا

چاندنی میں نہا کے آئی ہے،
زخم پھر سے کوئی ہرا ہو گا

رسم دنیا سہی، گلے تو لگے،
عید کے دن بہت بھلا ہو گا

مجھ کو دنیا فراز!! چاہے ہے،
میری غزلوں کا معجزہ ہو گا

انگریزوں کے ایجنٹ

عبدالنور عابد۔ مربی سلسلہ کینیڈا

بانی جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر جو جملہ اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ آپؑ انگریزوں کے ایجنٹ تھے یعنی انگریز نے آپؑ کو اپنی حکومت کے استحکام کے لیے استعمال کیا۔ مگر تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ "انگریز کا ایجنٹ" ہونا اس قدر آسان الزام ہے جو کسی غیر مذہبی فکر سے تعلق رکھنے والے پر لگایا جاسکتا ہے۔ قریباً ہر مکتبہ فکر نے اپنے مخالفین پر یہ الزام دھرا ہے کہ فلاں فرقہ یا فلاں فرقے کے لوگ انگریزوں کے ایجنٹ ہیں یہاں تک ہی نہیں بلکہ یہاں تک الزام تراشیاں کی جاتی ہیں انگریز نے فلاں تحریک خود اپنی سرپرستی میں چلائی تاکہ اپنے مفاد حاصل کیے جاسکیں۔ پس یہ اتنا سستا اور آسان اعتراض ہے جو مخالفین پر کیا جاسکتا ہے۔ اس مضمون کا مقصد کسی کو انگریز دوست یا انگریز دشمن ثابت کرنا ہرگز نہیں مدعا صرف یہ ہے کہ اس اعتراض کی عملی حقیقت قارئین کو دکھائی جائے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر کیا جاتا ہے۔ جو لوگ جماعت احمدیہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ معاذ اللہ انگریز کے ایجنٹ ہیں خود ان کے بارہ میں ان کے مکتبہ فکر کی مخالفت کرنے والے بھی یہی کچھ کہتے آئے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی پر جب یہ اعتراض کیا گیا تو اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ "عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اسی قسم کی باتیں (انگریز کا ایجنٹ ہونا۔ ناقل) اس کے حق میں مشتہر کی جاتی ہیں"

(مکالمۃ الصدرین صفحہ 9)

ذیل میں چند اسی قسم کے اعتراضات جو مختلف مکاتب فکر نے اپنے مخالفین پر لگائے درج ہیں۔ قارئین انہیں ملاحظہ فرما کر فیصلہ کرسکتے ہیں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر یہ اعتراض کرنا کہ آپؑ انگریزوں کے ایجنٹ ہیں کیا وقعت رکھتا ہے۔

جمیعۃ العلمائے اسلام حکومت کے ایماء پر قائم ہوئی:

مولانا حفظ الرحمان صاحب نے بیان دیا کہ" کلکتہ میں جمیعۃ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔۔۔۔ مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمیعۃ العلمائے ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لیے ایک علماء کی جمیعت قائم کرنا چاہتے ہیں گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لیے دے گی"

(مکالمۃ الصدرین صفحہ 7)

تبلیغی تحریک کو حکومت کی مالی سرپرستی:

اس مکالمہ میں جو صدر جمیعۃ العلمائے ہند اور صدر جمیعۃ العلمائے اسلام کے مابین ہوا مولانا حفظ الرحمان صاحب نے کہا کہ" مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہوگیا"

(مکالمۃ الصدرین صفحہ 8)

مندرجہ بالا اعتراضات کے جواب میں ہی مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا تھا کہ عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اسی قسم کی باتیں (انگریز کا ایجنٹ ہونا۔ ناقل) اس کے حق میں مشتہر کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد الزامی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جمیعۃ العلمائے ہند کو ہندوؤں کی مالی امداد:

مذکورہ بالا مکالمہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی ایک مرتبہ پھر الزامی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ" آپ حضرات کے متعلق بھی عام طور پر مشہور کیا جاتا ہے کہ آپ ہندوؤں سے روپیہ لیکر کھا رہے ہیں"

(مکالمۃ الصدرین صفحہ 10)

بریلوی انگریز کا خود کاشتہ پودا:

اخبار چٹان کا یہ حوالہ ملاحظہ ہو جس میں لکھا ہے کہ" انگریزوں کے اولی الامر ہونے کا اعلان کیا اور فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا کچھ دنوں بعد ایک مذہبی تحریک بن گیا"۔

(چٹان، 15 اکتوبر 1962)

احمد رضا خان بریلوی (بریلوی مکتبہ فکر کے بانی) انگریزوں کے ایجنٹ:

صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی اپنی کتاب ''انگریز کا ایجنٹ کون؟'' کے پیش لفظ میں کسی مولانا کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ احمد رضا خان صاحب جو بریلوی مکتبۂ فکر کے بانی مبانی تھے کے متعلق اس اعتراض کی موجودگی کا اظہار کرتے ہیں۔فرماتے ہیں

''کافی عرصہ قبل بندیال میں ایک مولانا صاحب کا خطاب سننے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے جوش خطابت میں فرمایا' کہ پاکستان علماء دیوبند نے بنایا۔تحریک پاکستان کی کامیابی کا سہرا مولانا حسین احمد مدنی ،مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری وغیرہ کے سر ہے اور شاہ احمد رضا خان فاضل بریلی تو انگریزوں کے ایجنٹ تھے''

(انگریز کا ایجنٹ کون؟از صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی صفحہ 9)

اسی کتاب میں احمد رضا صاحب بریلوی پر لگائے گئے الزامات کی تردید کرتے ہیں مزید ذکر کرتے ہیں کہ اصل میں ان کے مخالفین دیوبندی وغیرہ انگریزوں سے مفادات حاصل کرتے رہے ہیں۔لکھتے ہیں''(احمد رضا صاحب بریلوی پر۔ناقل) ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ(معاذ اللہ!) وہ انگریز کے ایجنٹ تھے، حیرت ہوتی ہے کہ وہ سراپا اخلاص وللّٰہیت شخصیت جس نے زندگی بھر کسی مسلمان حکمران کی مدح سرائی نہیں کی، کسی مسلم حاکم کی امداد قبول نہیں کی، اس پر کس منہ سے یہ الزام عائد کیا جاسکتا ہے کہ وہ غیر مسلم، غاصب اور ظالم انگریز کا نمائندہ اور ایجنٹ ہے، جبکہ ان کے مخالفین کسی نہ کسی انداز میں انگریز گورنمنٹ سے متعلق رہے ہیں اور مفاد حاصل کرتے رہے ہیں''

(انگریز کا ایجنٹ کون؟ از صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی صفحہ 11)

''ہندوستان کی سرزمین پر جب برطانوی سامراج نے اپنا منحوس قدم رکھا تو اس کا بڑا مقصد اپنے سیاسی اقتدار کو مضبوط کرنا اور ہندوستان کے باشندوں کو عیسائیت کے پرچم تلے لے آنا تھا۔۔۔انگریز یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کا اصل دشمن کون ہے چنانچہ مسلمانوں کی طاقت میں انتشار پیدا کرنے کے لئے انگریزوں کی مختلف تدبیریں تھیں، انھیں میں اس کی ایک تدبیر لڑاؤ اور حکومت کرو، کی پالیسی تھی چنانچہ انگریزوں نے اس کام کے لیے ہندوستان کے کچھ ضمیر فروش مسلمانوں میں سے اپنے دست و بازو پیدا کیے، ان میں ایک صاحب احمد رضا خاں بریلوی بھی تھے، انکا انگریزوں کے ساتھ خفیہ معاملہ طشت از بام ہو چکا ہے اور وہ خط وکتابت بھی شائع ہوچکی ہے جو انگریزوں کے ساتھ ان کی رہا کرتی تھی۔ ان خان صاحب نے انگریزوں کے ساتھ عہد وفاداری نباہنے کے لئے ان مسلمان مجاہدین پر کفر وشرک کے گولے برسانے شروع کردئے جو انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے ۔

(زلزلہ مجدد تالیف مولانا محمد اسرائیل صاحب قاسمی۔مکتبۃ الاظہر کریم الدین پور،گھوسی ضلع مئو صفحہ 8۔10)

احمد رضا خان انگریز کے ایجنٹ:



وہ(انگریز۔ناقل) مسلمانوں کو باہم دست و گریباں دیکھنا چاہتا تھا۔اس کام کے لیے ان کو چند افراد کی ضرورت تھی جو ان کے ایجنٹ بن کر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈال سکیں اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کر سکیں ۔ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کی قوت اور شوکت کو کمزور کردیں۔اس مقصد کے لئے انگریز نے مختلف اشخاص کو منتخب کیا جن میں سرِ فہرست مرزا غلام احمد قادیانی اور دوسرے نمبر پر احمد رضا بریلوی ہیں۔۔۔۔انگریزی استعمار نے احمد رضا بریلوی کو اپنی مشہور پالیسی یعنی'' لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے تحت استعمال کیا۔تاکہ وہ مسلمانوں میں افتراق وانتشار کا بیج بو کر ان کے اتحاد کو ہمیشہ ہمیش کے لئے پارہ پارہ کردیں''۔

(بریلویت کی اصلیت از مناظر اسلام مولانا نذر محمد قاسمی صفحہ 12 اور 13)

سید احمد بریلوی انگریزوں کے جاسوس:

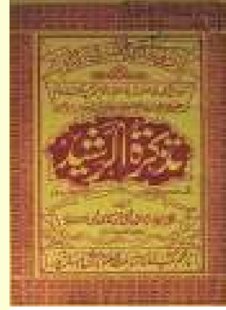
صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی اپنی کتاب انگریز کا ایجنٹ کون میں محمد اسماعیل پانی پتی حاشیہ سرسید حصہ شانزدہم ص 251 کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ'' جب حضرت سید شہید بہ عزم جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقہ میں داخل ہوئے جو اس وقت انگریزوں کی عملداری میں نہ تھے،تو ان کے متعلق عام طور پر یہ شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور یہ شبہ اس بناء پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے''۔

(انگریز کا ایجنٹ کون؟ از صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی صفحہ 11)

دیوبندی علماء ملک کے غدار اور انگریز کے دوست:

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ انگریز کا ایجنٹ ہونا،مسلمانوں اور قوم وملت سے غداری کا الزام اتنا آسان الزامی حربہ ہے جو مخالفین ایک دوسرے پر لگاتے رہے ہیں۔اس اعتراض سے دیوبندی بھی محفوظ نہیں چنانچہ صاحبزادہ محمد مظہر الحق مزید لکھتے ہیں کہ''اکابر علماء دیوبند نے جنگ آزادی میں بھی اپنی سابقہ روایات پر عمل کرتے ہوئے ملک وملت سے غداری اور انگریز دوستی کا پورا پورا ثبوت دیا''۔

(انگریز کا ایجنٹ کون؟ از صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی صفحہ 30)



علماء دیوبند انگریز کے سچے اور پکے وفادار:

''حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (نانوتوی) اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب اور نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ نبرد آزما دیر جتھا اپنی سرکار (انگلشیہ) کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے اور ہٹ جانے والا نہ تھا، اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار انگلشیہ پر جاں نثاری کے لیے تیار ہوگیا۔۔۔ چنانچہ آپ پر فائرنگ ہوئی اور حضرت حافظ ضامن صاحب زیر ناف گولی کھا کر شہید ہوگئے۔

(تذکرۃ الرشید جلد اول ص 74 مصنفہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی)

مذکورہ بالا حوالہ جات کے عقل سلیم رکھنے والے شخص سے جنگ آزادی میں علماء دیوبند کا کردار چھپا ہوا نہیں رہ جاتا، بلکہ یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ انگریز کے سچے اور پکے وفادار بلکہ جاں نثار تھے اور علماء دیوبند کے پیر و مرشد انگریز کا حق نمک ادا کرتے کرتے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے''

(انگریز کا ایجنٹ کون؟ از صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی صفحہ 31)

انگریز کے ایماء پر فتوے چھاپے:

مخالفین نے ایک دوسرے کے بارہ میں یہاں تک کہا کہ انگریز ان سے اپنے حق میں فتویٰ بنوایا کرتے تھے اور اپنے ایماء پر اس کی اشاعت کراتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد فرماتے ہیں کہ ''راقم کے کرم فرما پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے ایک کتاب کے مقدمے میں امام احمد رضا اور مولانا اشرف علی تھانوی کے لیے یہ اظہار خیال فرمایا: 'انگریز نے توڑ کے لئے اپنی تائید میں جوابی فتوے تیار کرائے۔۔۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی ہر دو مختلف الخیال علماء نے ترک موالات کے خلاف علیحدہ علیحدہ فتوے دیئے جو انگریز کے ایماء سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کئے گئے''۔

(گناہِ بے گناہی از ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ صفحہ 7-6)

مولانا اشرف علی تھانوی کو حکومت کی طرف سے مالی امداد:

مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں ''دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق



بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دئے جاتے تھے''

(مکالمۃ الصدرین صفحہ 9)

ندوۃ العلماء نے خدا کو انگریزی گورنمنٹ کا مثل بنایا:

''اسی طرح ندوۃ العلماء نے جب انگریزوں سے راہ و رسم پیدا کی اور اپنے جلسوں میں ان کو بلوایا، اپنے مدرسہ کا ان سے سنگ بنیاد رکھوایا تو امام احمد رضا نے سخت تنقید کی۔ اہل ندوہ نے انگریزی حکومت کے بارے میں یہ اظہار کیا تھا (بقول احمد رضا): 'خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے، اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی راضی و ناراضی کا حال کھل سکتا ہے' اہل ندوہ کے اس قول پر تنقید کرتے ہوئے امام احمد رضا لکھتے ہیں۔ 'جس نے تمام بدمذہبوں سے وداد و اتحاد کیا، خدا کو انگریزی گورنمنٹ کا مثل بنایا''۔

(گناہِ بے گناہی از ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ صفحہ 51)

مجلسِ احرار حکومت کا خود کاشتہ پودا:

جہاں تک اس دیوبندی فرقہ کی ایک تنظیم مجلسِ احرار کا تعلّق ہے جو جماعتِ احمدیہ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی۔ اس تنظیم کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس کے ایک بہت بڑے لیڈر مولانا ظفر علی خان، مدیر روزنامہ 'زمیندار' لکھتے ہیں۔

''.....آج ''مسجد شہید گنج'' کے مسئلہ میں احرار کی روش پر دوسرے مسلمانوں کی طرف سے اعتراض ہونے پر انگریزی حکومت احرار کی سپر بن رہی ہے۔ اور حکومت کے اعلیٰ افسر حکم دیتے ہیں کہ احرار کے جلسوں میں گڑبڑ پیدا نہ کی جائے۔ تو کیا اس بدیہی الانتاج منطقی شکل سے یہی نتیجہ نہیں نکلتا کہ مجلسِ احرار حکومت کا خود کاشتہ پودا ہے۔ جس کی آبیاری کرنا اور جسے صرصرِ حوادث سے بچانا حکومت اپنے ذمہ ہمّت پر فرض سمجھتی ہے''۔

(روزنامہ ''زمیندار'' ۱۳ اگست ۱۹۳۵ء)

وہابی تحریک کو انگریز نے کاشت کیا:

وہابی تحریک کے متعلق رسالہ 'طوفان' کے ایڈیٹر نے بعض حقائق جمع کئے اور نتیجہ نکالا کہ

''انگریزوں نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ تحریک نجدیّت کا پودا (یعنی اہلِ حدیث جسے وہابی تحریک یا تحریکِ نجدیّت بھی کہتے ہیں۔ ناقل) ہندوستان میں کاشت کیا اور پھر اسے اپنے ہاتھ سے ہی پروان چڑھایا۔''
(طوفان۔ ۷ نومبر ۱۹۶۲ء)

''تقویۃ الایمان'' انگریز کے ایماء پر لکھی گئی:

تقویۃ الایمان درحقیقت ''کتاب التوحید'' کا ترجمہ ہے جسے اسماعیل دہلوی صاحب نے ترتیب دیا۔ اس کتاب کے متعلق عام طور پر لکھا ملتا ہے کہ یہ ایک ایسی فتنہ گر کتاب ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے نتیجہ میں ہندوستان فرقہ پرستی میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔ مزید برآں یہ کہ وہابیت، نجدیت اور دیوبندیت اسی کتاب کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو یہ حوالہ ''1240ھ میں ہندوستان کے ابنِ عبدالوہاب نجدی کی ''کتاب التوحید'' کا ترجمہ وخلاصہ بعنوان: ''تقویۃ الایمان'' اُس وقت ہندوستان کے قابض انگریز حکومت کے ایماء اور مدد سے شائع کیا تو پورے ملک میں فتنہ وفساد کی آگ پھیل گئی۔ کیونکہ اس کتاب میں تمام ان کاموں کو شرک، بدعت اور حرام وناجائز کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جن کا تعلق ادب، تعظیم، توقیر اور محبتِ انبیاء واولیاء سے ہو، اس کتاب کی اشاعت کے نتیجے میں غیر منقسم ہندوستان میں وہابی، نجدی، دیوبندی فرقے نے جنم لیا اور اب تمام تر معمولاتِ اہل سنّت پر شرک شرک، بدعت بدعت اور حرام حرام کے فتوے لگائے جانے لگے''۔

(اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد از علامہ مولانا نقی علی خان۔ پیش لفظ)

قارئین مذکورہ بالا حوالہ جات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کسقدر بودہ اعتراض ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور ان کی جماعت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی حیثیت ایک امتی نبی کی ہے جو آنحضور ﷺ کی متابعت میں امت مسلمہ کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ یہ بات درست ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں حکومت وقت کی اچھی کارکردگی دکھانے اور امن کے قیام کرنے کے لحاظ سے تعریف کی ہے مگر جہاں مذہب کی بات ہوئی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے پوری خداداد صلاحتیوں سے علمی لحاظ سے جہاد بالقلم کے ذریعہ ان کا مقابلہ کیا ہے اور ہر میدان میں انہیں شکست فاش دی ہے جس کا عشر عشیر بھی ہمارے مخالفین نہیں کر سکے اور نہ آئندہ کرسکیں گے۔ ان شاءاللہ





عقیدہ حیات مسیح کا منبع

رانا عبدالرزاق خان لندن



مسلمانوں میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مادی جسم سمیت آسمان پر اٹھالیا اور آخری زمانہ میں وہ دوبارہ اسی جسم سمیت زمین پر اتریں گے۔

یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس کی قرآن اور حدیث سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ قرآن کریم کی متعدد آیات واضح طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو دوسرے انبیاء کی طرح وفات یافتہ قرار دیتی ہیں اور حدیث میں تو رسول کریم ﷺ نے ان کی عمر بھی 120 سال قرار دی ہے۔

(کنزالعمال جلد 11 صفحہ ۴۷۹ مؤستہ الرسالہ۔ بیروت)

صحابہ اور بزرگان امت کا عقیدہ

رسول کریم ﷺ کی وفات پر تمام صحابہ کا اجماع اس بات پر ہوا تھا کہ رسول کریم ﷺ بھی اسی طرح فوت ہوئے جس طرح پہلے تمام انبیاء نے وفات پائی ہے۔ (بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی از امام بخاری)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی جماعت احمدیہ نے قرآن کریم کی تیس آیات اور متعدد احادیث سے مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کی ہے اور اس موضوع پر ایک زبردست چیلنج بھی دیا ہے۔

بانی سلسلہ احمدیہ کا چیلنج

'اگر پوچھا جائے کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے تو نہ کوئی آیت پیش کر سکتے ہیں اور نہ کوئی حدیث دکھلا سکتے ہیں صرف نزول کے لفظ کے ساتھ اپنی طرف سے آسمان کا لفظ ملا کر عوام کو دھوکا دیتے ہیں مگر یاد رہے کہ کسی حدیث مرفوع متصل میں آسمان کا لفظ پایا نہیں جاتا اور نزول کا لفظ محاورات عرب میں مسافر کیلئے آتا ہے اور نزیل مسافر کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک کا بھی یہی محاورہ ہے کہ ادب کے طور پر کسی وارد شہر کو پوچھا کرتے ہیں کہ آپ کہاں اترے ہیں اور اس بول چال میں کوئی بھی یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ شخص آسمان سے اترا ہے اگر اسلام کے تمام فرقوں کی حدیث کی کتابیں تلاش کرو تو صحیح حدیث تو کیا وضعی حدیث بھی ایسی نہیں پاؤ گے جس میں یہ لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰؑ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے اور پھر کسی زمانہ میں زمین کی طرف واپس آئیں گے۔ اگر کوئی حدیث پیش کرے تو ہم ایسے شخص کو بیس ہزار روپیہ تک تاوان

دے سکتے ہیں اور توبہ کرنا اور تمام اپنی کتابوں کا جلا دینا اس کے علاوہ ہوگا۔‘
(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 225 حاشیہ)
یہ چیلنج 1898ء میں دیا گیا تھا اور اس پر ایک سو سال پورے ہوگئے مگر اس کے خلاف ایک بھی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔حقیقت یہ ہے کہ حیات مسیح کا عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ صحابہ کے دور کے بعد عیسائیوں کی طرف سے آیا ہے۔ چنانچہ قدیم اور جدید علماء اور مفسرین کی یہی تحقیق ہے اور مسلسل اس صداقت کا اقرار کرتے چلے جارہے ہیں۔

عظیم متکلم علامہ ابن قیم

یہ جو مسیح کے بارہ میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ 33 سال کی عمر میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے اس کا ثبوت کسی مرفوع متصل حدیث سے نہیں ملتا۔
(زادالمعاد جلد اول صفحہ 20 از امام ابن قیم مطبع میمنیہ مصر)

حنفی عالم علامہ ابن عابدین الشامی

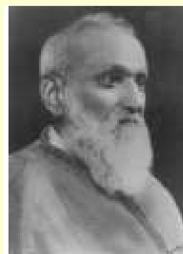
امام ابن قیم کا نظریہ درست ہے اور واقعی یہ عقیدہ مسلمانوں میں عیسائیوں سے آیا ہے۔(تفسیر فتح البیان جلد 2 صفحہ 49 از نواب صدیق حسن خان، مطبع کبریٰ میریہ مصر۔1301ھ)

مشہور مفسر اور مسلمان لیڈر سر سید احمد خان



تین آیتوں سے حضرت عیسیٰ کا اپنی موت سے وفات پانا علانیہ ظاہر ہے مگر چونکہ علماء اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ مطلب قرآن مجید پر غور کریں یہ تسلیم کرلیا تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی بیجا کوشش کی ہے۔
(تفسیر القرآن جلد 2 صفحہ 43 از سر سید احمد خان دوست ایسوسی ایٹس 1994ء)

مولانا عبیداللہ سندھی



یہ جو حیات عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے وہ ایک یہودی کہانی اور صابی من گھڑت افسانہ ہے مسلمانوں میں فتنہ عثمان کے بعد بواسطہ انصار بنی ہاشم یہ بات پھیلی اور یہ صابی اور یہودی تھے قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ عیسیٰ نہیں مرا۔(الہام الرحمان فی تفسیر القرآن اردو جلد اول صفحہ 240 از عبیداللہ سندھی ادارہ بیت الحکمت۔ کبیر والا ملتان)

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی



رفع کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔’یہ بات تفہیم وتشریف و تفہیم کے طور پر کہی جاتی ہے نہ یہ کہ وہ درحقیقت آسمان کی طرف بادلوں میں اڑتے ہوئے نظر آئے اور کسی آسمان پر جا بیٹھے ان باتوں کی ہمارے ہاں کوئی اصل نہیں۔ بعد میں حضرت عیسیٰ یقیناً مر گئے جس کی خبر قرآن مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے۔
(تہذیب الاخلاق جلد 3 صفحہ 221 از نواب اعظم یار مطبوعہ 1896ء)

مشہور مفکر غلام احمد پرویز

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اب تک زندہ ہونیکی تائید قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ قرآن کریم آپ کی وفات پاجانے کا بصراحت ذکر کرتا ہے۔۔۔حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا تصور مذہب عیسائیت میں بعد کی اختراع ہے۔
(شعلہ مستور 79۔83 از غلام احمد پرویز ادارہ طلوع اسلام لاہور)

معروف ادیب اور مفسر ابوالکلام آزاد



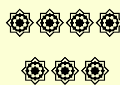
یہ عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل ولباس میں ظاہر ہوا ہے۔
(نقش آزاد صفحہ 102 کتاب منزل لاہور طبع دوم جولائی 59)

ممتاز عرب عالم عبدالکریم الخطیب

قرآن مجید میں مسیح کی دوبارہ آمد کا کوئی ذکر نہیں مسیح کے بارے میں اکثر روایات علماء اہل کتاب نے اسلام میں داخل کی ہیں۔
(المسیح فی القرآن صفحہ 538 دارالکتب الحدیثہ شارع جمہوریہ طبع اول 1965ء)

علامہ شورائی

عیسائی علماء نے یہودیوں کو دائرہ عیسائیت میں لانے کی خاطر بے سروپا باتیں عوام میں پھیلادیں۔ وفات کے متعلق بھی لوگوں کو ذہن نشین کرایا گیا کہ حضرت عیسیٰ نے صلیب پر جان تو ضرور دی ہے لیکن تین دن کے بعد زندہ ہوکر آسمان پر چڑھ گئے اور قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور عیسائیت کے دشمنوں کا قلع قمع کریں گے۔(سائنٹفک قرآن پارہ دوم صفحہ 67 از علامہ شورائی قرآن سوسائٹی کراچی)
اب فیصلہ آپ کا کام ہے کہ درست بات کونسی ہے۔



اذکرو محاسن موتکم



محترم مرزا عبدالحفیظ صاحب ایڈووکیٹ (نوشہرہ کینٹ) کی یاد میں

ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔ آسٹریلیا



خاکسار کے پیارے ماموں جان محترم مرزا عبدالحفیظ صاحب ایڈووکیٹ آف نوشہرہ کینٹ لگ بھگ ایک سو پانچ برس کی عمر پا کر مؤرخہ 17/مارچ 2019 کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ محترم پروفیسر (ر) مرزا بشیر احمد صاحب آف نوشہرہ کینٹ (حال مقیم فیئر فیکس، ورجینیا۔ امریکہ) کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کے دیگر بھائیوں میں محترم مرزا عبداللہ جان صاحب مرحوم (سابق سول جج۔ ایبٹ آباد)، محترم پروفیسر مرزا منظور احمد صاحب مرحوم (کینیڈا) اور محترم مرزا مقصود احمد صاحب (سابق امیر جماعت احمدیہ پشاور) شامل ہیں۔

آپ موصی تھے، میت کو خاکسار کے بڑے بھائی محترم مرزا مبارک احمد صاحب (پشاور) ربوہ لے کر گئے جہاں محترم حافظ مظفر احمد صاحب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، بعد ازاں بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی۔

محترم مرزا عبدالحفیظ صاحب صحابی حضرت مسیح موعود محترم مرزا غلام رسول صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آف پشاور کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی تاریخ پیدائش 20 اپریل 1914 ہے اور آپ پیدائشی احمدی تھے۔ آپ نے سالہا سال بطور زعیم انصاراللہ نوشہرہ اور پھر سالہا سال بطور صدر جماعت احمدیہ نوشہرہ کینٹ جماعتی خدمات کی توفیق پائی۔

نوشہرہ کے کامیاب ترین وکلاء میں ان کا شمار ہوتا تھا، قادیانی وکیل کے نام سے مشہور تھے۔ ڈسٹرکٹ نوشہرہ کی بار ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری اور پھر صدر منتخب ہوئے۔ آپ مقامی طور پر ایک معروف شخصیت تھے۔ علاقہ کے ہر طبقے اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے چھوٹے بڑے تمام افراد آپ سے بصد عزت واحترام سے پیش آتے اور اپنائیت کا اظہار کرتے۔

آپ نے وکالت کا پیشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ اور ہدایت پر اختیار کیا۔ اس سے قبل ہائی کورٹ میں آٹھ سال بطور کلرک کام کیا۔ نائٹ کالج میں داخلہ لیکر اپنے خرچ پر قانون پڑھا اور ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ 16 سال بطور اوتھ کمشنر کام کیا۔ بعد میں وکالت شروع کر دی اور اس میدان میں کامیابی کی ہر بلندی کو چھوا۔

مالی قربانی میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ آپ اور آپ کی اہلیہ صاحبہ مرحومہ مرکز کی طرف سے جاری ہونے والی ہر مالی تحریک میں اول طور پر حصہ لیتے۔ واضح رہے کہ آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ حلیمہ بی بی صاحبہ آپ کی عم زاد تھیں اور صحابی حضرت مسیح موعود حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ کی، جو صاحب کشف والہام بزرگ شخصیت تھے، صاحبزادی تھیں۔

مرحوم تحریک جدید کے پنج ہزاری مجاہدین میں شامل تھے لیکن کہا کرتے تھے کہ یہ کوئی فخر کی بات نہیں کیونکہ انسان کو ابتلا اور آزمائشیں بھی پیش آسکتی ہیں۔ اسی لئے ہمیشہ انجام بخیر ہونے کی دعا کرتے اور دوسروں کو بھی اس نکتہ کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سفر یورپ کے لئے ؍آپ نے اڑھائی سو روپے کا عطیہ دیا۔ 1931ء میں کتاب تحفہ لارڈ ارون کی اشاعت کے لئے چندہ کی تحریک ہوئی، آپ کی خواہش تھی کہ اس میں حصہ لیں لیکن استطاعت نہ رکھتے تھے۔ اسی سوچ میں مبتلا احمدیہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گھر سے باہر نکلے تو راستہ میں دیکھا کہ (غیر احمدیوں کی) ایک مسجد میں ایک فاترالعقل شخص صحن میں بچھی چٹائیوں کو آگ لگا رہا ہے۔ آپ نے آگ بجھانے کا کام شروع کیا تو وہ شخص آپ پر حملہ آور ہو گیا۔ آپ نے آگ بجھانے کا کام جاری رکھتے ہوئے گھوم کر خود کو اس شخص کے حملہ سے بچایا تو اس کوشش کے دوران چند سکے آپ کی پتلون کی جیب سے نکل کر فرش پہ جا گرے، جن کی موجودگی کا آپ کو اس سے قبل علم نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے وہ سکے کتاب ''تحفہ لارڈ اِرون'' کے لئے بطور عطیہ جمع کروا دیئے۔ کہتے تھے کہ یہ واقعہ پیش نہ آتا تو وہ لاعلمی میں ہی اس قربانی سے محروم رہ جاتے۔

مالی تحاریک کے علاوہ خلیفہ وقت کی طرف سے جاری ہونے والی دیگر ہر تحریک میں اول طور پر حصہ لیتے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی آپ کے ساتھ ساتھ ہر تحریک میں حسب توفیق برابر کا حصہ لیتی تھیں۔

آپ بیحد شفیق تھے اور قلب رقیق رکھتے۔ سینکڑوں غرباء کی پوشیدہ طور پر مدد کی۔ لوگ آپ کے پاس جعلی یا معمولی زیورات لیکر آتے کہ یہ رکھ لیں اور ضرورت کی خاطر قرضہ دے دیں لیکن آپ یہ زیور نہ لیتے اور قرض دینے کی بجائے جتنی رقم کا کوئی ضرورت مند مطالبہ کرتا، اس کے مطابق مالی مدد کر دیتے۔

ضرورت مند انسانوں کی طرح جانوروں پر بھی بیحد مہربان ہوتے۔ گھر میں کئی بلیاں پال رکھی تھیں۔ لوگ بھی آپ کی اس شفقت سے خوب واقف تھے، بیمار یا کمزور جانور حتیٰ کہ خارش زدہ کتے بھی پکڑ کر آپ کے دالان میں چھوڑ جاتے

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ان کا خیال رکھیں گے۔ایک بار ایک خارش زدہ بیمار کتے نے آپ کو کاٹ بھی لیا چنانچہ پیٹ میں چودہ ٹیکے لگوانے پڑ گئے۔پھر بھی آپ نے کتے کی تیمارداری اور دیکھ بھال جاری رکھی ،آخر کار ہمسائیوں نے آپ پر رحم کھا کر کتے کو پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ خود ایسا ہرگز نہ کریں گے۔

راہ چلتے جہاں دیکھتے کہ کوئی ٹانگہ بان یا خرکار اپنے گھوڑے یا گدھے کو مار رہا ہے تو اسے اس فعل سے منع کرتے ہوئے نصیحت کرتے کہ دیکھو یہ تمہارے لئے سارا سارا دن دوڑ دوڑ کر روٹی روزی کا وسیلہ بنتا ہے اور تم اس بے زبان کو اس بات کی سزا دیتے ہو؟ تمہیں اتنا تو احساس ہونا چاہیئے۔

کتابوں کا عمدہ ذوق رکھتے۔پریکٹس چیمبر میں پڑی وکالت کی کتابوں کے علاوہ گھر کے دو کمرے ہر قسم کی کتابوں سے بھری لائبریری پر مشتمل تھے۔مرکز کی طرف سے یا احمدی مصنفین کی طرف سے شائع ہونے والی ہر کتاب، بلکہ ان کے قدیم اور جدید، بسا اوقات تین تین ایڈیشن تک خرید کر ذاتی لائبریری میں رکھتے۔

آپ بیحد خوش لباس، خوش منش ،خوش ذوق اور خوش طبع شخص تھے۔آپ کی موجودگی سے ہر محفل زعفران زار ہوجاتی۔عمدہ اور فی البدیہہ مزاح میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔بتایا کرتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں جب اسلامیہ کالج پشاور سے شہر کے لئے بسیں روانہ ہوتیں تو طلباء میں جھگڑا پڑ جاتا، ہر بس کے سوار طلباء یہ چاہتے کہ آپ ان کی بس میں بیٹھ کر جائیں تا کہ ان کا سفر ہنستے مسکراتے گزرے۔

حضرت قاضی محمد یوسف صاحب (آف ہوتی مردان) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تصنیف تاریخ احمدیہ صوبہ سرحد کے صفحہ 271 میں آپ کی اس صفت کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:''یہ نوجوان خوش طبع ،ملنسار اور باذاق انسان ہے۔خود خوش رہتے ہیں اور دوسروں کو خوش رکھتے ہیں''۔

زندگی کے آخری چند سال بینائی اور ٹانگوں کی کمزوری کے باعث بستر نشین ہو گئے تھے لیکن آخر وقت تک آپ کا حافظہ بالکل ٹھیک تھا اور مزاج خوش باش۔

جب تک ہمت و طاقت تھی فجر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھنے احمدیہ مسجد تشریف لے جاتے۔صاحب فراش ہوجانے کے باوجود ایک سو پانچ برس کی عمر میں بھی زندگی کے آخری دن تک پنج وقتہ نمازیں کرسی یا بستر میں بیٹھ کر ادا کرتے رہے۔

آپ اپنا وقت بالکل بھی ضائع نہیں کرتے تھے، دست با کار اور دل بایار کا عملی نمونہ اور مثال تھے۔چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے مسنون اذکار، تسبیحات اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رہا کرتے تھے۔آپ کا یہ معمول ایام جوانی سے وقتِ وفات تک جاری رہا۔خدا رحمت کند ایں عشقان پاک طینت را۔آمین ث

نوشہرہ کینٹ سے تعلق رکھنے والے ایک مخلص نوجوان عزیزم مبارک احمد صاحب (حال مقیم جرمنی) اپنے تعزیتی خط میں لکھتے ہیں کہ:''مرحوم جماعت احمدیہ نوشہرہ کی بہت پیاری ،نفیس اور نرم خو شخصیت تھے۔ہم نے انہیں عموماً دعا کرتے ہوئے پایا۔مرحوم اعلیٰ پایہ کے وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ جماعتی لٹریچر اور تاریخ کا وسیع علم رکھتے تھے اور اس علم سے ہم سب کو بھی فائدہ پہنچاتے رہے۔ان کی جماعتی اور علمی خدمات کو نہ صرف نوشہرہ بلکہ خیبر پختونخوا کی تاریخ میں اہم مقام حاصل رہے گا۔

پیرانہ سالی کی وجہ سے گزشتہ چند سال صاحب فراش رہے لیکن طبیعت کافی بشاش تھی اور حافظہ بھی غیر معمولی۔اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق دے۔آمین۔''

آپ کے اولاد نہ تھی۔خاکسار کی ہمشیرہ محترمہ قدسیہ شیریں صاحبہ اہلیہ محترم ڈاکٹر مرزا اقبال احمد صاحب مرحوم نے ان کی زندگی کے آخری بیس سال لگاتار اپنے گھر میں رکھ کر سگی اولاد کی طرح وفات تک ان کی خدمت کی۔ج

قارئین کرام دعا کریں کہ ہمشیرہ سمیت جملہ سوگواران کو صبر و ہمت نصیب ہو۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مرحوم کے اوصافِ حمیدہ کو اپنی زندگیوں کا جزو بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا انجام بھی بخیر ہو۔آمین ثم آمین۔

احمدی شہیدوں کو سلام



خواجہ عبدالمومن۔ناروے

اے شہیدو! تم پہ ہوں لاکھوں سلام
پی لیا ہے زندگی کا تم نے جام
جرآت و مردانگی سے جان دی
ہو گئے قربان مہدی کے غلام
خون دے کر تم نے دیں زندہ کیا
مل گیا ہے تم کو اب اعلیٰ مقام
یاد رکھیں گے تمہیں ہم بھی ہمیش
رحمتیں بھیجیں گے ہم تم پر مدام
لکھا جائے گا تمہیں تاریخ میں
دین کے روشن ستارے شاد کام
دائمی تم زندگی سب پا گئے
ہو گیا تم سب کا اچھا اختتام
خون کے قطروں سے مولا پیدا کر
پھول پھل اور اور زندگی کے شیریں جام
ہے دعا مومن کی اے ربّ حفیظ
تو حفاظت کر ہماری صبح و شام



پاکستان کے بانی کون تھے اور قبضہ گروپ کون؟

انتخاب فرام جناب وجاہت مسعود

پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح کا احترام کسی اختلاف سے ماورا ہے۔ البتہ کچھ حلقوں نے قائداعظم کی ایک تصویر بنا رکھی ہے، قیام پاکستان سے پہلے اور بعد کی تاریخ کا ایک خاص نقشہ انہوں نے تیار کر رکھا ہے۔ اور انہیں اصرار ہے کہ قائداعظم کو پان سیگرٹ کی دکانوں پر چسپاں اشتہاری تصاویر کی مدد سے پہچانا جائے۔ تاریخ کا صرف وہی بیان درست تسلیم کیا جائے جس میں ان قدوسی ہستیوں اور ہدایت یافتہ گروہوں کی کسی کوتاہی کا ذکر نہ ہو۔ اس کشمکش سے کچھ ایسا تاثر ملتا ہے گویا قائداعظم کی سیاست اور افکار پراسرار علوم باطنیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ راز انتقال عرفان کے کسی سینہ بہ سینہ عمل کی مدد سے چند سرکاری اہل کاروں، اصحاب منبر و محراب اور مٹھی بھر مدرسین پر منکشف ہوئے ہیں۔ دراصل سوال قائداعظم محمد علی جناح کی محترم ذات کا نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے پاکستان میں ریاست اور سیاست کے بندوبست کو ایک خاص شکل دینے کی کوشش کی تھی، جو ناکام ہوگئی ہے۔ اس سے انصاف، ترقی اور امن کا راستہ کھوٹا ہوا ہے۔ جب قائداعظم کے طرز سیاست کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو اس سے اجتماعی انسانی زندگی کے ان جمہوری اصولوں کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے جن کی بنیاد پر قائداعظم نے پاکستان کی آزاد اور خودمختار مملکت حاصل کی تھی۔ قائداعظم ایک افسانوی کردار نہیں تھے، گوشت پوست کے ایک حقیقی انسان تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے کی دنیا کسی اور سیارے پر آباد نہیں تھی۔ ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کی تاریخ بمشکل آٹھ عشرے پرانی ہے۔ جن سوالات نے ہمارے جسد اجتماعی میں تخریب کی فصل بوئی ہے وہ سوال تو مسلسل کھٹک رہے ہیں۔ قائداعظم کے سیاسی موقف سے ان کی زندگی میں بھی اختلاف کیا جا سکتا تھا اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کی تاریخی کردار سے اختلاف کرنا جرم نہیں۔ سیاسی موقف مذہبی عقیدہ نہیں ہوتا۔ سیاسی موقف سے اختلاف ہرگز گردن زدنی نہیں۔ البتہ نظریاتی ریاست ایسا اجتماعی نمونہ ہے جس میں پیوستہ مفادات کی آبیاری کے لئے رہنما کو ہر غلطی سے ماورا بتایا جاتا ہے۔ موجودہ موقف کا جواز گھڑنے کے لئے تاریخ کو مسخ کیا جاتا ہے۔ اور اپنے سیاسی مخالفین کو غدار، جرائم پیشہ، جاہل اور فسادی قرار دیا جاتا ہے۔ قائداعظم کی اصل توہین تو ان افراد اور گروہوں نے کی جو قیام پاکستان کے بعد بھی قائداعظم کی ذات اور سیاست پر انگشت نمائی کرتے رہے۔ یہ فہرست طویل بھی ہے اور چشم کشا بھی۔ پاکستان کی 'نظریاتی اساس' کے خود ساختہ علمبرداروں کی ان کوششوں کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔

11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی میں قائداعظم نے جو تقریر کی، اس سے غیر جمہوری حلقوں کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔ قائداعظم نے 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی میں فرمایا© 'اگر آپ اپنے ماضی کو تبدیل کر کے اِس عزم کے ساتھ کام کریں کہ آپ میں سے ہر فرد، قطع نظر اس سے کہ اس کا تعلق کس کمیونٹی سے ہے، یا یہ کہ اُس کا رنگ، ذات یا عقیدہ کیا ہے، وہ اول و آخر یکساں حقوق، مراعات اور ذمہ داریوں کے ساتھ اِس ریاست کا شہری ہے، تو آپ جتنی ترقی کریں گے، اُس کی کوئی حد نہیں ہوگی©'۔ چنانچہ 20 روز بعد شبیر احمد عثمانی نے 31 اگست 1947ء کو ایک بیان جاری کیا جو 3 ستمبر 1947ء کو نوائے وقت میں شائع ہوا۔ یہ بیان قائداعظم کے ارشادات کی لفظ بہ لفظ تکذیب تھا۔ "میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قائداعظم کی یہ فتح مبین (قیام پاکستان) مسلمانوں کے ضبط و نظم کی مرہون احسان ہے۔ مسلمانوں کی افتاد طبع مذہبی واقع ہوئی ہے اور دو قوموں کے نظریے کی بنیاد بھی مذہب ہے۔ اگر علمائے دین اس میں نہ آتے اور تحریک کو مذہبی رنگ نہ دیتے تو قائداعظم یا کوئی اور لیڈر خواہ وہ کیسی قابلیت و تدبر کا مالک ہی کیوں نہ ہوتا یا سیاسی جماعت مسلم لیگ مسلمانوں کے خون میں حدت پیدا نہیں کر سکتی تھی......" قائداعظم اپنی تقریر میں فرما چکے تھے کہ "وقت گزرنے کے ساتھ (پاکستان میں) ہندو، ہندو نہیں رہے گا اور مسلمان، مسلمان نہیں رہے گا۔ مذہبی حوالے سے نہیں کیونکہ یہ ہر فرد کے ذاتی اعتقاد کا معاملہ ہے، بلکہ سیاسی معنوں میں، ریاست کے شہری کے طور پر"۔ چنانچہ شبیر احمد عثمانی نے یہ گرہ لگانا بھی ضروری سمجھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ خواہ حالات کتنے ہی نا مساعد کیوں نہ ہوں مسلمان مسلمان رہے اور ہندو ہندو۔"

روزنامہ انقلاب نے 16 اپریل 1948ء کی اشاعت میں خبر دی کہ وزیر آباد کے چوک لاہوری دروازہ میں علما نے پردہ کے موضوع پر ایک جلسہ منعقد کیا۔ جلسے کے اختتام پر ایک قرارداد پیش کی گئی۔ "مسلمانان وزیر آباد کا یہ جلسہ بیگم لیاقت علی خان اور ان کی دوسری مغرب زدہ ساتھیوں کی ان تقریروں کی پرزور مذمت کرتا ہے جو انہوں نے 3 اپریل کو لاہور میں کیں۔ اس جلسے کی رائے میں، اس قسم کی تقریریں اسلامی تعلیمات سے جہالت و بے خبری اور اینگلو محمڈن مردوں کی انگیخت اور سازش کا نتیجہ ہیں"۔ اس قرارداد میں "اینگلو محمڈن" کی اصطلاح محض اتفاقیہ نہیں تھی۔ دو ہفتے بعد 3 مئی 1948ء کو بیرون باغ موچی دروازہ، لاہور میں مسلم لیگ (شریعت گروپ) کے ایک جلسے کی صدارت عبدالستار نیازی کر رہے تھے۔

ایک مقرر ابراہیم علی چشتی کے الفاظ تھے۔"پاکستان کے مسلم عوام اینگلو محمڈن نوابوں اور سرمایہ دار کمیونسٹوں کے زوردار شکنجے میں کچلے جارہے ہیں"۔عورتوں کے حقوق کے بارے میں قائداعظم اور لیاقت علی خاں کے خیالات واضح تھے۔ یہ فیصلہ آپ خود کر لیں کہ "اینگلو محمڈن" کا خطاب کسے دیا جارہا تھا۔آج کل اس اصطلاح کو"لبرل فاشسٹ"اور دیسی لبرل وغیرہ کا جامہ پہنایا گیا ہے۔

جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کچھ احباب کا موقف ہے کہ جمعیت علمائے ہند اور مجلس احرار کے برعکس جماعت اسلامی مطالبہ پاکستان کی مخالف نہیں تھی۔ جماعت اسلامی کا موقف تو یہ تھا کہ مسلم لیگ کے پاس وہ مردان کار موجود نہیں ہیں جو اس نصب العین کو حاصل کر سکیں۔انہی دو نکات پر بات کر لیتے ہیں۔کیا جماعت اسلامی قیام پاکستان کی حامی تھی؟ دوسرے یہ کہ جن مسلم لیگی رہنماؤں کی بصیرت،اہلیت اور دیانت پر انگلیاں اٹھائی جا رہی تھیں وہ کون تھے۔اس گزارش کو مدنظر رکھئے کہ یہاں"مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش"کے حصہ سوم کا حوالہ نہیں دیا جارہا ہمارا موقف تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی اور اس کے قائدین پاکستان بننے کے بعد بھی تصور پاکستان اور قائداعظم کے مخالف رہے۔یہ کہنا تاریخ کو جھٹلانے کے مترادف ہے کہ پاکستان کے بنتے ہی جماعت اسلامی کی کایا کلپ ہوگئی تھی۔ جماعت اسلامی کے ترجمان ہفت روزہ 'کوثر' نے 16 نومبر 1947ء کو لکھا۔"ہم اس تحریک کو آج بھی صحیح نہیں سمجھتے جس کے نتیجے میں پاکستان بنا ہے اور پاکستان کا اجتماعی نظام جن اصولوں پر قائم ہو رہا ہے ان اصولوں کو اسلامی نقطہ نظر سے ہم کسی قدر و قیمت کا مستحق نہیں سمجھتے"۔مولانا مودودی نے جماعت اسلامی (لاہور) کے اجتماع میں فرمایا۔"ہماری قوم نے اپنے لیڈروں کے انتخاب میں غلطی کی تھی اور اب یہ غلطی نمایاں ہو کر سامنے آگئی ہے۔ہم چھ سال سے چیخ رہے تھے کہ محض نعروں کو نہ دیکھو بلکہ سیرت اور اخلاق کو بھی دیکھو۔اس وقت لوگوں نے پروانہ کی لیکن اب زمام کار ان لیڈروں کو سونپنے کے بعد ہر شخص پچھتا رہا ہے کہ واہگہ سے دہلی تک کا علاقہ اسلام کے نام سے خالی ہو چکا ہے"۔(بحوالہ روزنامہ انقلاب 9 اپریل 1948ء)

ترجمان القرآن نے جون 1948ء کے اداریے میں لکھا۔"یہ عین وہی لوگ ہیں جو اپنی پوری سیاسی تحریک میں اپنی غلط سے غلط سرگرمیوں میں اسلام کو ساتھ ساتھ گھسیٹتے پھرے ہیں۔انہوں نے قرآن کی آیتوں اور حدیث کی روایتوں کو اپنی قوم پرستانہ کشمکش کے ہر مرحلے میں استعمال کیا ہے......کسی ملک و قوم کی انتہائی بدقسمتی یہی ہو سکتی ہے کہ نااہل اور اخلاق باختہ قیادت اس کے اقتدار پر قابض ہو جائے"۔اسی شمارے میں مزید فرمایا"جونہی انگریز اور کانگرس کی باہمی کشمکش ختم ہوئی۔تو اس قیادت عظمیٰ نے اپنے آپ کو ایسی حالت میں پایا جیسے اس کے پاؤں تلے زمین نہ ہو۔اب وہ مجبور ہوگئی کہ جو کچھ جن شرائط پر بھی طے ہوا اسے غنیمت سے مجھ کر قبول کر لیں۔بنگال و پنجاب کی تقسیم اسے بے چونو چرا ماننی پڑی۔سرحدوں کے تعین جیسے نازک مسئلے کو اس نے صرف ایک شخص کے فیصلے پر چھوڑ دیا۔انتقال اختیارات کا وقت اور طریقہ بھی بلا تامل مان لیا۔حالانکہ یہ تینوں امور صریح طور پر مسلمانوں کے حق میں مہلک تھے۔انہی کی وجہ سے ایک کروڑ مسلمانوں پر تباہی نازل ہوئی اور انہی کی وجہ سے پاکستان کی عمارت روز اول ہی سے متزلزل بنیادوں پر اٹھی"۔

حمید نظامی نے 4 جولائی 1948ء کو نوائے وقت میں اداریہ لکھا"ہم ان لوگوں کے حامی نہیں جو محض اپنی لیڈری چمکانے کے لیے شریعت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔......(بہتر ہوگا کہ) شہر بہ شہر جلسوں میں قائداعظم کو گالیاں دینے اور سوقیانہ تقریروں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اسلامی نظام حکومت کا ایک خاکہ مرتب کیا جائے"۔

مولانا مودودی نے ترجمان القرآن کے شمارہ جولائی 1948ء میں لکھا۔"مسلمانوں نے اپنی ساری قومی طاقت، ذرائع اور جملہ معاملات اس قیادت کے سپرد کر دیے جو ان کے قومی مسئلہ کو اس طرح حل کرنا چاہتی تھی۔دس برس بعد اس کا پورا کارنامہ ہمارے سامنے ہے۔جو کچھ ہو چکا وہ تو ان مٹ ہے۔البتہ اس پر بحث کرنا ضروری ہے کہ جو مسائل اب ہمیں درپیش ہیں۔کیا ان کے حل کے لیے بھی وہی قیادت موزوں ہے جو اس سے پہلے ہمارے قومی مسئلے کو اسی طرح حل کر چکی ہے۔کیا اس کا کارنامہ یہی سفارش کرتا ہے کہ جو نازک مسائل ہمارے سر پر آ پڑے ہیں۔جن کا بیشتر حصہ خود اسی قیادت کی کارفرمائیوں کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، انہیں حل کرنے کے لیے ہم اس پر اعتماد کریں"۔

اس کے جواب میں حمید نظامی نے 31 جولائی 1948ء کو اداریہ لکھا"حضرت مولانا نے دس سال کے عرصے میں پہلی مرتبہ دل کی بات کھل کر کہی اور صاف لفظوں میں مسلمانوں سے کہا کہ محمد علی جناح کی جگہ مجھے قائداعظم مانا جائے۔اب صرف اتنا کرم فرمائیں کہ مسلمانوں کو یہ بتا دیں کہ آپ کا ٹھوس سیاسی پروگرام کیا ہے......اپنا پروگرام نہ بتانا اور نعروں سے مسلمانوں کا دل بہلانا یا قائداعظم کو احمق، غلط کار اور دین میں ہلکا ثابت کرنے کی کوششوں میں لگا رہنا ہرگز آپ کے شایان شان نہیں۔ قائداعظم کا ریکارڈ قوم کے سامنے ہے۔آپ کو ابھی قوم نے آزمانا ہے۔آپ قائداعظم کو ہزار گالیاں دیجئے۔مسلمان آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے"۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے 9 اگست 1948ء کو جھنگ میں کہا"لیگ کی جنگ کفر و اسلام کی جنگ نہیں تھی۔مسلم لیگ نے اب تک یہ نہیں کہا کہ پاکستان کا خطہ اس لیے حاصل کیا جا رہا ہے کہ وہاں پر اسلامی خلافت چلائی جائے گی بلکہ یہ قومیت کی جنگ تھی۔قومیت کی جنگ کو اسلام کی جنگ سے کوئی واسطہ نہیں۔لیگ کی قراردادوں کا جائزہ لیجئے۔لیگ نے آج تک تسلیم نہیں کیا کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ ہو

گا۔"۔

اس کے جواب میں نوائے وقت نے 18 اگست 1948ء کو اداریہ سپردِ قلم کیا۔ "پاکستان میں آپ کو ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جن کی تقریر وتحریر کا زور یہ ثابت کرنے پر صرف ہو رہا ہے کہ (مسلمانوں) کی اس مصیبت کی ذمہ داری قائداعظم کی لیڈرشپ پر عائد ہوتی ہے۔ قائداعظم نے پے در پے مہلک غلطیاں کیں اور مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے اس غار میں لا پھینکا جس کا نام پاکستان ہے"۔ ایک ہفتے بعد 25 اگست 1948ء کو حمید نظامی نے لکھا۔"بظاہر یہ جماعت کہتی ہے کہ ہم قائداعظم کے خلاف پراپیگنڈہ نہیں کر رہے۔ لیکن معاف کیجئے یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ قیادت کو مسلمانوں کی تباہی کا ذمہ دار ٹھہرانا دراصل قائداعظم اور صرف قائداعظم کی ذات ہی پر حملہ ہے۔"

واضح رہے کہ حمید نظامی نے یہ اداریہ قائداعظم کی وفات سے ٹھیک دو ہفتے قبل لکھا تھا۔ تاریخ کے ان چند حوالوں سے واضح ہو جانا چاہیے کہ پاکستان بنانے والے کون تھے اور پاکستان پر قبضہ کرنے والے گروہ کون تھے۔

غزل

چوہدری محمد علی مضطرؔ عارفی



تری آنکھوں میں عیّاری بہت ہے
صداقت کم اداکاری بہت ہے

فقیہِ شہر، درباری بہت ہے
اور اس کی سوچ سرکاری بہت ہے

مری تکفیر کے فتوے سے تجھ پر
حکومت کا نشہ طاری بہت ہے

یہ الٹی آنکھ کے ہے ہیں کارنامے
کہ سیدھی نور سے عاری بہت ہے

میں کیسے مان لوں اسلام تیرا
کہ یہ اسلام سرکاری بہت ہے

یہ چِٹّا جھوٹ ہے اعلان تیرا
لب و لہجہ بھی بازاری بہت ہے

اِدھر ہے تیرا نوّے دن کا وعدہ
اُدھر کرسی تجھے پیاری بہت ہے

کلاشنکوف کی اور ہیرون کی
سنا ہے گرم بازاری بہت ہے

ہوں تیرے رتجگے تجھ کو مبارک
مجھے سحری کی بیداری بہت ہے

تو عادی قتلِ ناحق کا ہے لیکن
خود اپنی جاں تجھے پیاری بہت ہے

یہ تخت و تاج ہوں تجھ کو مبارک
مجھے سولی کی سرداری بہت ہے

مبارک تجھ کو تیری پارسائی
مجھے اپنی خطا کاری بہت ہے

میں تیری ہاں میں ہاں کیسے ملا دوں
دلِ نادان انکاری بہت ہے

میں ہنستا مسکراتا جا رہا ہوں
اگرچہ زخم بھی کاری بہت ہے

خریدو عشق کو، لیکن سنبھل کر
کہ اس میں چور بازاری بہت ہے

سنا ہے جی اٹھا اسلم قریشی
خبر لیکن یہ اخباری بہت ہے

بتا تو دوں ترے انجام کی بات
مگر یہ بات انذاری بہت ہے

نہ جانے پھول کا انجام کیا ہو
اسے ہنسنے کی بیماری بہت ہے

اسیرِ زلفِ جاناں ہو چکے ہیں
ہمیں اتنی گرفتاری بہت ہے

عجب کیا جاتے جاتے رک بھی جاؤں
اگرچہ اب کے تیّاری بہت ہے

گزرنے میں نہیں آتا ہے مضطر
یہ لمحہ ہجر کا بھاری بہت ہے

ایک علمی لغزش اور اس کی تصحیح



خواجہ عبدالعظیم احمد۔ نائیجیریا

حال ہی میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا ایک پمفلٹ نظر سے گزرا جس میں مفتی صاحب نے الوفاۃ اور اس کے مشتقات کے معانی میں ایک نیا نکتہ بیان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

’’قرآن وسنت سے یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے کہ زندگی جسم اور روح کے مضبوط تعلق کا نام ہے اور موت اس تعلق کے ٹوٹ جانے کا۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہم اپنی بول چال میں موت کے لئے جو "وفات" کا لفظ استعمال کرتے ہیں وہ قرآن کریم کے ایک لفظ "توفی" سے ماخوذ ہے۔قرآن کریم سے پہلے عربی زبان میں یہ لفظ "موت" کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا، عربی زبان میں موت کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے چوبیس الفاظ استعمال ہوتے تھے لیکن "وفاۃ" یا "توفی" کا اس معنی میں کوئی وجود نہ تھا۔ قرآن کریم نے پہلی بار یہ لفظ موت کے لئے استعمال کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں نے موت کے لئے جو الفاظ وضع کئے تھے کہ وہ سب ان کے اس عقیدے پر مبنی تھے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ قرآن کریم نے "توفی" کا لفظ استعمال کرکے لطیف انداز میں ان کے اس عقیدے کی تردید کی۔ "توفی" کے معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا اور موت کے لئے اس لفظ کو استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ موت کے وقت انسان کی روح کو اس کے جسم سے علیحدہ کر کے واپس بلا لیا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کرتے ہوئے "سورۃ زمر" میں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ انسانوں کی موت کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو لوگ مرے نہیں ہوتے ان کی روحیں ان کی نیند کی حالت میں واپس لے لیتا ہے اور پھر جن کی موت کا فیصلہ کر لیتا ہے ان کی روحیں روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک معین وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔"

(دنیا کے اس پار از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، صفحہ 25،26 ادارہ اسلامیات، لاہور۔ کراچی)

مندرجہ بالا اس حوالہ میں مفتی صاحب کے نکات کو مختصراً بیان کی جائے تو صورت کچھ یوں بنے گی:۔

"وفات" کا لفظ قرآن کریم کے ایک لفظ "توفی" سے ماخوذ ہے۔ "وفاۃ" یا "توفی" کے معنی میں موت کا کوئی وجود نہ تھا۔

قرآن کریم سے پہلے عربی زبان میں یہ لفظ "موت" کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا اور۔ قرآن کریم نے پہلی بار یہ لفظ موت کے لئے استعمال کیا۔

اب ایک ایک کر کے ان نکات کا جائزہ لیا جائے گا اور دیکھیں گے کہ یہ نکات کس حد تک درست ہیں اور کیا واقعی مفتی صاحب نے ان نکات کا حیات مسیح ناصری علیہ السلام کے حوالہ سے درست استعمال کیا ہے۔ اس قرآنی استعمال کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں نے موت کے لئے جو الفاظ وضع کئے تھے وہ سب ان کے اس عقیدے پر مبنی تھے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ قرآن کریم نے "توفی" کا لفظ استعمال کر کے لطیف انداز میں ان کے اس عقیدے کی تردید کی۔

"توفی" کے معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا اور موت کے لئے اس لفظ کو استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ موت کے وقت انسان کی روح کو اس کے جسم سے علیحدہ کر کے واپس بلا لیا جاتا ہے۔

پہلا نکتہ

"وفات" کا لفظ قرآن کریم کے ایک لفظ "توفی" سے ماخوذ ہے۔ قرآن کریم کے نزول سے قبل لفظ "وفاۃ" یا "توفی" میں موت کا کوئی معنی موجود نہ تھا۔

"وفاۃ" کا لفظ "توفی" کے مشتقات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ لغت اس کو ایک اسم کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے:۔

الوَفاۃُ: المَنِیَّۃُ. والوفاۃُ: الموت. وتُوُفِّیَ فلان وتَوَفَّاہ اللہ إذا قَبَضَ نَفْسَہ۔

(لسان العرب، زیر کلمہ وفی)

اسی طرح الصحاح بھی اس کو ایک اسم کے طور پر لیتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

الوَفاۃُ: الموتُ (الصحاح للجوھری، زیر کلمہ وفی)

القاموس المحیط بھی اس کو ایک اسم کے طور پر لیتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

الوَفاۃُ: الموتُ (القاموس المحیط لفیروزآبادی، زیر کلمہ وفی)

ان تین اعلیٰ درجہ کی لغات کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ "وفات" کا لفظ ایک اسم ہے اور لغوی اعتبار سے اس کا معنیٰ موت ہے۔

لسان العرب جو کہ علمی حلقوں میں "**الموسوعۃ العربیۃ الشاملۃ**" (یعنی عربی لغت کا جامع انسائیکلوپیڈیا) کہلاتی ہے۔ اس لغت کا یہ خاصا سب کو تسلیم ہے کہ یہ لغت ایک مادہ کے تاریخی ادوار، وقت کے ساتھ ساتھ اس کے معنیٰ میں ہونے والی تبدیلیاں، ان معانی کے حق میں آیات قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور عربی زبان کے

اشعار کو بطور شاہد پیش کرتی ہے۔اس لفظ کی ذیل میں لسان العرب کہیں بھی یہ منطق بیان نہیں کرتی،اور نہ ہی مولانا صاحب والی etymology۔

مگر یہاں مفتی عثمانی صاحب کہہ رہے ہیں کہ نزول قرآن کریم سے قبل اس لفظ میں موت کا کوئی معنیٰ نہیں تھا۔صرف ایک دعویٰ ہے جس کی دلیل کسی بھی لغت سے قائم نہیں کی جاسکتی۔

دوسرا نکتہ

قرآن کریم سے پہلے عربی زبان میں یہ لفظ "موت" کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا اور۔قرآن کریم نے پہلی بار یہ لفظ موت کے لئے استعمال کیا۔

یہ نکتہ دراصل پہلے نکتہ کا ہی تسلسل ہے،مگر اس میں "قرآن کریم نے پہلی بار یہ لفظ موت کے لئے استعمال کیا۔" والی بات اضافی ہے۔اب ہم اس بات کے جواب میں دلائل دیں گے کہ عرب لفظ "توفی" اور اس کے معانی سے اچھی واقف تھے اور اپنی روزمرہ زندگی میں اس کو استعمال بھی کرتے تھے۔

(الف) مفتی صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں کوئی دلیل نہیں دی۔ اگر تو مفتی صاحب اس کے حق میں کسی لغت کی کتاب سے دلیل دیتے تو معاملہ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا۔

(ب) مفتی صاحب کے اس دعویٰ کو اگر عرب تاریخ کے آئینہ میں دیکھا جائے تو یہ بات بھی کافی حد تک غلط ثابت ہوتی ہے۔تاریخ عرب سے واقفیت رکھنے والے طبقہ سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ عرب کے جزیرہ میں دو مشہور تجارتی میلے عکاظ اور جھینۃ لگا کرتے تھے۔ان میلوں میں اور چیزوں کے ساتھ ساتھ شعراء انشاد شعر جبکہ نثر نگار اپنی لکھے ہوئے نثر پارے پڑھا کرتے تھے۔ان میلوں میں موجود بڑے شعراء گر کسی شاعر یا ادیب کے کلام میں کوئی فصاحت و بلاغت کے حوالہ سے کوئی کسر دیکھتے یا معنیٰ و مفہوم یا اجنبی لفظ کا استعمال دیکھتے جو کہ ان کے نزدیک درست نہ ہوتا تو ان اشعار یا نثر پاروں کو درست کرواتے یا اس پر اپنا تبصرہ دیتے۔قرآن کا دعویٰ تھا کہ اس جیسی ایک آیت بھی بنا کر دکھا دیں مگر اس زمانے کے لوگ جو اپنی زبان کی فصاحت اور جامعیت کی وجہ سے دوسروں کو عجمی (یعنی گونگا) کہتے تھے،اس بات میں کامیاب نہ ہو سکے۔اس سے یہ بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ عرب اپنی زبان پر کتنی گہری اور سنجیدہ نظر رکھتے اور اس کی سالمیت کے لئے انتھک محنت اور کوشش کرتے۔

(ج) اگر قرآن کریم نے لفظ "توفی" پہلی بار موت کے معنوں میں استعمال کیا تو اس بات کا تذکرہ کسی حدیث، اثر صحابی یا کسی تابعی کے قول میں کیوں نہیں ملتا؟ حالانکہ یہ بات ایک غیر معمولی بات تھی اور معارف قرآن سے تعلق رکھتی تھی۔

(د) مشرکین مکہ قرآن کریم پر اعتراض کرنے یا اس کی تعلیمات پر اعتراض اٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ان میں سے کسی ایک کبھی لفظ "وفاۃ" یا "توفی" کو موت کے معنیٰ میں استعمال کرنے پر نہ اعتراض کیا نہ کوئی سوال اٹھایا مشرکین نے یہ تو کہا کہ کوئی عجمی شخص قرآن لکھنے میں اس کی مدد کرتا ہے مگر وہ ہر قسم کی کوشش کرنے کے باوجود کسی قرآنی لفظ پر اعتراض نہ اٹھا سکے۔

(ھ) اسی طرح قرآن کریم کی سورۃ الزخرف کی آیت 4 میں فرمایا:۔"ہم نے اسے عربی قرآن اتارا کہ تم سمجھو۔" اس مقام پر تو رب کائنات نے اس واضح کتاب کی قسم کھا کر یہ منتخب الفاظ قرآن کا حصہ بنا دیے۔اگر لفظ "الوفاۃ" یا "توفی" کا لفظ موت کے معنیٰ میں پہلی بار قرآن نے استعمال کیا تو یہ دعویٰ قرآنی درست نہ رہے گا۔(نعوذ باللہ)

(و) اب ہم مفتی صاحب کی نظر ایک حوالہ کرتے ہیں جس میں ایک مشہور مستشرق ٹوری قرآن کریم کے مستعمل الفاظ و مفردات کے بارہ میں یہ رائے رکھتا ہے کہ:۔

"All the properties of the Quranic diction including the foreign words and proper names, had been familiar in Mekka before he appeared on the scene." (C.C. Torrey; The Jewish Foundation of Islam, 2nd Lecture, 'Genesis of the New Faith'.)

یعنی قرآنی لغت کے تمام عناصر، بمع بیرونی الفاظ و اسمائے خاص، ان (محمد ﷺ) کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے سے مکے میں عمومی طور پر رائج تھے۔

مولانا صاحب مستشرقین کو اسلام پر اعتراض اٹھانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔اگر نزول قرآن کریم سے "وفاۃ" کے معنی میں موت کا معنی ہی نہیں تھا تو اس جگہ یہ مستشرق اس بات کو ہرگز تسلیم نہ کرتا کہ قرآنی لغت کے تمام عناصر، بمع بیرونی الفاظ و اسمائے خاص، محمد ﷺ کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے سے مکے میں عمومی طور پر رائج تھے!!

سید سلیمان ندوی اسی اصل کو کہ قرآن کریم کی لغت قوم عرب کی مستعمل اور رائج عربی زبان تھی، فرماتے ہیں:۔

"اس بنا پر شہر مکہ کی زبان ایک ایسی زبان ہوگی جو عرب کی تمام زبانوں کا خلاصہ اور عطر ہوگی۔شعرائے عرب اس موقع پر اپنی شاعری کے لئے ایسی زبان اختیار کرتے ہوں گے جو عرب کی عام اور مشترک زبان ہوگی اور وہ تقریباً مکہ ہی کی زبان ہوسکتی ہے۔تمام عرب کو مخاطب کرنے کے لیے وحی الٰہی کو اسی قسم کی زبان درکار تھی۔" (تاریخ ارض القرآن کامل؛ از مولانا سید سلیمان ندوی؛ کراچی، دارالاشاعت؛ 1975ص:358)

(ز) اکثر مسلمان تاریخ دانوں اور ارباب سیَر نے لکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد حضرت لبید بن ربیعہ نے شاعری ترک کردی۔کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت لبید سے پوچھ بھیجا کہ آپ نے

زمانۂ اسلام میں کون سے اشعار کہے۔ جب انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ شعر کے عوض مجھے اللہ نے بقرہ اور آلِ عمران دی ہیں۔

اگر سورۃ البقرہ اور آل عمران کے نزول کے بعد لبید بن ربیعۃ العامری نے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا تو آپ کے ذہن میں سورۃ آل عمران آیت 56 میں موجود لفظ "متوفیک" کے "نئے معنیٰ" سے متعلق سوال کیوں نہ پیدا ہوا؟

تیسرا نکتہ

اس قرآنی استعمال کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں نے موت کے لئے جو الفاظ وضع کئے تھے وہ سب ان کے اس عقیدے پر مبنی تھے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ قرآن کریم نے "توفی" کا لفظ استعمال کر کے لطیف انداز میں ان کے اس عقیدے کی تردید کی۔

(الف) مفتی صاحب نے اسی مضمون میں اس جگہ فرمایا ہے کہ عربوں کے ہاں موت کے لئے کم و بیش چوبیس الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ اب یہاں مفتی صاحب فرما رہے ہیں کہ عربوں نے موت کے لئے جو الفاظ وضع کئے تھے وہ سب ان کے اس عقیدے پر مبنی تھے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ تو طبعاً یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تمام چوبیس الفاظ ان کے عقیدہ عدم حیات بعد الممات کو ثابت کرتے تھے؟ کیا لفظ "موت" جو کہ عربی میں کسی کی مرنے پر عام طور پر بولا جاتا ہے وہ بھی ان کے اسی عقیدہ کی غمازی کرتا ہے؟

(ب) اگر محترم مفتی تقی عثمانی صاحب کی یہ بات درست ہو کہ عرب نزول قرآن سے قبل یہ لفظ موت کے معنیٰ میں استعمال نہیں کرتے تھے تو کس معنیٰ میں استعمال کرتے تھے؟

اگر عرب اس لفظ کو نزول قرآن کے بعد موت کے معنیٰ میں استعمال کرنا شروع ہوئے تو اس لفظ اور اس کے مصدر سے مشتق کئی ایک الفاظ کیونکر بن گئے؟ اس مصدر کے اشتقاقات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لفظ شروع سے ہی موت کے معنیٰ میں اہل عرب کے استعمال میں تھا۔ جیسا کے اس لفظ کی etymology تفصیل سے لغات میں درج ہے۔ مثلاً الصحاح للجوھری میں ہے:۔

وتَوَفَّاهُ اللهُ، أَيْ قَبَضَ رُوْحَه ؕ (الصحاح للجوھری، زیر کلمہ وفی) یہی معنیٰ لسان العرب اور القاموس المحیط میں بھی لکھے ہیں۔

صلاح الدین الزعبلاوی اپنی کتاب مسئل صرفیۃ میں اس لفظ کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ "اَلْمَشْهُوْرُ عَنِ الْعَرَبِ قَوْلُهُمْ (تُوُفِّيَ فُلَانٌ)، بِالبِنَاءِ لِلْمَجْهُولِ، بِضَمِّ التَّاءِ وَ كَسْرِ الْفَاءِ الْمُشَدَّدَةِ وَ (تَوَفَّاهُ اللهُ فَفُلَانٌ مُتَوَفًّى)، بِضَمِّ الْمِيْمِ وَ فَتْحِ الْفَاءِ۔" (مسائل صرفیۃ جزء اول صفحہ 661) یعنی یہ عربوں میں یہ مشہور محاورہ ہے کہ (تُوُفِّيَ فُلَانٌ) یعنی فلاں شخص وفات پا گیا۔ یہ لفظ تاء کی ضمہ کے ساتھ ہے اور فاء پر تشدید کے ساتھ کسرہ بھی ہے۔ اللہ نے اس (شخص) کو وفات دے دی۔ اور فلاں متوفّٰی ہے۔ لفظ متوفی میم کی ضمہ کے ساتھ ہے اور فاء کی فتح سے ہے۔

یہاں علامہ زعبلاوی اس لفظ اور اس کے عربوں کے ہاں اس کے محاورہ کا استعمال بتا رہے ہیں مگر یہ بات کہ یہ لفظ نزول قرآن سے قبل ان معانی میں استعمال نہیں ہوتا تھا یا اس لفظ کے قرآن کریم میں استعمال کی حکمت میں کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ اس سے عربوں پر بعث بعد الموت کے عقیدہ کے حوالے سے حجت قائم کی گئی ہے۔

اگر مفتی صاحب کے بقول لفظ توفّی کا معنیٰ "کسی چیز کو پورا پورا وصول کرنے" کے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق میں اس کا معنیٰ ان کے زندہ آسمان پر چلے جانا اور پھر کسی وقت واپس آنے کا ہے۔ (کیونکہ مولانا اور ان کے فرقہ کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قائل نہیں ہے) تو اسی مادے اور اسی باب سے جو لفظ (نَتَوَفَّيَنَّكَ سورۃ الرعد: 41) ہمارے آقا و مولا ﷺ کے لئے استعمال ہوا اس کا کیا معنیٰ ہوگا؟ کیا نبی کریم ﷺ بھی زندہ آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ اٹھائے گئے؟

چوتھا نکتہ

جہاں تک اس لفظ (توفی) کے موت کے معنیٰ میں استعمال ہونے کا تعلق ہے تو کوئی ایک لغت دان بھی اس لفظ کو عربوں کے عقیدہ عدم بعث بعد الموت کے ساتھ نہیں جوڑتا بلکہ اس لفظ میں موت کے معنیٰ کی حکمت ضرور بیان کرتا ہے۔ چنانچہ عربی زبان کی بزرگ لغات، لسان العرب اور الصحاح کہتی ہیں:۔

"تَوَفِّيَ الْمَيِّتِ اسْتِيفَاءِ مُدَّتِهِ الَّتِيْ وُفِّيَتْ لَهٗ وَعَدَدَ أَيَامِهٖ وَشُهُوْرِهٖ وأَعْوَامِهٖ فِي الدُّنْيَا." یعنی تَوَفِّي المَيِّتِ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس (مرنے والے) کی مدتِ عمر، اس کے مہ و سال اس دنیا میں پورے ہو گئے۔

اب اس حکمت میں عربوں کے عدم حیات بعد الممات کے عقیدہ کا توڑ کہاں سے آ گیا؟ ان بڑی بڑی لغات نے کہیں بھی اس بات کو بیان نہیں کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس لفظ سے متعلق فرماتے ہیں:۔

''بعض یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں موت مسیح کے بارے میں صرف توفی کا لفظ موجود ہے مگر لُغت میں یہ لفظ کئی معنوں پر آیا ہے۔ سو اس وہم کا جواب یہ ہے کہ کلام تو اِس بات میں ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں کئی معنوں پر آیا ہے یا ایک معنی پر۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے بعض الفاظ لغت سے لے کر اصطلاحی طور پر ایک معنی کے لئے خاص کر دئے ہیں۔ جیسے صوم صلوٰۃ رحمانیّت رحیمیّت توفی۔ اور ایسا ہی اللہ کا لفظ۔ اور کئی اَور الفاظ۔ سو اصطلاحی امر میں لغت کی طرف رجوع کرنا حماقت ہے۔ قرآن شریف کی قرآن شریف سے ہی تفسیر کروا اور

دیکھو کہ وہ ایک ہی معنیٰ کا التزام رکھتا ہے یا متفرق معنی لیتا ہے۔اور اقوال سلف و خلف درحقیقت کوئی مستقل حجت نہیں اور اُن کے اختلاف کی حالت میں وہ گروہ حق پر ہوگا جن کی رائے قرآن کریم کے مطابق ہے۔اگر یہ اقوال رطب ویابس جو تفسیروں میں لکھے ہیں کچھ استحکام رکھتے تو اِن تفسیروں میں اقوال متضادہ کیوں درج ہوتے۔اگر ماخذ اجماع کا یہی اقوال متضادہ ہیں تو حقیقت اجماع معلوم شد۔‘‘

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد3:صفحہ 390)

’’تَوَفّی کا لفظ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ جابجا احادیث نبویہ میں بھی وفات دینے اور قبض روح کے معنوں پر ہی آتا ہے۔چنانچہ جب میں نے غور سے صحاح سِتّہ کو دیکھا تو ہر یک جگہ جو توفّی کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلا ہے یا کسی صحابی کے مُنہ سے تو انہیں معنوں میں محدود پایا گیا۔میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کسی ایک صحیح حدیث میں بھی کوئی ایسا تَوَفّی کا لفظ نہیں ملے گا جس کے کوئی اَور معنے ہوں۔میں نے معلوم کیا ہے کہ اسلام میں بطور اصطلاح کے قبض روح کے لئے یہ لفظ مقرر کیا گیا ہے تا روح کی بقاء پر دلالت کرے۔یہ عاجز پہلے اس سے اسی رسالہ میں بیان کر چکا ہے کہ عموم محاورہ قرآن شریف کا توفّی کے لفظ کے استعمال میں یہی واقعہ ہوا ہے کہ وہ تمام مقامات میں اوّل سے آخر تک ہر ایک جگہ جو تَوَفّی کا لفظ آیا ہے اس کو موت اور قبض روح کے معنے میں لاتا ہے اور جب عرب کے قدیم وجدید اشعار وقصائد ونظم ونثر کا جہاں تک ممکن تھا تتبّع کیا گیا اور عمیق تحقیقات سے دیکھا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ جہاں جہاں تَوَفّی کے لفظ کا ذوی الروح سے یعنی انسانوں سے علاقہ ہے اور فاعل اللہ جلّشانُہٗ کو ٹھہرایا گیا ہے اِن تمام مقامات میں تَوَفّی کے معنے موت وقبض روح کے کئے گئے ہیں۔اور اشعار قدیمہ وجدیدہ عرب میں اور ایسا ہی اُن کی نثر میں بھی ایک بھی لفظ توفی کا ایسا نہیں ملے گا جو ذوی الروح میں مستعمل ہو اور جس کا فاعل لفظاً یا معناً خدائے تعالیٰ ٹھہرایا گیا ہو۔یعنی فعل عبد کا قرار نہ دیا گیا ہو اور محض خدائے تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو اور پھر اس کے معنے بجز قبض روح کے اور مراد رکھے گئے ہوں۔لغات کی کتابوں قاموس۔صحاح۔صراح وغیرہ پر نظر ڈالنے والے بھی اس بات کو جانتے ہیں۔کہ ضرب المثل کے طور پر بھی کوئی فقرہ عرب کے محاورات کا ایسا نہیں ملا جس میں توفی کے لفظ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اور ذوی الروح کے بارہ میں استعمال میں لا کر پھر اس کے اور بھی معنے کئے ہوں۔بلکہ برابر ہر جگہ یہی معنے موت اور قبض روح کے کئے گئے ہیں اور کسی دوسرے احتمال کا ایک ذرہ راہ کھلا نہیں رکھا۔)

ازالہ اوہام۔روحانی خزائن جلد3:صفحہ 584)

غزل

عبیداللہ علیم



نگار صبح کی امید میں پگھلتے ہوئے
چراغ خود کو نہیں دیکھتا ہے جلتے ہوئے

وہ حسن اس کا بیاں کیا کرے جو دیکھتا ہو
ہر اک ادا کے کئی قد نئے نکلتے ہوئے

وہ موجِ میکدۂ رنگ ہے بدن اس کا
کہ ہیں تلاطم ِ مئے سے سبو اچھلتے ہوئے

تو ذرہ ذرہ اس عالم کا ہے زلیخا صفت
چلے جو دشتِ بلا میں کوئی سنبھلتے ہوئے

یہ روح کھنچتی چلی جا رہی ہے کس کی طرف
یہ پاؤں کیوں نہیں تھکتے ہمارے چلتے ہوئے

اسی کے نام کی خوشبو سے سانس چلتی رہے
اسی کا نام زباں پہ ہو دم نکلتے ہوئے

خیال و خواب کے کیا کیا نہ سلسلے نکلے
چراغ جلتے ہوئے آفتاب ڈھلتے ہوئے

اندھیرے ہیں یہاں سورج کے نام پر روشن
اجالوں سے یہاں دیکھے ہیں لوگ جلتے ہوئے

اتار ان میں کوئی اپنی روشنی یا رب
کہ لوگ تھک گئے ظلمت سے اب بہلتے ہوئے

وہ آ رہے ہیں زمانے کہ تم بھی دیکھو گے
خدا کے ہاتھ سے انسان کو بدلتے ہوئے

وہ صبح ہو گی تو فرعون پھر نہ گزریں گے
دلوں کو روندتے انسان کو مسلتے ہوئے



منافقت کے پہرے

چوہدری نعیم احمد باجوہ

حامد میر صاحب کا 18 مارچ 2019 کا کالم ''ہمارا اصل قصور، ہماری منافقت ہے'' پڑھا تو یادوں کے دریچے واہ ہوتے چلے گئے۔ یہ یادیں مجھے 2010 میں لے گئیں۔ میں نے دیکھا:

وہ بھی باپ تھے۔ بھائی تھے۔ بیٹے تھے۔ ان کی بھی راہ تکتی مائیں تھیں۔ صدقے واری جاتی بیٹیاں اور بہنیں تھیں۔ انہیں بھی ماؤں بہنوں بیٹیوں نے نماز جمعہ کے لئے بھیجا تھا۔ ان میں بچے بھی تھے۔ نوجوان اور بوڑھے بھی تھے۔ ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی تھے۔ وطن کی خدمت کے تمغے سینے پر سجانے والے ریٹائرڈ جنرل بھی تھے اور قوم کی خدمت کے جذبے سے سرشار مستقبل کا سرمایہ نوجوان بھی تھے۔ یہ مئی 2010 تھا۔ جمعہ کا دن اور نماز کا وقت تھا۔

پنجاب کے دل لاہور میں ماڈل ٹاؤن اور گڑھی شاہو کا علاقہ تھا۔ یہ کوئی دیارِ غیر تھا نہ وطن ثانی۔ مرنے اور مارنے والے غیر مذہب کے تھے نہ غیر قوم کے۔ مرنے والے بھی اپنے تھے اور مارنے والے بھی اسی سرزمین کے باشندے تھے۔ لیکن منافقت آڑے آئی تو حکومت ان کے ساتھ کھڑی ہوئی نہ سول سوسائٹی اور میڈیا۔ نیوزی لینڈ میں درجنوں بے قصور مسلمان نمازیوں کی شہادت کا واقعہ اتنا وحشت ناک ہے کہ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ وہاں شہید ہونے والے بہرحال دیارِ غیر میں تھے۔ اس ملک کو اپنی مرضی سے انہوں نے اپنا وطن بنالیا تھا۔ کیوں بنایا تھا یہ الگ کہانی ہے۔ ایک مسیحی شدت پسند اور مذہبی جنونی کے ہاتھوں بے قصور مارے گئے۔ ان شہادتوں کے لئے آج قومی پرچم سرنگوں ہے تو ہونا بھی چاہئے تھا۔ قومی اور حکومتی سطح پر افسوس اور تعزیت کے پیغامات جاری ہو رہے ہیں تو ہونے بھی چاہییں۔ لیکن میرے اپنے ہی وطن میں نیوزی لینڈ واقعہ سے دوگنی تعداد میں ایک ہی دن مرنے والوں کے لئے صاحبانِ اقتدار کے پاس الفاظ کا ذخیرہ کیوں ختم ہو گیا تھا۔ لب خاموش اور زبانیں گنگ کیوں ہو گئی تھیں۔ واقعی ہمارا مسئلہ منافقت ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجے کی منافقت ہے۔ درویش کے نزدیک تو یہ بھی شہید ہیں اور وہ بھی شہید تھے۔ یہ بھی بے قصور نمازی تھے اور وہ بھی بے قصور نمازی۔ وہ بھی انسان تھے اور یہ بھی انسان ہیں۔ اُن پر جاہلانہ حملہ بھی قتل انسانیت تھا اور یہ شدت پسندانہ اور جنونی حملہ بھی انسانیت کا قتل ہے۔

لیکن سانحہ گڑھی شاہوں اور ماڈل ٹاؤن کے وقت ہماری منافقت عروج پر کیوں تھی۔ یہی میڈیا جو آج سوگ کی کیفیت میں ہے، نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ احمدیوں پر حملے کو تصادم قرار دے دیا جائے۔ نماز جمعہ کو قادیانیوں کی عبادت اور ان کی مسجد کو قادیانی عبادت گاہ لکھا پڑھا اور بولا گیا۔ ایک بے حس معروف اینکر صاحب تو بہت دور کی کوڑی لائے اور کہا قادیانیوں کی عبادت گاہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے یوم پیدائش کے حوالے سے تقریبات ہو رہی تھیں۔ یا للعجب۔

اس بے چارے کو یہ بھی علم نہ تھا کہ آج تک احمدیوں نے اپنے امام کا یوم ولادت منایا نہ یوم وفات۔ کہ وہ ایسے عمل کو بدعات شمار کرتے ہیں۔

واقعی ہمارا مسئلہ منافقت ہے! آج ہم ایک غیر مسلم ملک کی غیر مسلم حکمران وزیر اعظم کے اقدامات پر تعریف کے ڈونگرے برساتے ہوئے تھک نہیں رہے۔ لیکن خود ایسے اقدامات کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہتے ہیں۔ نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم نے جو کیا ایک انصاف پسند حکمران اور خادم قوم و ملک کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ مصیبت کے وقت میں پورے قد کے ساتھ جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے عوام کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی عظمت کا ثبوت انہوں نے دیا ہے۔ مسلمانوں کے رنگ میں رنگین ہو کر ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر خوبصورت روایت کو جنم دیا ہے۔ اس اخلاقی جرأت کو ہم اسلامی اخلاقیات کا پرتو کہہ سکتے ہیں جس پر آج غیر مسلم عمل پیرا ہیں۔ لیکن ہماری منافقت کیوں ہمیں اپنے ہی مسلمان بھائیوں، مسیحی اور احمدی بھائیوں کے اندھا دھند قتل پر رسمی مذمت کے الفاظ بھی ہمارے منہ سے نکلنے نہیں دیتی۔

ہم ایسے اخلاق اپنانے کی جرأت کیوں نہیں کر سکتے۔ کیا واقعی ہمیں صرف سرحد پار اور سات سمندر پار ہی گرتا خون، خون دکھائی دیتا ہے۔ یہی خون اپنے شہر گاؤں گلی محلے میں بہتا ہوا ارزاں اور بے وقعت دکھائی کیوں دیتا ہے۔؟ ہم افسوس کرنے سے قبل یہ پوچھتے ہیں کہ مرنے والے کون تھے؟۔ ہمارے والے تھے یا دوسرے والے۔ مسجد احمدیوں کی تھی یا شیعہ سنی وہابی اور بریلوی کی تھی۔

یاد ش بخیر سانحہ گڑھی شاہوں پر احمدیوں سے افسوس کرتے ہوئے حاکم وقت کے منہ سے ''احمدی ہمارے بھائی ہیں'' کے الفاظ ادا ہو گئے۔ تو خدائی فوجدار لٹھ اٹھا کر اس کے پیچھے پڑ گئے۔ فسخ نکاح کی وعید سنا ڈالی۔ دین و ایمان کے ضائع ہونے کی خبر دے دی تھی مجھے جستجو ہوئی کہ اصل بیماری کی جڑ تک پہنچنے والے حامد میر خود تو منافقت کی اس بیماری سے مبرا ہوں گے۔ سمندر پار دہشت گردی کی مذمت کرنے والے ہیں تو اپنے ملک میں احمدیوں کے ساتھ ہونے والی دہشت گردی زیادہ دکھائی دیتی ہوگی۔ ان کا خون بھی انہیں قیمتی دکھائی دیتا ہوگا۔

اسی شد و مد کے ساتھ ان کے قتل ناحق کی مذمت انہوں نے کی ہوگی۔ لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی ایسا بیان تلاش کرنا حسرت ہی رہی۔ واقعی ''ہمارا اصل قصور ہماری منافقت ہے۔''

ہفتہ وار
اخبار جھنگ سیال جھنگ

جھنگ مگھیانہ میں اتحاد بورڈ قائم ہو گیا!

سیکرٹری ضلع کانگرس کمیٹی واپس آگئے

عذر داریاں دائر ہو گئیں

وار فنڈ میں تیس ہزار روپیہ

جس پر ضلع جھنگ کو بجا طور پر ناز ہے

سول سرجن صاحب واپس آگئے

سیدھے ہو جاؤ ورنہ —
حکیم دین حق کی ایگزیکٹو آفیسر کو دھمکی

Weekly *Jhang Sial*, 28 June, 1940.

اذکرو محاسن موتکم

محترم برادرم رانا عبداللطیف مرحوم
رانا عبدالرزاق خان لندن

بچھڑا اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

محترم برادرم رانا عبداللطیف صاحب اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔اور آپ کی سات بہنیں ہیں۔آپ کے والد صاحب کا نام چوہدری سردار محمد اور والدہ کا نام ریشم بی بی تھا۔آپ کے دادا کا نام محترم کریم بخش تھا۔ اُن کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جو باقی رشتہ داروں سمیت احمدی ہوئے۔آپ کے گاؤں میں احمدیت 1900ء کے بعد میں آئی۔خاندان میں یہ راویت بھی پائی جاتی ہے کہ آپ کے گاؤں شکار پور ماچھی سے ابتداء میں مندرجہ ذیل چار بزرگان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی

(1)حضرت محمد دین صاحب پکھیوالے۔(2)حضرت رُستم علی صاحب۔
(3)حضرت رُلدو صاحب۔(4)حضرت عبداللہ صاحب

آپ کے گاؤں کا نام شکار پور ماچھی تھا جو کہ قادیان سے بیس میل دور جانب شرق واقع ہے۔چوہدری سردار محمد صاحب 1940ء میں چک نمبر 201 مراد بہاولنگر میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔اسی چک میں رانا عبداللطیف صاحب 4 مارچ 1962ء کو پیدا ہوئے۔آپ نے میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول 201 چک مراد ضلع بہاولنگر سے ہی کیا۔1977ء میں آپ کی والدہ ریشم بی بی نے وفات پائی آپ اس وقت نویں جماعت میں پڑھتے تھے۔آپ کی والدہ نے سارے گاؤں کے بچے بچیوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھایا۔بہت نیک اور دعا گو خاتون تھیں۔

1979ء میں آپ کے والد صاحب نے ربوہ کے محلے نصیر آباد میں رہائش اختیار کر لی۔آپ نے بی اے تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے 1984ء میں پاس کیا۔آپ کی زرعی زمین 22۔ایکڑ چوک مدعلی میں نزد ربوہ ہے۔آپ کی شادی اپریل 1987 میں محترمہ گلشن نعیم صاحبہ بنت رانا عبداللطیف خاں (نمبردار چک نمبر 2 ٹی ڈی اے خوشاب) مقیم ربوہ سے ہوئی۔جو کہ کاٹھگڑھ ہوشیار پور کے ایک مخلص احمدی راجپوت خاندان ہے۔آپ بچپن سے ہی مذہبی طبیعت رکھتے تھے۔جماعتی نظام کی اطاعت اور خدمت خلق کرنا آپ کی عادت ثانیہ تھی۔آپ کی رہائش نصیر آباد حلقہ عزیز میں تھی۔



آپ کے والد محترم کی وفات مئی 1991ء کو ربوہ میں ہوئی۔جلسہ قادیان میں آپ نے 1991 میں شرکت کی۔1992ء میں قائد خدام الاحمدیہ نصیر آباد اور 1996 میں بلاک۔لیڈر بھی بنائے گئے۔اسی دوران بطور سیکرٹری تعلیم۔سیکرٹری امور عامہ،بھی خدمت کی توفیق پائی۔

1998 تا 2001 صدر جماعت نصیر آباد ربوہ بنائے گئے۔اسی دوران آپ 10 جولائی 2001ء لندن تشریف لے آئے۔یہاں آ کر بھی آپ نے خدمت دین جاری رکھی۔آتے ہی جماعت Mitcha میں مختلف عہدوں پر کام کرنے کا موقع ملا۔سیکرٹری مال جماعت احمدیہ مچم بھی رہے۔2001 تا 2003ء نائب صدر، سیکرٹری امور عامہ۔زعیم مجلس انصاراللہ، Mitcham، بھی رہے۔پہلے صدر جماعت احمدیہ Upper Mitcham۔2003۔ میں بنائے گئے۔2009۔2011۔زعیم اعلیٰ مجلس انصاراللہ یو کے بیت الفتوح ریجن رہے۔علم انعامی حاصل کیا۔آپ نے پہلی سعادت عمرہ مع فیملی 2011ء میں پائی۔دوسری بار مع فیملی 2013 میں عمرہ کیا۔ 2011۔2013ء زعیم اعلیٰ مجلس انصاراللہ یو کے بیت النور ریجن بھی رہے ۔2015۔2019ء قائد تحریک جدید مجلس انصاراللہ یو کے۔جلسہ گاہ میں ناظم وائنڈ اپ کے فرائض 2009ء سے سرانجام دے رہے تھے۔آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ نمبر 1۔بیٹی صبا عمران شادی شدہ ہے اس کے دو بچے بیٹا بیٹی ہیں۔لندن میں ہی مقیم ہے۔بڑا بیٹے دانیال لطیف کی بھی شادی ہو چکی

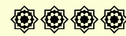
خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔نمبر ۴۔عامر شہزاد جامعہ احمدیہ میں ممہدہ کلاس کا طالب علم ہے۔

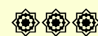
آپ بلڈنگ کا کام کرتے تھے۔اور ہر کام میں ماہر تھے۔آپ بے حد محنتی اور دیانتدار تھے۔دوست احباب سے تعاون کرنا اور بڑی حلیمی سے اُن سے تعاون حاصل کرنا آپ کی انتظامی حکمت عملی کا پتہ دیتا ہے۔لندن میں کوئی بھی رضا کارانہ کام ہو۔رانا صاحب کی ٹیم ہر وقت تیار رہتی تھی۔اس کے علاوہ آپ اپنے عزیز رشتہ داروں،بہنوں بھائیوں،سے بھی بہت پیار اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ان کی اخلاقی اور مالی معاونت مسلسل جاری رکھی۔غرباء و مساکین،کا خاص خیال رکھتے تھے۔چندوں کی ادائیگی میں پیش پیش رہتے تھے۔صوم وصلوۃ،حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ہنس مکھ،ملنسار،غمخوار،معاون،ہمدرد اور سب کے غمگسار تھے۔

31 مئی 2019 کو ان کی وفات کے موقع پر احباب نے اُن کی تعزیت پر اتنی کثیر تعداد نے دُکھ کا اظہار کیا،محترم امیر صاحب یو کے ممبران نیشنل عاملہ، محترم صدر صاحب مجلس انصار اللہ یو کے ممبران مجلس عاملہ،صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مع عاملہ،علمائے کرام،زعماء کرام،صدران جماعت نے تعزیت کے علاوہ جنازہ اور تدفین میں بھرپور شرکت کی۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی فیملی کو مشفقانہ ملاقات سے نوازا۔تعزیت کی۔سب بچوں کی ڈھارس بندھائی،جنازہ پڑھایا،مرحوم موصی تھے۔اس لئے ان کی تدفین Brookwood قبرستان ووکنگ میں ہوئی۔

ہماری سب کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور مرحوم کے درجات بلند رکھے اور ورثان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اے دل تو اُس پہ جاں فدا کر





سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا ایک زندہ نشان
حضرت عبدالکریم صاحب حیدرآبادی

(ادارہ) حضرت عبدالکریم حیدرآبادی حیدرآباد دکن کے علاقے یادگیر کے ایک محلے آثار شریف میں 1891ء میں پیدا ہوئے۔آپ کا تعلق علاقے کے ایک معروف معزز خاندان ''شحنہ'' سے تھا.حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب نے ذاتی حیثیت میں قادیان تدریس وتعلیم کیلئے جن طلباء کو اپنے خرچ پر بھجوایا.ان میں آپؓ سرِ فہرست تھے۔آپ وہ ہستیِ باسعادت تھے.جو حضرت اقدس علیہ السلام کے ایک عظیم الشان نشان بیماری سے شفایابی (گویا احیاءِ موتی کے رنگ) کا مظہر بنے۔آپ بورڈنگ اسکول میں دیگر طلباء کیساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک سگِ دیوانہ نے آپ کو کاٹ لیا۔ہر طرح کے علاج کی کوشش کی گئی یہاں تک کہ گورنمنٹ کے مشاق اطباء کو انکی بیماری کی کیفیت بذریعہ تار بھجوائی گئی جس پر انکا جواب آیا SORRY NOTHING CAN BE DONE FOR ABDUL KARIM" معذرت! عبد الکریم کیلئے کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔چنانچہ حضرت اقدس علیہ نے دنیاوی معالجوں کے اس جواب پر اپنے ''ھوالشافی'' سے رجوع کیا۔آپ کی مناجات بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوئیں اور آپؓ کو محض خدا کے فضل اور حضور علیہ کی دعا سے شفایابی نصیب ہوئی۔آپ نے کچھ عرصہ ممبئی میں تجارت کی بعد ازاں یادگیر میں ہی کاروبار کرتے رہے۔آپ صوم وصلاۃ کے نہایت پابند تھے اور گوشہ نشینی کی طبیعت رکھتے تھے.آپؓ نے 1943ء میں وفات پائی.جب آپ کی وفات کی خبر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ کو پہنچی تو آپؓ نے 5 جنوری 1944ء کو جمعہ کے موقع پر فرمایا۔''عام قانون کے ماتحت میں ان ہی کا جنازہ پڑھتا ہوں جو یا تو جماعت کے خاص رکن ہوں یا پرانے احمدی ہوں اور حضرت مسیح موعود کے وقت خدمت کر چکے ہوں۔یا جن کا جنازہ پڑھنے والا کوئی احمدی نہ ہو.لیکن ان صاحب کا اس لیئے پڑھ رہا ہوں کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ کی صداقت کا زندہ معجزہ تھے۔

فکر انگیز تحریروں کا ایک گلدستہ



آج سے ادارہ قندیل حق اپنے قارئین کے لئے دنیا بھر کے دانشوران کی فکر انگیز تحریروں کا ایک گلدستہ شروع کر رہا ہے۔ آپ بھی اس کا حصہ بن سکتے ہیں۔ (اصغر علی بھٹی نگران اعلیٰ قندیل حق)

سبوخ سید صاحب کی ایک فیس بک پر مولانا فضل الرحمٰن کے رخ روشن پر ایک تحریر



مولانا سے بہتر کون جانتا ہے کہ اسٹیبلشمنٹ کیسے اٹھاتی ہے اور کیسے گراتی ہے۔ مولانا جب الیکشن ہار جاتے ہیں تو پھر وہ قادیانی ایشو، ختم نبوت اور مسلکی مدرسوں کا جال بنا شروع کر دیتے ہیں۔

ابھی کچھ بچے نئے آئے ہیں اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ پڑھتے بھی نہیں ورنہ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ۱۹۹۸ میں لاہور میں آئین شریعت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ ہم نے ہر طریقے سے اسلام کے نفاذ کے لیے کوششیں کیں تاہم یہاں ہمیں ہر طریقے سے اسلام کے نفاذ سے روکا گیا، ہم جمہوریت سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہیں، وہ پاکستان میں خود کو افغانستان کے ملا عمر کے دوسرے درشن کے طور پر دیکھ رہے تھے۔

مولانا شیرانی اور مولانا عبید اللہ چترالی کے علاوہ جمعیت میں سب اسی موقف کے حامی تھے۔ مقصد نواز شریف کے خلاف ماحول بنانا تھا کیونکہ ۱۹۹۷ کے انتخابات میں ن لیگ کے میاں عمر فاروق میاں خان خیل نے مولانا کو انتخابات میں شکست دی تھی اور ن لیگ نے مسرت شاہین کو مولانا کے خلاف کھڑا کر کے مولانا کا عجیب و غریب طریقے سے مذاق اڑایا تھا جسے میں یہاں لکھ بھی نہیں سکتا۔ اس وقت ملا عمر اور فضل الرحمان کے نعرے لگا کرتے تھے۔ نواز شریف کی حکومت ختم ہوگئی جس میں مولانا نے اسٹیبلشمنٹ کی ایماء پر نواز شریف کو قادیانیوں کا ایجنٹ اور امریکی پٹھو قرار دیکر ماحول گرم کیا۔

۲۰۰۲ کے انتخابات کے بعد مولانا پر جمہوریت کے ثمرات تب واضح ہوئے جب مشرف نے انہیں انگیج کیا۔ جس طرح کچھ روز پہلے مولویوں سے لدا ہوا ایک ہیلی ٹریکٹر میں وزیرستان گیا تھا، اسی طرح پہلے دفاع افغانستان و پاکستان کونسل بنائی گئی جسے حمل ٹھہرا اور ایم ایم اے نے جنم لیا۔ اس صلے میں مشرف نے انتخابات کے بعد مولانا کو دو صوبوں میں حکومت اور مرکز میں اپوزیشن لیڈر بنوا کر نوازا، مشرف نے بڑی خوبصورتی سے اپنے کھیلے اور ق لیگ کو ایسی اپوزیشن دی جو فرینڈلی نہیں، ان کی آغوش میں پروان چڑھی تھی۔ اس اپوزیشن نے ایل ایف او منظور کیا، مشرف کو چاروں صوبائی اسمبلیوں سے اعتماد کا ووٹ دلوایا اور اپنے ہر غیر قانونی دھندے کو اپوزیشن لیڈر کو آنکھ مار کر اور ہاتھ دبا کر حل کروا دیا کرتا تھا۔ اللہ خوش رکھے کتنے اچھے دن ہوتے تھے اور کتنی حسین اور اسلامی تعلیمات میں نہائی ہوئی راتیں ہوتی تھیں۔

سیرت رسول اللہ ﷺ کا ایک ورق ملک ریحان خان کی زبانی



ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ طواف فرما رہے تھے ایک اعرابی کو اپنے آگے طواف کرتے ہوئے پایا جس کی زبان پر "یا کریم یا کریم" کی صدا تھی۔

حضور اکرم نے بھی پیچھے سے یا کریم پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ اعرابی رُکن یمانی کیطرف جاتا تو پڑھتا یا کریم، پیارے نبی بھی پیچھے سے پڑھتے یا کریم۔

وہ اعرابی جس سمت بھی رخ کرتا اور پڑھتا یا کریم بھی اس کی آواز سے آواز ملاتے ہوئے یا کریم پڑھتے۔ اعرابی نے تاجدار کائنات ﷺ کی طرف

دیکھا اور کہا کہ اے روشن چہرے والے! اے حسین قد والے!

اللہ کی قسم اگر آپ کا چہرہ اتنا روشن اور عمدہ قد نہ ہوتا تو آپ کی شکایت اپنے محبوب نبی کریم کی بارگاہ میں ضرور کرتا کہ آپ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔

سید دو عالم ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ کیا تو اپنے نبی کو پہچانتا ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم ایمان کیسے لائے؟ عرض کیا: بِن دیکھے ان کی نبوت ورسالت کو تسلیم کیا، مانا اور بغیر ملاقات کے میں نے انکی رسالت کی تصدیق کی۔

آپ نے فرمایا: مبارک ہو، میں دنیا میں تیرا نبی ہوں اور آخرت میں تیری شفاعت کرونگا۔

وہ حضور علیہ السلام کے قدموں میں گرا اور بوسے دینے لگا۔ آپ نے فرمایا: میرے ساتھ وہ معاملہ نہ کر جو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

اللہ نے مجھے متکبر و جابر بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اللہ نے مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ اللہ جل جلالہ نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور فرماتا ہے کہ اس اعرابی کو بتا دیں کہ ہم اسکا حساب لیں گے۔ اعرابی نے کہا: یارسول اللہ! کیا اللہ میرا حساب لے گا؟ فرمایا: ہاں، اگر وہ چاہے تو حساب لے گا۔ عرض کیا کہ اگر وہ میرا حساب لے گا تو میں اسکا حساب لونگا۔ آپ نے فرمایا کہ تو کس بات پر اللہ سے حساب لیگا؟

اس نے کہا کہ اگر وہ میرے گناہوں کا حساب لیگا تو میں اسکی بخشش کا حساب لونگا۔ میرے گناہ زیادہ ہیں کہ اسکی بخشش؟

اگر اس نے میری نافرنیوں کا حساب لیا تو میں اسکی معافی کا حساب لونگا۔

اگر اس نے میرے بخل کا امتحان لیا تو میں اس کے فضل و کرم کا حساب لونگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب سماعت کرنے کے بعد اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی پھر جبرائیل علیہ السلام آئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ رونا کم کریں آپ کے رونے نے فرشتوں کو تسبیح و تحلیل بھلا دی ہے اپنے امتی کو کہیں نہ وہ ہمارا حساب لے نہ ہم اسکا حساب لیں گے اور اس کو خوشخبری سنا دیں یہ جنت میں آپ کا ساتھی ہوگا۔

"کیا عقل نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے ان خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے" تحریر کو لائک کرنے سے اچھا ہے کہ شیئر کر دے یہ آپکے اکاؤنٹ میں نیکیوں کا وزن زیادہ کرتی ہے

(مسند احمد بن حنبل)

تبلیغی جماعت کے رخ روشن پر سبوخ سید کی ایک فیس بک پر تحریر

یہ قومی اسمبلی نہیں، یہ مچھلی منڈی بھی نہیں، یہ کسی ٹی وی کا شو بھی نہیں، یہ سستا بازار بھی نہیں، یہ کسی کی شادی پر کھانا کھلنے کا منظر بھی نہیں، یہ کسی خیراتی ادارے میں مفت سامان بٹنے کا نظارہ بھی نہیں کر رہے۔

اے متلاشیان حق و باطل مکس

یہ ویمبلے سنٹر کی مسجد ہے، دیوبندی مسلک کے مولوی اور کمیٹی مسجد کی منتظم ہے۔ یہاں ویمبلے کانفرنس سنٹر میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس بھی ہوتی رہی۔ اب معلوم نہیں کہ ہوتی ہے یا نہیں۔

ہوا یوں کہ اس مسجد کے امام کو برطرف کر دیا گیا اور پھر کیا ہوا، وہی جو آپ کے ہاں یہ "وارثان انبیاء" کرتے ہیں۔ پاکستان کی ہزاروں مساجد کی طرح یہاں بھی دو مولویوں میں ایک مرغی حرام والی جنگ شروع ہوگئی۔

گذشتہ دنوں تبلیغی جماعت میں بھی آپ نے یہی منظر دیکھا ہوگا جس میں ایمان اور یقین بنانے کے لئے چھ نمبروں والی جماعت کے ہزاروں کارکنان ایک دوسرے پر بنگلہ دیش میں لاٹھیوں کے ذریعے ٹوٹ پڑے۔ ایک بوڑھا تبلیغی اللہ کی راہ وقت لگانے آیا تھا، زندگی لٹا کر نکل گیا۔ پہلی بار مجھے محسوس ہوا کہ تبلیغی جماعت میں بھی جہادی تربیت جاری ہے۔

اچھا خیر مسلمانان برصغیر پاک ہند نے نہ جانے کس وجہ سے پرانے مولوی کو فارغ کیا اور نواں نکور مولوی لے آئے۔ اس نے مونچھوں پر استرا پھیرا، الماری سے نیا جبہ نکالا، نئی شیروانی لی،، بیوٹیفل عمامہ اور عطر لگا کر جونہی مسجد میں داخل ہوا، جذبہ ایمانی سے معمور سفید ریش ریسلر مولوی اس پر کود پڑے۔

پھر اس مسجد کو مولویوں کے شر سے بچانے کے لیے مسیحی اور یہودی پولیس بلوانی پڑی، وہ مسجد میں داخل ہوئے اور مولویوں کی بحر ظلمات میں بھڑکائی گئی اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ گرفتاری کوئی نہیں ہوئی تاہم مولویوں کی لڑائی کی وجہ سے مسجد میں تین وقت نماز نہیں ہوئی اور مسجد کو تالے لگا دیے گئے۔

پس تحریر: ڈچ پارلیمینٹیرین کے مسلمان ہونے پر فقط اتنا لکھا تھا کہ " مسلمان تو ہو گیا، دعا کریں مولویوں سے دور ہی رہے۔ جب میں وہ لکھ رہا تھا کہ

اس وقت مولوی مجھے غلط ثابت کرنے کے لیے گالیاں دے رہے تھے اور کائنات کی ابدی اور سرمدی قوتیں میری بات کو سچ ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھیں ۔یہ بھی تکوینی امور میں سے ہے۔

ورنہ مولوی اور لڑائی ، کی کردے او جی
مولوی اور فراڈ ، خدا دا خوف کرو جی
مولوی اور چوری ، ناجی ناں
مولوی اور فرقہ واریت، ایہہ کس طرح ہوسکدا
مولوی اور قتل وغارت، امریکا دا پروپیگنڈا ایہہ جی
مولوی اور بدکاری ، استغفراللہ
مولوی اور حرام خوری ، کناں نوں ہتھ لاؤ جی
یہ سب پہلے دور کی باتیں تھیں
اب لوگ کہتے ہیں
مولوی اور اسلام، اناں دواں دا کی تعلق ایہہ
مولوی اور شرافت ، کھنڑا کی چاہندے او
مولوی اور انسانیت، یار شاور اس شعر وچ کیدی ماں بھنڑ یک کر ریا

اللہ تعالی اسلام کو مسلمانوں کے شر سے اور مسلمانوں کو مولوی کے شر سے بچائے۔آمین

اس بار اس کا اہتمام ان حضرات نے فرمایا ہے۔یا خدا، میری اس نیم شبی کی اس عبادت کو اپنے دربار میں قبول ومنظور فرما اور اس قوم کو ہدایت دے۔آمین

https://www.facebook.com/sabookhsyed/posts

سعدیہ نواز صاحبہ کی پاکستان کے بارے میں ایک پریشان کن تحریر:

کل میری والدہ نے بہاولپور کالج میں پروفیسر خالد حمید کے بہیمانہ قتل کی خبر سنی تو فون کر کے مجھے یونیورسٹی میں دوپٹہ اوڑھے رکھنے کا حکم دیا کہ میں چونکہ یونیورسٹی میں پڑھاتی ہوں تو کہیں اس "بے حجابی" پر کوئی "مولوی" سٹوڈنٹ مجھے جان ہی سے نہ مار ڈالے۔میں نے ہنس کر بات ختم کردی لیکن ان کی تشویش ایسی بے جا نہیں ہے۔ مذہبی جنون دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔ نہ صرف یہ پروفیسر صاحب بلکہ انہی دنوں میں فتح جنگ میں دو احمدی ڈاکٹرز کو اغوا کے بعد شہید کر دیا گیا۔اس سے پہلے بھی کئی احمدی اور شیعہ پروفیسرز اور ڈاکٹرز کو اسی خونی جنوں نے نگل ہے۔ہر برے واقعے کی طرح ہمارے یہاں کا یہ پہلا واقعہ بھی نہیں ہے، 2013 میں گجرات یونیورسٹی کے پروفیسر سید شبیر حسین شاہ محض ترقی پسندی اور اپنے نام کے ساتھ جڑے موت کے پروانے "سید" کی خاطر راہ چلتے گولیوں سے بھون دیئے گئے تھے۔کراچی کے پروفیسر اظفر رضوی، سبط جعفر اور کئی نام اس فہرست میں ہیں۔ یہ سچ ہے مشال خان کے دل دہلا دینے والے واقعے نے مجھ جیسے کئی لوگوں کا حوصلہ ہمیشہ کے لئے پست کر دیا۔جنید حفیظ، سلمان حیدر، تیمور علی جان اور ان جیسے کئی جیلوں میں سڑ رہے ہیں، ملک بدر ہیں یا پھر نوکریوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

اعلی تعلیمی اداروں میں بڑھتی دہشت گردی کے کئی پہلو رہے ہیں۔جس میں ساتھی اساتذہ کا بغض، حسد اور ایڈمنسٹریشن میں موجود "کلرک" ذہنیت بھی کسی ایک استاد کو ٹارگٹ بناتی رہی ہے۔کراچی اور بلوچستان میں جہاں ریاستی عنصر شامل ہے یہ واقعات اس سے بھی زیادہ خوفناک صورت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

مگر ایک بات بہر حال واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ یونیورسٹی، کالج یا سکول میں جانے سے پہلے طلبا بنیادی تعلیم گھر اور مدرسے سے یا مولوی صاحب سے حاصل کرتے ہیں۔ جہاں بچوں کو پیروی اسلام کی خاطر جان بھی قربان اور توہین پرسرتن سے جدا جیسے الفاظ سکھائے جاتے ہیں، اگر بنیادی تربیت ہی یہی نفرت اور اذیت کی ڈی جائے تو ان بچوں نے بڑے ہوکر کہاں اور کس تحمل، برداشت، ہم آہنگی اور رواداری کا سبق سیکھنا ہے۔رہی سہی کسر ہماری درسی کتب نکال دیتی ہیں۔جن میں دوسرے مذاہب کے لئے توہین آمیز مواد موجود ہے۔مگر ان سب سے بڑی وجہ میرے نزدیک ریاستی سرپرستی وتائید ہے۔ریاست کی طرف سے نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم کی طرح کا کوئی ردعمل ان حالیہ واقعات پر سامنے نہیں آیا۔ان حالات میں اساتذہ کی تشویش لا محل نہیں ہے، خدا معلوم مذہبی انتہا پسندی اور عدم برداشت کا یہ عفریت آنے والے دنوں میں کیا کیا طوفان اٹھائے گا۔

نصیر احمد شاہد صاحب کی خواہ مخواہ کے ہیروز کے لئے فکر انگیز تحریر

1850 کے لگ بھگ کا زمانہ ہے مقام دلی ہے وقت صبح کے ساڑھے تین

بجے کا ہے سول لائن میں بگل بج اٹھا ہے پچاس سالہ کپتان رابرٹ اور اٹھارہ سالہ لیفٹیننٹ ہینری دونوں ڈرل کیلئے جاگ گئے ہیں دو گھنٹے بعد طلوع آفتاب کے وقت انگریز سویلین بھی بیدار ہو کر ورزش کر رہے ہیں انگریز عورتیں گھوڑ سواری کو نکل گئی ہیں سات بجے انگریز مجسٹریٹ دفتروں میں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سفیر سر تھامس مٹکاف دوپہر تک کام کا اکثر حصہ ختم کر چکا ہے کوتوالی اور شاہی دربار کے خطوں کا جواب دیا جا چکا ہے بہادر شاہ ظفر کے تازہ ترین حالات کا تجزیہ آگرہ اور کلکتہ بھیج دیا گیا ہے دن کے ایک بجے سر مٹکاف بگھی پر سوار ہو کر وقفہ کرنے کیلئے گھر کی طرف چل پڑا ہے یہ ہے وہ وقت جب لال قلعہ کے شاہی محل میں صبح کی چہل پہل شروع ہو رہی ہے ظل الہی کے محل میں صبح صادق کے وقت مشاعرہ ختم ہوا تھا جس کے بعد ظلِ الہی اور عمائدین خواب گاہوں کو گئے تھے اب کنیزیں نقرئی برتن میں ظلِ الہی کا منہ ہاتھ دھلا رہی ہیں اور تولیہ بردار ماہ جبینیں چہرہ، پاؤں اور شاہی ناک صاف کر رہی ہیں اور حکیم چمن لال شاہی پائے مبارک کے تلووں پر روغن زیتون مل رہا ہے،،! اس حقیقت کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ لال قلعہ میں ناشتے کا وقت اور دہلی کے برطانوی حصے میں دوپہر کے لنچ کا وقت ایک ہی تھا دو ہزار سے زائد شہزادوں کا بٹیر بازی، مرغ بازی، کبوتر بازی اور مینڈھوں کی لڑائی کا وقت بھی وہی تھا،،

اب ایک سو سال یا ڈیڑھ سو سال پیچھے چلتے ہیں

برطانیہ سے نوجوان انگریز کلکتہ، ہگلی اور مدراس کی بندرگاہوں پر اترتے ہیں برسات کا موسم ہے مچھر ہیں اور پانی ہے ملیریا سے اوسط دو انگریز روزانہ مرتے ہیں لیکن ایک شخص بھی اس ''مرگ آباد'' سے واپس نہیں جاتا۔ لارڈ کلائیو پہروں گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہتا ہے۔

اب 2018ء میں آتے ہیں

پچانوے فیصد سے زیادہ امریکی رات کا کھانا سات بجے تک کھا لیتے ہیں آٹھ بجے تک بستر میں ہوتے ہیں اور صبح پانچ بجے سے پہلے بیدار ہو جاتے ہیں بڑے سے بڑا ڈاکٹر چھ بجے صبح ہسپتال میں موجود ہوتا ہے پورے یورپ امریکہ جاپان آسٹریلیا اور سنگاپور میں کوئی دفتر، کارخانہ، ادارہ، ہسپتال ایسا نہیں جہاں اگر ڈیوٹی کا وقت نو بجے ہے تو لوگ ساڑھے نو بجے آئیں!

آجکل چین دنیا کی دوسری بڑی طاقت بن چکی ہے پوری قوم صبح چھ سے سات بجے ناشتہ اور دوپہر ساڑھے گیارہ بجے لنچ اور شام سات بجے تک ڈنر کر چکی ہوتی ہے

اللہ کی سنت کسی کیلئے نہیں بدلتی اسکا کوئی رشتہ دار نہیں نہ اس نے کسی کو جنا، نہ کسی نے اس کو جنا کلا ئیو محنت کریگا تو وہ کامیاب ہوگا عیسائی ورکر تھامسن میٹکاف سات بجے دفتر پہنچ جائیگا تو دن کے ایک بجے تولیہ بردار کنیزوں سے چہرہ صاف کروانے والا، بہادر شاہ ظفر مسلمان بادشاہ ہی کیوں نہ ہونا کام رہے گا بدر میں فرشتے نصرت کیلئے اتارے گئے تھے لیکن اس سے پہلے مسلمان پانی کے چشموں پر قبضہ کر چکے تھے جو آسان کام نہیں تھا اور خدا کا محبوبؐ رات بھر یا تو پالیسی بنا تا رہا یا سجدے میں پڑا رہا تھا! حیرت ہے ان حاطب اللیل دانش وروں پر جو یہ کہہ کر قوم کو مزید افیون کھلا رہے ہیں کہ پاکستان ستائیسویں رمضان کو بنا تھا کوئی اسکا بال بیکا نہیں کر سکتا کیا سلطنتِ خداداد پاکستان اللہ کی رشتہ دار تھی اور کیا سلطنت خداداد میسور اللہ کی دشمن تھی۔ اسلام آباد مرکزی حکومت کے دفاتر ہیں یا صوبوں کے دفاتر یا نیم سرکاری ادارے،، ہر جگہ لال قلعہ کی طرز زندگی کا دور دورہ ہے،، کتنے وزیر کتنے سیکرٹری کتنے انجینئر کتنے ڈاکٹر کتنے پولیس افسر کتنے ڈی سی او کتنے کلرک آٹھ بجے ڈیوٹی پر موجود ہوتے ہیں؟ کیا اس قوم کو تباہ و برباد ہونے سے دنیا کی کوئی قوم بچا سکتی ہے جس میں کسی کو تو اس لئے مسند پر نہیں بٹھایا جا سکتا کہ وہ دوپہر سے پہلے اٹھتا ہی نہیں، اور کوئی اس پر فخر کرتا ہے کہ وہ دوپہر کو اٹھتا ہے لیکن سہ پہر تک ریموٹ کنٹرول کھلونوں سے دل بہلاتا ہے، جبکہ کچھ کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ دوپہر کے تین بجے اٹھتے ہیں،، کیا اس معاشرے کی اخلاقی پستی کی کوئی حد باقی ہے جہاں شادی کے دعوت ناموں پر آٹھ بجے کا وقت لکھا جاتا ہے اور کھانا رات کے بارہ اور ڈیڑھ بجے پیش کیا جاتا ہے اور مہمانوں کی پیشانیوں پر شکن پڑتی ہے نہ میزبانوں کے چہروں پر شرم کی جھلک نظر آتی ہے جانے قدرت کسی چیز کا انتظار کر رہی ہے!

کیا قدرت کو امید ہے کہ ہم سیدھے راستے پر آجائیں گے.....؟

دکھ ساتھی، غمگسار رفیق، بہترین استاد و دوست تھے۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہ مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر ویرانے پہ کیا گزری

شذرات



ترتیب وتبصرہ اصغر علی بھٹی نگران اعلیٰ مجلہ قندیل حق

دوران ماہ سے ہم اپنے قارئین کے علم میں اضافہ کے لئے، اور بہتر موازنہ کے لئے دنیا بھر میں پھیلے مذہبی رسائل سے حاصل شدہ معلومات اپنے تبصرہ کے ساتھ پیش کرنے کا نیا سلسلہ شرع کر رہے ہیں (نگران اعلیٰ قندیل حق لندن)

ماہ رجب میں بریلوی امت کے کونڈوں کی رسم

ماہنامہ اشرف الجرائد اپنی مارچ 2019 کی اشاعت میں زیر عنوان ماہ رجب فضائل ومسائل ڈاکٹر مفتی احمد خان صاحب لکھتے ہیں

رجب اسلامی وقمری سال کا ساتواں مہینہ ہے اس کا شمار حرمت کے چار مہینوں میں ہوتا ہے۔۔ اسلام نے اس مہینہ کو بہت معزز ومحترم بتلایا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ بعد کے جہلاء نے اس مہینہ میں بہت سی من گھڑت خرافات شروع کر دیں جن کا اسلام سے اور شریعت محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں

کونڈوں کی شرعی وتاریخی حیثیت

ایک قبیح بدعت 22 رجب کو کونڈوں کی رسم ہے۔ یہ بغض صحابہ اور توہین صحابہ رضوان اللہ علیہم پر مبنی رسم دشمنان صحابہ کی ایجاد کردہ ہے۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ 22 رجب کی شب کو عورتیں نہا دھو کر باوضو ہو کر خاص طریقہ کے مطابق پوریاں بنا کر مٹی کے کورے کونڈوں میں بھر کر چوکی یا صاف چادر پر رکھ کر ایک منظوم کتاب پڑھواتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس رسم کی ابتداء سن 1906 میں ریاست رام پور (یوپی) سے ہوئی۔ رجب کے کونڈوں کو ثابت کرنے کے لئے ایک جھوٹی کہانی کا سہارا لیا جاتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک غریب لکڑ ہارے کی بیوی نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو 22 رجب کو میرے نام کے کونڈے بھرے گا پھر اللہ سے جو بھی دعا کرے گا وہ قبول ہوگی ورنہ قیامت کے دن وہ میرا گریبان پکڑ لے۔ چنانچہ اس لکڑ ہارے کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ اس کا شوہر بہت سا مال لے کر واپس لوٹا اور ایک شاندار محل بنا کر رہنے لگا۔ اور وزیر کی بیوی نے کونڈوں کو نہ مانا تو اس کے شوہر کی وزارت ختم ہوگئی۔ پھر اس نے توبہ کی اور کونڈے بھرے تو دوبارہ وزیر بن گیا۔ اس کے بعد بادشاہ اور قوم ہر سال دھوم دھام سے یہ رسم منانے لگے۔ یہ ایک قبیح بدعت رسم دشمنان صحابہ کی ایجاد کردہ صرف اور صرف بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کے اظہار کے لئے ہے۔۔ 22 رجب حضرت امیر معاویہ کی تاریخ وفات ہے۔ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ رسم درحقیقت حضرت امیر معاویہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ (فتاوی محمودیہ 220/1 ادارہ الفاروق از مفتی کفائت اللہ) جس وقت یہ رسم بجالائی گئی اس وقت اہل سنت کا غلبہ تھا اس لئے خفیہ منائی گئی"

(ماہنامہ اشرف الجرائد ماہ مارچ 2019 مضمون ماہ رجب فضائل ومسائل از ڈاکٹر مفتی احمد خان ص 40/41 مدیر مولانا عبدالقوی ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد)

تبصرہ قندیل حق

شائد ایسی ہی نئی نئی بدعات پر ظفر علی خان صاحب نے گھبرا کر کہا تھا

پانچ دن کی زندگی میں دین کا غم کھائے کون
جب یہ مہلت بھی ہو کم دنیا کے دھندوں کے لئے
کیا تماشا ہے کہ کہلاتے ہیں وہ بھی سرفروش
وقف ہے ساری تگ ودوجن کی چندوں کے کے لئے
بھڑیئے کے دانت کی تیزی سے بھی سفاک تر
خود گڈریے کی چھری ہو گوسفندوں کے لئے

تکفیر تضلیل کی باد صرصر میں گری بت تراش قوم

ماہنامہ صدائے حق فروری مارچ 2019 ترجمان جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ضلع سہارن پور (یوپی) انڈیا اپنے ادارئے میں زیر عنوان اتحاد کی دعوت دیجئے لکھتا ہے

ابھی چند دن پہلے امت کے درمیان اتحاد کی رٹ لگانے والوں کی زبانی ایسی گرما گرم تقریرین پردہ سماعت سے ٹکرائیں کہ بے ساختہ شاعر اسلام علامہ محمد اقبال مرحوم یاد آگئے۔ انہوں نے ملی وحدت کی خاطر تفریق بین المسلمین کا صور پھونکنے والے افراد سے کچھ اس طرح شکوہ کیا ہے کہ

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

یہ اُس قوم کا مرثیہ ہے جو سب سے اولوالعزم پیغمبر کی امت ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ یہ اس قوم کے معاشرتی بگاڑ کی داستان ہلاہل ہے جسے پوری دنیا کی سیادت و قیادت کا فرض منصبی دیا گیا تھا۔ لیکن اختلاف باہمی نے انہیں بے حیثیت بنا کر رکھ دیا ہے۔ انہیں ایک رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی تلقین کی گئی تھی مگر وہ حصوں میں بٹ اور منقسم ہو گئے۔ انہوں نے اپنی اپنی خواہشات کے بت تراش لئے، وہ گروہ بندیوں اور فرقوں میں بٹ کر رہ گئے،، تکفیر و تضلیل کی بادِ صرصر نے اسلام اور مسلمانوں کی چوپالوں کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ اب رہی سہی ملت کی شیرازہ بندی کو تقسیم در تقسیم کی نظر کرنا چاہتے ہیں۔ پتہ نہیں وہ کون سے اسلام کا احیاء چاہتے ہیں۔ یا پھر وہ اسلام دشمن طاقتوں کے نرغے میں ہیں۔۔۔ بے حد افسوس ہوتا ہے جب جماعتی یا مسلکی بنیادوں پر فریقین میں تلواریں سونت لی جاتی ہیں، مقام و مصلحت سے بے پرواہ ہو کر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں۔ ابھی کشمیر کے پلوامہ میں سی آر پی ایف کے چالیس سے زائد جوانوں کے جاں بحق ہونے کے بعد بریلوی مکتبہ فکر کے بعض نا عاقبت اندیش افراد کو دیوبندی مکتبہ فکر کے خلاف خلاف واقعہ منفی باتیں کرتے ہوئے سوشل میڈیا پر دیکھا تو حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ ملت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے والے اپنے بھی ہو سکتے ہیں فیا اسفاہ

متحد ہو تو بدل ڈالو نظام گلشن
منتشر ہو تو مرو شور مچاتے کیوں ہو؟

(ماہنامہ صدائے حق گنگوہ ماہ فروری مارچ انڈیا ص3 و5 شمارہ2،3 جلد3 مدیر مسئول مفتی خالد سیف اللہ)

ادارہ قندیل حق

کتنی سادگی سے مولانا فرمارہے ہیں کہ پتہ نہیں وہ کون سے اسلام کا احیاء چاہتے ہیں؟ اگر واقعی ان کو نہیں پتہ تو ہم جناب برق صاحب کے الفاظ میں گوش گزار کئے دیتے ہیں فرمایا" ایک اسلام تو وہ ہے جو 14 لاکھ حدیثوں کے بوجھ تلے کراہ رہا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو فقہی سکولوں کے نرغے میں پھنسا ہوا بچ نکلنے کے لئے فریاد بھی نہیں کر سکتا۔ اور ایک تیسرا اسلام ہے جو حضرات اہل بیت کرام کے لکڑی اور کاغذ کے تعزیوں کے ساتھ بندھا ہوا کوچہ و بازار میں سالانہ گردش کرتا نظر آتا ہے۔ ایک چوتھا اسلام ہے جو استخوان فروش مجاوروں اور پیرزادوں کے حلقے میں ہوحق کے نعرے لگانے میں مجبور ہے۔" (دو اسلام ص23 مصنفہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق پبلشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور طابع شیخ نیاز احمد مطبع علمی پرنٹنگ پریس) ان میں سے ہی کسی ایک اسلام کا احیاء کرنے کی کوشش ہو رہی ہو گی اس پر ناراض ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

"کہاں ہیں گلا پھاڑ پھاڑ کر منبر و محراب اور اسٹیج سے تقریر کرنے والے؟"

ماہنامہ" آئینہ مظاہر علوم" سہارن پور اپنی مارچ 2019 کی اشاعت میں ادارئے میں زیر عنوان" از خواب گاں خیز" لکھتا ہے

"اس نے خود کو مسلمان بتایا، نام مکناجی کٹاٹ ہے قومیت میرات اور گاؤں کا نام امبر گڑھ ہے۔ اُس کے بقول گاؤں میں ایک بھی مسجد اور مدرسہ نہیں۔ مجموعی طور پر گاؤں کی نصف آبادی مندروں میں جا کر پوجا کرتی ہے۔ سات آٹھ لوگ صرف جمعہ کی نماز کسی بھی مکان میں ادا کر لیتے ہیں۔ بچے نہ دین سے واقف ہیں نہ دینی تعلیم سے۔ روزوں کا بھی یہی حال ہے اور اگر مسجد اور مکتب بن جائے تو ممکن ہے کہ اگلی نسل دین سے کچھ نہ کچھ آشنا ہو جائے۔ تیجا جی مہاراج کی پوجا یہاں خاص طور پر ادا ہوتی ہے۔

چونکئے مت، یہ کسی یورپی ملک کی کہانی نہیں، ہندوستان کے امبر گڑھ کی روداد ہے۔ جہاں سجدوں سے محروم پیشانیاں ہماری غفلت پر اشک افشاں ہیں، سجدہ گاہوں سے محروم ایسی کتنی ہی بستیاں ہیں جو ہماری غفلت و بے حسی پر ماتم کناں ہیں۔

کہاں ہیں مسجدیں بنوانے والی تنظیمیں، کہاں ہیں اپنی خدمت کے بڑے بڑے بینرز اور ہورڈنگ آویزاں کرنے والی تحریکیں؟ کہاں ہیں گلا پھاڑ پھاڑ کر منبر و محراب اور اسٹیج سے تقریر کرنے والے؟ امبر گڑھ جیسے اور کتنے مقامات ہوں گے جہاں کے مسلمان اپنی مسلمانی کھو چکے، کتنے بچے ہوں گے جو حالت کفر و شرک میں پل کر جوان ہو گئے، کتنے ہی معصوم لوگ ہوں گے جو ایسی ضلالت و ذلالت والی زندگی گزار کر ملک عدم کو سدھار گئے۔

ہمیں معاف فرائیں ضلع سہارن پور میں آئے دن مدارس وجود میں آتے ہیں، مساجد قائم ہوتی ہیں، مدرسہ کے قریب مدرسہ۔ مسجد کے قریب مسجد، اختلافات کی بنیاد پر ایک نیا مدرسہ، برادری کے نام پر مسجد و مدرسہ۔ حد تو یہ ہو گئی کہ مساجد اور مدارس کی شناخت ہی برادری کے نام سے ہونے لگی۔ اسی ضلع سہارن پور میں ایک

ہزار سے زائد مدارس ومکاتب ہیں اور گھانس پھونس کے مانند آئے دن اگتے جا رہے ہیں ۔خود دیوبند جہاں دارالعلوم دیوبند موجود ہے مگر اسی دیوبند میں کئی سو مساجد اور مساجد سے زیادہ مکاتب اور مدارس موجود ہیں ۔ بہت سے اہل مکاتب نے تو اپنے نام کے ساتھ جامعہ لکھا ہوا ہے۔۔۔۔عجیب بات ہے جہاں مساجد ہیں وہاں نمازی نہیں، جہاں نمازی ہیں وہاں مساجد نہیں، جن کی پیشانیاں سجدوں کے نشانات سے روشن ہیں وہ غربت اور افلاس سے بے قرار ہیں، کسی مسجد کو دروازے نصیب نہیں توکسی مسجد میں ڈبل گیٹ اور ڈبل کھڑکیاں نسب ہیں، کسی مسجد میں صفیں میسر نہیں ہیں توکسی کو صفیں رکھنے کی جگہ نہیں مل رہی"

(ماہ مارچ 2019 آئینہ مظاہر علوم مضمون نگار ناصر الدین مظاہری ص 3 تا 5)

تبصرہ قندیل حق

جب زمینی سہارے اور زمینی ذرائع کام نہ کریں تو عقل بھی کہتی ہے اور مذہب بھی کہتا ہے کہ پھر آسمان کی طرف دیکھنا چاہیے مگر کیا کریں آسمان کے دروازے بھی تو ہم نے خود بند کر دیئے ہیں ۔ بلکہ آسمان والے کو تو ہم نے خود جواب دے دیا ہے بقول مودودی صاحب "اگر کوئی آ بھی گیا تو ہم اس کا انکار کر دیں گے" تو میرے بھائی پھر رونا کس بات کا؟ ۔ جو خودکشی خود لا گو کی ہے اس کے لئے کسی دوسرے کو دوش کیوں دے رہے ہو؟

شراب نوشی اور شراب فروشی کے خلاف آواز اٹھانے کی بھی اب ہم میں سکت نہیں رہی

پھلت ضلع مظفر نگر انڈیا سے نکلنے والا کثیر الاشاعت دیوبندی رسالے ارمغان اپنی مارچ 2019 کی اشاعت میں اپنے ادارئے میں زیر عنوان "نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے" ص 3 پر لکھتا ہے "گزشتہ فروری کی 8 تاریخ کو ضلع سہارن پور کے گاؤں "کوٹا و ماہی" اور اس کے اطراف میں زہریلی شراب پینے سے 40 سے زائد افراد لقمہ اجل بن گئے اور بہت سارے لوگوں کی حالت انتہائی نازک بن گئی اور پورے علاقہ میں کہرام مچ گیا۔۔۔افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات، اسلامی کلچر کے باوجود بہت سے ایسے مسلمان ہیں جو شراب پیتے ہیں ، چرس کا ستعمال کرتے ہیں، اور مسلسل نشہ کے عادی ہو چکے ہیں ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم یں اب وہ جرات وہمت بھی نہیں کہ موت کے سوداگروں اور نشہ کا کاروبار کرکے سماج کی کوکھوکھلا اورنئی نسلوں کو تباہ کرنے والوں کے خلاف آواز اٹھائیں ۔ ہم میں یہ جذبہ بھی نہیں ہے کہ جو نشہ کا شکار بن چکے ہیں ان کو چھوڑنے کے لئے آمادہ کریں ۔ اوران کی تربیت کا مناسب انتظام کرکے اس طوفان بلاخیز کو روکنے کی فکر کریں"

(ایڈیٹر وصی سلیمان ندوی جلد 27 شمارہ 3 ص 3، 4 ماہ مارچ 2019)

تبصرہ قندیل حق

ایسی بے بسی پر مولانا ظفر علی خان کا ایک اور شعر یاد آ رہا ہے

رسوائی اپنے دین کی ان آنکھوں سے دیکھ لی
حسرت بھری نگاہ ہماری جدھر گئی
مومن سے پوچھتا ہے یہ کافر براہ طنز
تیری ہزار سالہ حمیت کدھر گئی

ہندوستان میں ارتداد کی خوفناک وبا

دیوبندی رسالہ ارمغان اپنی مارچ 2019 کے حالیہ شمارہ میں مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی صاحب زیر عنوان "تن ہمہ داغ داغ شد بدن زخموں سے چور چور ہے" لکھتے ہیں

" آج رات جب لیٹنے کے لئے بستر پر گیا تو بہت دیر تک نیند نہیں آئی ۔گزشتہ تین دنوں میں عالم اسلام میں پیش آنے والے مختلف اندوہناک واقعات کے تصور ہی سے اپنے کمزور ایمان کے احساس کے باوجود دل و دماغ متاثر تھا۔۔یمن میں حوثیوں کے میزائیل حملہ میں 27 معصوم اہل ایمان نشانہ بنے ۔جن میں 15 بچے بھی شامل تھے ۔شام کی خانہ جنگی میں تازہ ترین واقعہ میں ڈیڑھ سو سے زائد شامی مسلمان شہید ہوئے ۔ادھر لیبیا میں طرابلس کے قریب عوامی بھیڑ میں بم دھماکہ، ستر کے قریب اہل اسلام ابدی نیند کی آغوش میں پہنچ گئے ۔۔موت کی آغوش میں جانے والے سب کے سب ہمارے ملی بھائی تھے ۔لیکن اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ تھی کہ ان سب کو شہید کرنے والے بھی خود ہمارے ایمانی بھائی ہی تھے ۔۔ دوسرے لفظوں میں ظالم ومظلوم دونوں کا ہماری ہی ملت سے تعلق تھا۔ کسی تیسرے غیر مسلم بھائی نے ان کو نشانہ نہیں بنایا۔

دوسری خبر جس نے بے چینی میں اضافہ کیا وہ ایک عرب ملک سے آنے والی یہ خبر تھی کہ ان کے نیشنل ڈے کے جشن میں کرسمس کی طرح دنیا کا اب تک کا عالمی ریکارڈ توڑنے والا سب سے بڑا کیک کاٹا گیا ۔اور رات بھر عوام کی طرف سے ہی نہیں حکومت کی طرف سے سرکاری سطح پر وہ تاریخی آتش بازی ہوئی کہ شائد شیطان بھی شرما گیا ۔ اور اس پر اس قدر بے تحاشہ خرچ کیا گیا کہ اس کا تخمینہ ایک غریب افریقی ملک کے سالانہ بجٹ کا ایک چوتھائی حصہ بنتا ہے۔

تیسری المناک خبر یہ تھی کہ اقوام متحدہ کے بچوں سے متعلق تازہ ترین رپورٹ کے مطابق دنیا میں موجود دس فیصد سے زائد بچے غذائی کمیت کا شکار ہیں ۔ بالفاظ دیگر

پانچ کروڑ سے زائد بچوں کو وقت پر کھانا نہیں ملتا۔بحیثیت انسان ہم سب کے لئے یہ کربناک خبر تھی ہی لیکن بحیثیت مومن و مسلم اس لئے تھی کہ اس فقر و فاقہ میں مبتلا بچے اکثر مسلم افریقی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں ۔یعنی ہماری ملت کا ہر دسواں بچہ اپنی جان بچانے والے لقموں سے اب بھی محروم ہے۔ایک طرف مسلم امت کی فضول خرچی واسراف و تبذیر اور دوسری طرف ملت اسلامیہ میں غربت و فاقہ کشی کا یہ حال ہے کہ شام میں مسلم مہاجرین کے کیمپوں جان بچانے کے لئے دو سال قبل مردہ گوشت سے پیٹ کی آگ بجھائی گئی۔

چوتھی بات امت مسلمہ کو اس وقت درپیش سب سے اہم چیلنج اور المیہ یعنی نئی نسل میں بڑھتے ارتداد کا ہے۔۔گزشتہ صرف چند مہینوں میں امت کا یہ سب سے سلگتا مسئلہ تھا۔۔میں نے پنجاب سے کشمیر، ہریانہ اتر پردیش، مدھیہ پردیش، مہارشٹر، اور گوا تک مختلف صوبوں کے درجنوں شہروں کا اسی مقصد کے تحت دورہ کیا۔دہلی چندی گڑھ، سری نگر، لکھنو، بھوپال ممبئ، رتنا گیری، میسور، بنگلور، حیدرآباد، محبوب نگر، مراد آباد، ہلدوانی، رامپور، بجنور، اور سونی پت وغیرہ درجنوں شہروں میں جانے کا موقعہ ملا۔اس دوران ہر جگہہ ہماری بچیوں اور بچوں کے اسلام کو خیر آباد کہہ کر کفر و شرک کے دلدل میں جانے کے ہولناک واقعات سننے کو ملے وہ رات کی نیند اڑا دینے کے لئے کافی تھے۔لیکن افسوس اکثر جگہوں پر مقامی دیندار طبقہ کو بھی دیکھا کہ وہ اب بھی بالعموم اس مسئلہ کی ہولناکی کو سمجھنے سے کوسوں دور تھے۔

سب سے زیادہ گھبراہٹ والا پہلو

اس دعوتی تجزیہ میں تشویش کو بڑھانے والا اور سب سے زیادہ گھبراہٹ والا ایک اور پہلو یہ ہے کہ کل تک بے دین اور اسلام سے دور گھرانوں کے تعلق سے الحاد و ارتداد کے واقعات سننے کو ملتے تھے لیکن آج ارتداد کے پیش آمدہ بعض ان واقعات کا تعلق خود ہمارے دین دار گھرانوں اور خاندانوں سے سے ہے

منھ اپنا چھپاتے تھے شرما کے صنم خانے

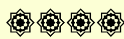
آج نہ صرف اس مقدس زمین پر آزادی سے شرک و کفر کی اجازت ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خود ہمارے عرب بھائیوں میں۔۔کھلم کھلا شرک سرائیت ہوتا نظر آرہا ہے۔کچھ دن پہلے ایک عرب ملک میں واقع ایک مندر میں علی الاعلان ہمارے عرب بھائیوں کو عربی لباس میں سر پر رومال کے ساتھ بت پرستی اور اس کے متعلقہ شرکیہ کاموں کو کرتے ہوئے دیکھا گیا۔اور پوری دنیا میں یہ ویڈیو وائرل ہوئی۔۔لیکن افسوس آج ان ہی عرب ملکوں میں نہ صرف شرک و کفر گوارا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کے ساتھ خود اس میں اپنی شرکت سے بھی عامحسوس نہیں ہو رہا"

(ماہنامہ ارمغان انڈیا مارچ 2019 ص 28 تا 31)

تبصرہ قندیل حق

"یمن، شام، پاکستان، افغانستان، لیبیا، عراق غرض ہر جگہ اسلامی خون ہی ارزاں ہے" "ملت اسلامی کا ہر دسواں بچہ بھوکا ہے اور بادشاہان عیاشیوں سے آتش بازی میں لگے ہوئے ہیں" "ہر طرف الحاد اور ارتداد پھیل رہا ہے دنیا دار ہی نہیں دین دار گھرانوں میں بھی" "عرب سر پر رومال باندھے مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ ان کے مندر میں شرکیہ کاموں میں نظر آرہے ہیں" وغیرہ وغیرہ میری بھولے بھائی جب دو دن سر درد کا آرام نہ آئے تو ہم دوا بدل لیتے ہیں اور ہفتہ گزر جائے تو ڈاکٹر اور ہسپتال بھی بدل لیتے ہیں پھر کیا ہے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں بیماریاں لئے پھرتے ہو۔الحاد و ارتداد کے کینسر تلے دبے چیخ رہے ہو اور دوائی کے لئے اسی عطار کے لونڈے کے پاس بیٹھے ہو جس سے نہ تمہارے بچوں کی عزت محفوظ ہے اور نہ بچیوں کی۔جو قرآن پڑھنا نہیں جانتا اور کافر کا فر کہنے سے رکنا نہیں جانتا۔سرحد کے اس پار ہو یا اُس پار۔حال ایک سا ہی ہے۔تمہیں یاد ہے 1933 اور 1934 کی شدھی کی تحریک کے دنوں میں ٹیمیں قادیان سے بھی نکلیں اور دیوبند و مضافات سے بھی۔لیکن قادیان والے ملکانوں کو کلمہ پڑھانے اور مضافات والے یہ سمجھانے کہ اگر احمدیوں ہی کے ہاتھ پر کلمہ پڑھنا ہے تو تم ہندو ہی اچھے ہو۔اور سرحد کے اس پار قصور میں دو سو بچوں سے بدفعلی اور یورپ بھیجی جانے والی ویڈیوز کا سکینڈل سامنے آیا کوئی پتہ بھی نہیں ہلا۔زینب اور اس جیسی بیسیوں تتلیوں جیسی بچیوں سے زیادتی کے بعد گلہ دبا کر ماردینے والی مکروہ حرکات سامنے آئیں کوئی جوں تک نہیں رینگی۔پاکستان کے نوجوان پورنو سیرچ کرنے میں دنیا میں نمبر ون پر آگئے کوئی آنسو نہیں گرا۔مگر 13 یا 14 اسٹوڈنٹس کا ایک گروپ ربوہ دیکھنے چلا گیا تو اوریا مقبول جان صاحب جیسے ہزاروں مولوی ملاں لوگ چوک میں کھڑے ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ماتم کر رہے تھے۔آخر کیوں سوچو؟

جب سکوت مرگ طاری ہو فضا پر ہر طرف
یہ سمجھ لو جلد ہی اک انقلاب آنے کو ہے
کیوں پڑے ہو اوس کی چادر میں چہرہ ڈھانپ کر
سونے والو! ب تو سر پر آفتاب آنے کو ہے
نوح کی کشتی کو لاؤ ڈھونڈ کر دیدہ ورو
اب تو ہر ٹیلہ یہاں کا زیر آب آنے کو ہے



اُردو۔ جرمن کلچرل سوسائٹی (بزم خواتین) کے دس سال

شاندار عالمی مشاعرہ

14 JULY SUNDAY
@ 2:00 Pm

Burgerhaus Harheim
in Den Schafgarten 21
60437, Frankfurt- Harheim

پروگرام:

نشست اول: 2 تا 3 بجے　　مزاحیہ شاعری: فوزیہ بٹ لندن ودیگر

وقفہ: برائے چائے 3 تا 4 بجے　　مشاعرہ: 4 بجے سے شام 8 بجے تک

مہمانِ خصوصی: صاحبزادی فائزہ احمد۔ پاکستان





شاعرات بیرون از جرمنی: طاہرہ زرتشت ناروے۔ ڈاکٹر نکہت افتخار برمنگھم۔
حمیدہ کاظمی۔ قدسیہ شکور (سوئزرلینڈ) مسعودہ طارق (کینیڈا)
شاہدہ سجاد (سویڈن) نبیلہ رفیق (ناروے)



انگلستان:۔ فوزیہ بٹ۔ رابعہ چوہدری۔ امۃ الشافی۔ بشریٰ عمر۔ نسرین نیناں۔

جرمنی:۔ شاذیہ نورین۔ طاہرہ رباب۔ فرزانہ ناہید شوکت احمد۔ درثمین احمد۔ فہمیدہ مُسرت۔ نصرت مجید۔ عشرت مٹو
صدف صاحبہ۔ مغفورہ۔ امۃ الجمیل۔ بشارت سُکھی۔ شاذیہ افروز۔ فہمیدہ بٹ۔

ڈنر 8 بجے شام۔　　اختتام مشاعرہ 9 بجے شام

ضروری: مشاعرہ اور ڈنر کی داخلہ فیس 12 یورو ہے۔ صبح 11 بجے سے رات 9 بجے تک ملبوسات اور جیولری کے سٹالز بھی لگائے جائیں گے، جن کیلئے کوئی داخلہ فیس نہیں ہے۔ 12 سال سے کم عمر بچوں کو ہمراہ نہ لائیں۔ 12 سال سے زائد عمر کی بچیاں داخلہ فیس 12 یورو دیکر مشاعرہ میں شرکت کرسکتی ہیں۔

رابطہ کریں:
شمیم خان صدر بزم خواتین　0171-1974702
درثمین احمد۔ جنرل سیکرٹری بزم خواتین　0157-82583804

منجانب:: اردو جرمن کلچرل سوسائٹی فرینکفرٹ

Ahmadiyya Mosques Worldwide

